غیر مقلدین کو دعوتِ انصاف

جلد چہارم

محمد نعیم اللہ خاں قادری

فیضانِ مدینہ پبلیکیشنز

کاموکی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

غیر مقلدین کو دعوتِ انصاف

جلد چہارم

مرتبہ : محمد نعیم اللہ خاں قادری
بی ایس سی، بی ایڈ
ایم اے اردو، پنجابی، تاریخ

ناشر: فیضان مدینہ پبلیکیشنز جامع مسجد عمر روڈ کامونکی

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب ـــــــ غیر مقلدین کو دعوت انصاف

مرتبہ ـــــــ محمد نعیم اللہ خاں قادری

بی ایس سی۔ بی ایڈ
ایم اے اردو۔ پنجابی۔ تاریخ

ناشر ـــــــ فیضان مدینہ پبلیکیشنز کاموکے

صفحات ـــــــ 1136

بار اول ـــــــ جنوری ۲۰۰۴ء

ہدیہ ـــــــ [illegible] روپے

ملنے کے پتے :

- ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور 72250885 ☎ 7247350
- ضیاء القرآن پبلیکیشنز کراچی 2210212 ☎ 021-2630411
- شبیر برادرز لاہور ☎ 7246006 — مکتبہ جمال کرم لاہور ☎ 7324948
- فرید بک سٹال لاہور 7224899 — رضا ورائٹی لاہور — پروگریسو بکس لاہور
- مسلم کتابوی لاہور — مکتبہ نبویہ لاہور — سنی کتب خانہ لاہور
- مکتبہ قادریہ گوجرانوالہ ☎ 237699 — مکتبہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ ☎ 217986
- مکتبہ مہریہ رضویہ ڈسکہ — غوثیہ کتب خانہ گوجرانوالہ

فہرست کتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرک و توحید

از حضرت مفتی اعظم ہند

علامہ شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ
وعلیٰ اٰلک واصحابک یا حبیب اللہ

شرک و توحید

اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی انزل القُراٰن وَھَدٰنا بِہٖ اِلیٰ عقائد الاِیمان واظھر ھٰذا الدِّین القَیم عَلیٰ سائر الادیان والصَّلوٰۃ والسَّلام اتمان اکملان فی کُل حین وَّان عَلیٰ سیّد الاِنس والجَان وَعلیٰ اٰلہٖ وصَحبہٖ ومن تبعَھُم باحسَان۔ امّا بَعد فاقول وباللّٰہِ التوفیق لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ۔

میں نے اپنے بیان کا زیبِ عنوان کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ اس لئے رکھا ہے کہ عوام سامعین کو کلمہ طیبہ تو صحتِ لفظی کے ساتھ یاد ہو گیا ہے لیکن انکے باوجود بعض عوام کو یہ کہتے سُنا کہ ـــ اہل اللہ کے مزارات پر سفر کر کے جانا ـــ قبر کو بوسہ دینا ـــ اس پر چادر چڑھانا ـــ اس کے غلاف کو پکڑ کر دُعا کرنی ـــ اللہ کی جناب میں کسی کو سفارشی سمجھنا ـــ رُخصت ہوتے وقت اُلٹے پاؤں چلنا ـــ یہ سب باتیں شرک ہیں اس کے علاوہ اور بھی بکثرت ایسے اقوال ہیں جن کے بیان کے لئے زبان یاری نہیں دیتی مثلاً معاذ اللہ" اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے" ـــ بلکہ جو افعالِ رذیلہ ایک انسان کر سکتا ہے وہ افعال اللہ تعالیٰ بھی کر سکتا ہے ـــ اسی طرح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں" اور" ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ اللہ کی

شان کے آگے چمارسے بھی زیادہ ذلیل ہے۔[1]" یہ اقوال فاسدہ کاسدہ وہ ہیں جن کا رد قطع نظر اس کے کہ نصوصِ قطعیہ کر رہی ہیں، خود کلمۂ طیبہ بھی اس کا رد کر رہا ہے۔ اگر کلمۂ طیبہ کے صحیح طور پر معنی معلوم ہوں تو ہرگز کسی مسلمان سے ایسے اقوال واہیہ صادر نہیں ہو سکتے۔ اِس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کلمۂ طیبہ کے معنی عرض کروں، جب اس کے معنی ذہن نشین ہو جائینگے تو پھر قول یا فعل پر احکامِ شرعیہ کے خلاف کوئی حکم نہ لگا سکیں گے۔

کلمۂ طیبہ کے پہلے جزو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں توحید کا کامل طور پر بیان فرما دیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ "اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے"۔ یعنی عبادت کی مستحق صرف وہی ایک ذات ہے جس کو اللہ کہتے ہیں اور اسم مُبارک اللہ اس ذاتِ اقدس کا نام ہے جسکی ذات قدیم ہے اور جو ازلی ابدی ہے یعنی ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہنے والا۔ یُونہی اس کی صفاتِ کاملہ بھی قدیم ہیں اور غیر محدُود لیکن ہر صفتِ ناقصہ سے پاک و منزہ ہے کسی صفتِ ناقصہ کی اس کی قدرت کی بارگاہ میں رسائی ممکن نہیں۔ وہ اپنی ذات و صفاتِ کاملہ میں کسی کا محتاج نہیں، ہر شئے کا خالق اور ہر شئے اس کی محتاج، کلمۂ طیبہ کے اس معنی کو دل سے یقین کے ساتھ جاننے اور زبان سے اس کا اقرار کرنے کا نام توحید ہے اور اس کے خلاف اعتقاد کرنے کا نام شرک ہے۔ پس جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرح کسی دُوسرے کی ذات یا اس کی کسی صفت کو قدیم جانے "مشرک" یا کسی دُوسرے کو مستحق عبادت جانے "مشرک" یا کسی دُوسرے کو کسی شئے کا حقیقۃً خالق اور پیدا کرنیوالا جانے "مشرک"۔ اس ہی کو حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں:

"بالجملہ شرک سہ[۳] قسم است در وجُود[۱]، در خالقیت[۲] و در عبادت[۳]"۔

---

[1] اس قسم کے کلمات صراطِ مستقیم (مولوی سید احمد بریلوی)، تقویۃ الایمان (مولوی اسمٰعیل دہلوی)، حفظ الایمان (مولوی اشرف علی تھانوی)، براہینِ قاطعہ (مولوی خلیل احمد سہارنپوری) وغیرہ کتب میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ مسعود

ترجمہ: یعنی خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شرک تین قسم کا ہے ــــ (وجُود میں یعنی غیرِ خدا کو واجب الوجُود جاننا) ــــ دُوسرے، خالقیت میں (یعنی غیرِ خدا کو کسی شئے کا حقیقۃً پیدا کرنے والا جاننا) ــــ تیسرے، عبادت میں (یعنی غیرِ خدا کی عبادت کرنا جس کو ہندی میں پُوجا کہتے ہیں یا اس کو مستحق عبادت جاننا"۔)

اب جب آپ نے توحید اور شرک کے معنی سمجھ لئے تو جس پر یہ معنی صادق آئیں گے اس کو تو بے شک "مشرک" کہیں گے۔ اس کے سوا کسی بات کو حقیقۃً شرک نہیں کہہ سکتے۔ پس جو لوگ اللہ کے عطا کئے ہُوئے کمالات اس کے بندوں کے لئے ثابت کرتے ہیں اور ان کمالات کو عطائے الٰہی جانتے ہیں وہ ہرگز مشرک نہیں۔ ہاں جو کسی کے کمال کو بے عطائے الٰہی اس کا ذاتی کمال کہے گا بیشک مشرک ہو جائے گا کہ ذاتی کمالات صرف اس ہی ذاتِ والاصفات کے ساتھ مختص ہیں۔

یہ ہے توحید اور شرک کا مختصر بیان۔ اس کو اگر آپ ذہن نشین کر لیں گے تو ہرگز مغالطہ میں نہ پڑیں گے جب کسی بات پر شرک کا شبہ ہو تو اُس پر غور فرما دیں کہ اس میں غیرِ خدا کو قدیم اور ذاتی صفات رکھنے والا جاننا یا اس کو معبُود جاننا یا اس کو خالق جاننا لازم آتا ہے یا نہیں۔ اگر ان تین باتوں میں سے کوئی بات لازم آتی ہے تو بے شک وہ بات شرک ہے اور ان میں سے ایک شئے بھی لازم نہیں آتی تو اسے ہرگز شرک نہیں کہہ سکتے۔

مولیٰ تعالیٰ نے اپنی صفات کاملہ سے اپنے بندوں کو بھی ہر ایک کی حیثیت کے موافق حصّہ عطا فرمایا ہے۔ وہ "حی" ہے، ہمیں بھی حیات عطا فرمائی ہے ــــ وہ "قادر" ہے ہمیں بھی قدرت عطا فرمائی ہے ــــ وہ "سمیع و بصیر" ہے ہمیں بھی سُننے اور دیکھنے کی قوت عطا فرمائی ہے ــــ وہ "علیم" ہے ہمیں بھی علم عطا فرمایا ہے، وہ ارادہ فرماتا ہے ہمیں بھی ارادے پر قوت عطا فرمائی ہے لیکن علیٰ حسبِ مراتب، کسی کو کم، کسی کو زائد، چنانچہ کسی کو حیات ہزار سال کی عطا فرمائی اور کسی کو دو چار سیکنڈ کی۔ کسی کو اتنی قدرت کہ پاؤ سیر کا بوجھ بھی دو قدم نہ پہنچا سکے اور آصف بن برخیا کو اتنی کہ سینکڑوں من کا تخت جو سا تویں منزل

کے اندر بلقیس نے محفوظ و مقفل کر رکھا ہو اور اس پر جنات کا پہرہ لگا دیا ہو اور جس کا عرض و طول اسی اسی گز کا ہو، حضرت آصف بن برخیا، حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیہ السلام کا حکم پاتے ہی پلک جھپکنے میں ان کے حضور حاضر کر دیتے ہیں اور بڑے بڑے قوی جنات منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ یہ قصہ تو بڑا طویل ہے جس کا ذکر قرآنِ کریم میں خود مولیٰ تعالیٰ نے مفصل طور پر بیان فرمایا ہے۔ مجھے تو صرف اتنا بتلانا تھا کہ مخلوق میں سے ایک کی قوت کا کیا حال ہے اور دُوسرے کی قوت کس درجہ پر پہنچی ہوئی ہے جو تحیر میں ڈالتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے :-

قال الذی عنده علم من الکتاب انا اٰتیك به قبل ان یرتد الیك طرفك۔ فلما راٰه مستقرا عنده قال هذا من فضل ربی۔ (النمل: ۴۰)

"یعنی اس شخص نے عرض کیا جس کو کتابِ الٰہی کا علم حاصل تھا کہ میں آپ کے حضور اس تخت کو پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کر دوں گا۔ پس جب حضرت نے تخت کو اپنے پاس دیکھا تو فرمایا کہ یہ میرے پروردگار کے فضل سے ہے۔"

اسی طرح دیکھنے اور سُننے کا حال ہے کہ ایک شخص پاس کے بیٹھنے والے کو نہ بخوبی دیکھ سکتا ہے نہ اُس کی سُن سکتا ہے اور دُوسرا اپنے مقام پر بیٹھا یا کھڑا مشرق سے مغرب تک بسنے والوں کی سُنتا اور ان کو دیکھتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استفسار پر حضرت جبریل (علیہ السلام) نے عرض کیا کہ :-

"حق تعالیٰ نے جب سے آپ کو پیدا کیا ہے ایک فرشتہ قیامت تک کیلئے متعین فرمایا ہے جس کا کام یہ ہے کہ جو اُمتی آپ پر درود پڑھے تو وہ فرشتہ کہتا ہے وَاَنْتَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكَ (یعنی تجھ پر بھی خدا رحمت کرے)۔"

روایت کیا اس کو طبرانی وغیرہ نے، حدیث بڑی ہے۔ میں نے صرف انہی

جملوں کے ترجمے پر اکتفا کیا جو موضع استدلال تھے۔ یونہی حضرت عزرائیل علیہ السلام کا حال ہے کہ وہ نہ تو مشرقی کو چھوڑیں نہ مغربی کو، سب کی خبر آنِ واحد میں لیتے ہیں۔ غرض ثابت ہوا کہ مخلوق کے دو افراد میں دیکھنے اور سُننے میں بھی زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اسی طرح علم کے اندر ملاحظہ فرمائیں کہ ایک وہ شخص ہے جس کو اپنے گھر کی چند چیزوں کا علم ہے اور ایک حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ السلام ہیں کہ عالم میں سے کوئی شئے ایسی نہ چھوڑی جس کا ان کو علم نہ دیا گیا ہو۔ نہ علویات میں سے کسی فرد کو چھوڑا نہ سفلیات میں کسی فرد کو ــــ تمام ہی کا تو علم عطا کر دیا گیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرۃ: ۳۱)

ترجمہ :- اور سکھلا دیئے اللہ نے آدم (علیہ السلام) کو سب چیزوں کے نام۔

غرض اللہ تعالیٰ نے اپنی صفاتِ ذاتیہ کی چمکار سے بلاشبہ اپنی بعض مخلوق کو بھی عطا فرمائے اور یقیناً اس میں بعض کو بعض پر فضیلت دی جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس میں کسی کو خواہ کتنی ہی اعلیٰ مرتبہ پر وسعت عطا کی ہو پھر اللہ تعالیٰ کی صفات کے مقابلے میں اسکی صفات اتنی بھی تو حیثیت نہیں رکھتیں جتنا لاکھوں سمندروں کے مقابلے میں ایک قطرہ حیثیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ اُسکی صفت ذاتی، ازلی، ابدی، اس کی صفت عطائی، حادث ــــ اُس کی صفت غیر محدُود، اِس کی صفت خواہ کتنی بھی وسعت کیوں نہ رکھتی ہو مگر پھر بھی محدود ــــ اُس کی صفت پر کسی کا قابو نہیں چل سکتا۔ اِس کی صفت اِس قادرِ مطلق کے دستِ قدرت میں مجبور ــــ غرض کسی کی اُس صفت کا جو اُس کو حاصل ہے محض اس خیالِ فاسد کی بنا پر کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، انکار کرنا خالص عناد ہے۔ جو صفت مخلوق کی ہے وہ ہرگز ہرگز خالق کی نہیں۔ مخلوق کی صفت تو مخلوق اور حادث ہے، محدود ہے، عطائی ہے مولیٰ تعالیٰ کے قابو میں ہے۔ وہ جب چاہے اس سے چھین لے۔ کیا ایسی صفت سے اللہ تعالیٰ کی ذات کو متصف کرو گے؟ ــــ اگر ایسا کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ ہرگز کلمہ طیبہ پڑھنا فائدہ نہ دے گا کہ تم نے اس کو ایک صفتِ ناقصہ کے ساتھ متصف کر دیا جو کفر ہے حالانکہ وہ جس طرح اوصافِ رذیلہ سے منزہ ہے اسی طرح اس کا کسی صفت ناقصہ کیساتھ متصف

ہونا بھی ناممکن اور محال ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ اگر کسی میں ایسی صفتِ ناقصہ بھی نہ ہو اور کوئی اس کو اس صفت کے ساتھ متصف کر دے تو اس کو جھوٹا تو کہہ سکتے ہو لیکن اس کو مشرک نہیں کہہ سکتے کہ اللہ کی صفت کے ساتھ اس نے اس کو متصف نہیں کیا۔ مثلاً کوئی کسی پتھر کو کہہ دے کہ یہ بعطائے الٰہی تمام جہان کے ذرّے ذرّے سے واقف ہے تو اس کے کہنے والے کو آپ جھوٹا کذاب ضرور کہیں گے، لیکن اسے مشرک نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ اس کے بعطائے الٰہی کہنے سے ظاہر ہو گیا کہ وہ اس صفت کو عطائی، حادث، عالم کے اندر محدود، مولیٰ کے تحت قدرت میں کہہ رہا ہے جو اللہ کی صفت نہیں ہے اور مشرک جب ہی ہوتا ہے جب اللہ کی صفت کسی کو ثابت کرے۔

مجھے چاہیئے تو یہ تھا کہ میں اپنے بیان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ جلیلہ کا ذکر کرتا لیکن اس خیال سے میں نے اس لیے گریز کیا کہ بعض عوام کے خیال میں یہ جم چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مثل ایک انسان تھے اور ہمارے بھائی۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی صفتِ عطیہ کے ساتھ متصف کیا جاتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور پھر اس پر دلائل کی طرف بھی توجہ نہیں کرتے، فوراً شرک کا فتویٰ صادر فرما دیتے ہیں۔ اگر یہ خدشہ نہ ہوتا تو میں ضرور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصافِ جمیلہ کا ذکر کرتا اور بتلاتا کہ ان کے مولیٰ نے ان صفات میں دوسروں سے ان کو کیسا ممتاز فرمایا ہے۔ لیکن یہاں تو مجھے صرف شرک کے معنی کی قدرے وضاحت کرنا تھی۔ اُمید ہے کہ یہ معنی ذہن نشین ہو گئے ہوں گے۔ اب آپ اس معنی کے پیشِ نظر جب ان باتوں کو ملاحظہ فرمائیں گے جن کو بعض لوگ شرک کہتے ہیں تو آپ ان کو ہرگز شرک نہ کہہ سکیں گے۔

اصل یہ ہے کہ ان جیسے اقوال وہابیّہ مسلک وہابیّہ کے ہیں جنہوں نے نہ صرف بعض گناہ صغیرہ پر بلکہ بعض جائز باتوں پر بھی شرک کا حکم لگا دیا ہے اور وہابیّہ وہ ہیں جو محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مسلک پر ہیں۔ چنانچہ مولینا اشرف علی صاحب تھانوی اپنے فتاویٰ امدادیہ کی پانچویں جلد کے صفحہ ۲۳۲ پر لکھتے ہیں کہ:-

"وہابی وہ شخص ہے جو مسلک میں ابن عبدالوہاب کا تابع ہو یا موافق ہو۔"

ابن عبدالوہاب کا مسلک اگر معلوم کرنا ہو تو اس کی کتاب التوحید سے معلوم ہو سکتا ہے لیکن وہ ہندوستان میں نایاب ہے۔ البتہ علماء فرماتے ہیں کہ تقویۃ الایمان، کتاب التوحید ہی کا ترجمہ ہے[1]۔ پس اگر کسی کو اس کے مسلک کے معلوم کرنے کا شوق ہو تو وہ تقویۃ الایمان کو دیکھے جو ہر جگہ میسر آتی ہے کہ وہابیّہ نے لاکھوں کی تعداد میں اس کو طبع کرا کے ہندوستان میں شائع کیا ہوا ہے لیکن عوام کے لئے ضروری ہے کہ جب وہ تقویۃ الایمان کو دیکھیں تو ان بیسیوں رسالوں میں سے کسی ایک کو بھی ملاحظہ فرمائیں جو علمائے اہلِ سنت نے تقویۃ الایمان کے رد میں تحریر فرمائے ہیں مثلاً اطیب الایمان فی ردّ تقویۃ الایمان، ورنہ گمراہ ہونے کا سخت اندیشہ ہے۔



یہ بیان تو کلمہ طیبہ کے پہلے جزو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کے متعلق تھا۔ اب میں اسکے دوسرے جزو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے متعلق کچھ عرض کروں کلمہ طیبہ میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

---

[1] کتاب التوحید ایک مختصر رسالہ ہے، تقویۃ الایمان نسبتاً ضخیم ہے البتہ مولوی اسمٰعیل دہلوی کی تالیف ردّ الاشراک (عربی) کتاب التوحید کا ترجمہ معلوم ہوتی ہے تقویۃ الایمان ردّ الاشراک کے پہلے حصے کا تشریحی اُردو ترجمہ ہے۔ اس کے ایڈیشن کا احاطہ متعذر ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ شہامت علی نے کیا تھا جو ۱۸۵۲ء میں شائع ہوا تھا ——— ردّ الاشراک کے دوسرے حصے کا اُردو ترجمہ مولوی محمد سلطان نے کیا تھا، جو تذکیر الاخوان کے نام سے شائع ہوا تھا۔ یہ دونوں حصے (تقویۃ الایمان اور تذکیر الاخوان) کراچی سے یکجا شائع ہو گئے ہیں۔

یہ کتاب راقم نے مطالعہ کی ہے۔ اس کے متعلق صرف اتنا ہی کہا جا سکتا ہے کہ اگر ایمان عبارت ہے صرف کلمہ مبارکہ کے جزو اول لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے تو یقیناً یہ کتاب ایمان کی قوت کا باعث ہے اور اگر تکمیلِ ایمان کے لیے دوسرا جزو مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ بھی لازمی ہے تو پھر یہ کتاب ایمان کی ہلاکت کا سبب ہے۔ غالباً اسی وجہ سے مولینا مملوک العلی اس کتاب کو "تفویت الایمان" فرمایا کرتے تھے۔ ——— مسعود

کے بعد حضور کا اسمِ شریف لایا گیا ہے مُحَمَّد صلی اللہ علیہ وسلم جس کے معنی ہیں کہ تمام عالم اس ذاتِ اقدس کی صفت و ثنا کرنے والا ہے بلکہ خود اُن کا خالق بھی۔ جس سے اس جانب گویا اشارہ ہے کہ ہماری یکتائی کا اقرار کرنے کے بعد بھی ابھی تمہارا ایمان ادھورا ہے، جب تک کہ تمام مخلوق کے اندر اس ذات کی یکتائی کا اقرار اور (دل میں) اس کی تعظیم و توقیر نہ کرو گے، تمہارا ایمان کامل نہ ہوگا جس کو کھلے لفظوں میں ارشاد فرمایا:

وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ

گویا ارشاد ہوتا ہے کہ خواہ ہمارا انکار کر دیا اس کا، دونوں صُورتوں میں تم کافر قرار پاؤ گے بلکہ انکار تو انکار میری یا اس کی جناب میں اگر ادنیٰ توہین بھی کی تو پھر بھی کافر کے کافر ہی رہو گے کہ توہین کے باوجود ہماری عظمت کا اقرار بھی کیا ہوا؟ — اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب اعظم کلمہ "رسول" لا کر اور اپنی طرف اس کی اضافت دے کر اس کو واضح فرمایا کہ ہمارے رسول ہمارے نائب ہیں۔ ان کا جو فرمان ہے' وہ ہمارا فرمان ہے، خواہ ہمارے کلام کی تکذیب کر دیا ان کے کلام کی، دونوں صورتوں میں کافر ہی رہو گے۔

اب یہاں یہ سمجھ لینا لازمی ہے کہ کیسے کلام کی تکذیب کفر ہے؟ تو یاد رکھئے کہ جب کلام کسی کی طرف سے کسی کے پاس نقل ہوتا ہوا آتا ہے تو اگر بیچ کے نقل کرنے والے ہر زمانہ میں اس قدر لوگ ہوں جن کا اتفاق جھُوٹ پر عقل میں نہ آتا ہو اور وہ بات بھی ایسی ہو جس کے مطلب میں کسی قسم کا خدشہ نہ ہو، ایک ہی مطلب نکلتا ہو، ایسی بات کو دلیل قطعی کہتے ہیں —— اور دلیلِ قطعی سے جو شے اللہ و رسُول کی طرف سے ثابت ہو اُس کی تکذیب کُفر ہے اور اس پر یقین کرنا ایمان — اور جو بات اس طور سے ثابت نہ ہو، اسے دلیلِ ظنّی کہتے ہیں، اس کا انکار کفر نہیں ہوتا۔ اب اللہ و رسول کے احکام کی پیروی کی حیثیات کی طرف غور فرمادیں کہ کس قسم کے حکم کی پیروی کی کیا حیثیت ہے؟ تو اس کو یوں سمجھئے کہ آقا جب غلام کو حکم کرتا ہے تو کبھی تو کسی کام کے کرنے نہ کرنے کا ایسا حکم کرتا ہے کہ اس پر عمل کے سوا غلام کے لئے چارہ ہی نہیں ورنہ غلام سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ تو اگر ایسا حکم اللہ و رسول کی طرف سے بندوں کے لئے کسی کام کے کرنے کا دلیلِ قطعی سے ثابت ہو

تو وہ کام فرض ہے اور نہ کرنے کا ثابت ہو تو وہ حرام ہے اور ایسا حکم کسی کام کے کرنے کا دلیلِ ظنّی سے ثابت ہو تو وہ واجب ہوتا ہے اور نہ کرنے کا دلیلِ ظنّی سے ثابت ہو تو اسے مکروہ تحریمی کہتے ہیں۔

اور کبھی آقا کا ایسا حکم ہوتا ہے کہ غلام کا عمل اس پر ہے تو نہایت پسند لیکن اگر غلام کبھی اس حکم کی خلاف ورزی بھی کرتا ہے تو آقا اس کی چنداں پروا نہیں کرتا، ہاں اگر غلام ایسے حکم کی خلاف ورزی کی عادت ہی کرلے تو پھر اس پر آقا خفا ہوتا ہے اور تھوڑی بہت سزا دیتا ہے۔ پس اگر ایسا حکم شارع سے کرنے کا ثابت ہو تو اسے سنّتِ مؤکدہ کہتے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کی عادت کو اساءت۔

اور کبھی آقا کا ایسا حکم ہوتا ہے کہ غلام کا اس پر عمل ہے تو پسند لیکن اِس کی خلاف ورزی اگرچہ ناپسند ہے لیکن اس کی وجہ سے غلام کو قابلِ سزا نہیں جانتا۔ اگر ایسا حکم شارع سے ثابت ہو تو اسے سنّتِ غیر مؤکدہ کہتے ہیں اور اِس کی خلاف ورزی کو مکروہ تنزیہی۔

اور کبھی آقا کا حکم ایسا ہوتا ہے کہ غلام کا عمل اس پر ہے تو پسند لیکن اِس کی خلاف ورزی بھی کچھ زیادہ ناپسند نہیں۔ پس اگر ایسا حکم شارع سے ثابت ہو تو اُسے مستحب کہتے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کو خلافِ اولیٰ۔

اور جن باتوں کی آقا، غلام کو نہ ممانعت کرتا ہے اور نہ ان کے کرنے کا حکم دیتا ہے ان میں غلام مختار ہوتا ہے، کرے یا نہ کرے۔ کسی صُورت میں اس سے پوچھ گچھ بھی نہیں کرتا۔ ایسی باتوں کو شریعت میں مباح کہتے ہیں۔



اب میں اپنے اس بیان کا خلاصہ عرض کروں اور احکامِ شرعیہ سے ہر ایک کو علیٰحدہ علیٰحدہ بتلاؤں تاکہ آپ کے بخوبی ذہن نشین ہو جائے۔

۱۔ شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی طرح کسی دُوسرے کی ذات و صفات کو قدیم سمجھا جائے یا اس کو مستحق عبادت سمجھا جائے، یا اس کو کسی شے کا پیدا

کرنے والا یا اس کی کسی صفت کو ذاتی سمجھا جائے۔ اس کے علاوہ کوئی بات شرک نہیں۔

۲۔ **کفر** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات کا انکار کیا جائے یا اس کے کسی ایسے کلام کا انکار کیا جائے جو ہمیں دلیلِ قطعی کے ساتھ پہنچ چکا ہو۔ شرک اور کفر کا حکم یہ ہے کہ وہ بلا توبہ ہرگز نہ بخشا جائے گا اور اس سے جتنے نیک عمل ہوتے ہیں سب نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ شرک کا مقابل توحید ہے اور کفر کا مقابل ایمان۔

۳۔ **فرض** یہ ہے کہ شارع علیہ السلام کا وہ حکم جو ہمیں دلیلِ قطعی سے ثابت ہو گیا ہو اور جس کا کرنا ہم پر لازم کر دیا گیا ہو، جیسے نماز، روزہ۔ اس کا کرنا ثواب اور ایک مرتبہ بھی بلا عذرِ شرعی ترک کر دینا گناہِ کبیرہ ہے۔ پس اس کا ترک کرنے والا فاسق اور عذابِ نار کا مستحق ہوتا ہے اور انکار کرنے والا یا اس کا مذاق اُڑانے والا کافر۔

۴۔ **واجب** شارع علیہ السلام کا وہ حکم جو ہمیں دلیلِ ظنی سے ثابت ہوا ہو اور جس کا کرنا ہم پر لازم کر دیا گیا ہو، اس کا کرنا ثواب، بلا عذرِ شرعی قصداً ایک بار ترک بھی گناہ صغیرہ ہے اور بار بار ترک کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب، مستحق عذاب لیکن اس کا انکار کرنے والا کافر نہیں۔

۵۔ **سُنّتِ مؤکدہ** وہ فعل جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو (لیکن بیان جواز کے لئے کبھی ترک بھی فرمایا ہو) اور وہ فعل جس کی نہایت تاکید فرمائی ہو لیکن نہ فرض و واجب جیسی، اس کا کرنا ثواب اور اتفاقاً بلا عذر ترک کرنے والا مستحقِ عتاب ہے اور ترک کی عادت کرنے والا مستحق سزا۔

۶۔ **سُنّتِ غیر مؤکدہ** وہ فعل جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو یا اس کی طرف رغبت دلائی ہو، اور اس کا ترک اگرچہ ناپسند کیا ہو مگر نہ ایسا، جیسا سُنّتِ مؤکدہ کا ترک ناپسند ہے۔ پس اس کا کرنا ثواب لیکن اس کا تارک مستحق عتاب بھی نہیں۔

۷۔ **مستحب** وہ فعل جس کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے، یا صحابہ نے، یا علمائے اُمّت نے پسند کیا ہو، اس کے ترک پر کچھ نہیں اور کرنا ثواب۔

۸۔ **حرام** وہ فعل جس کا نہ کرنا لزوماً ہمیں دلیلِ قطعی سے ثابت ہوا، اس کو قصداً ایک بار بھی کرنا گناہ کبیرہ اور موجب فسق ہے اور نہ کرنا ثواب اور انکار کفر۔ یہ فرض کا مقابل ہے۔

۹۔ **مکروہِ تحریمی** وہ فعل جس کا نہ کرنا ہمیں دلیلِ ظنی سے ثابت ہوا، اس کا نہ کرنا ثواب اور کرنا گناہ صغیرہ، اور بار بار کرنا گناہ کبیرہ، لیکن انکار کفر نہیں۔ یہ واجب کا مقابل ہے۔

۱۰۔ **اساءت** وہ فعل جس کا نہ کرنا ثواب اور اتفاقاً کرنا باعث عتاب اور بار بار کرنا موجب سزا۔ یہ سنتِ مؤکدہ کا مقابل ہے۔

۱۱۔ **مکروہِ تنزیہی** وہ فعل جس سے بچنا بہتر ہے اور باعثِ ثواب اور اس کا کرنا اگرچہ شارع علیہ السلام کو ناپسند ہے لیکن اس کے کرنے پر عتاب نہیں۔ یہ سنتِ غیر مؤکدہ کا مقابل ہے۔

۱۲۔ **خلافِ اولیٰ** وہ فعل جس میں بندہ مختار ہے، بچے گا تو ثواب کا مستحق ہے اور کرے گا تو ثواب سے محروم رہے گا اور بس، یہ مستحب کے مقابل ہے۔

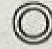
۱۳۔ **مباح** جو افعال اُوپر ذکر کئے گئے یہ تو وہ تھے جو شریعت کو مطلوب ہیں اور ان کے ثابت کرنے کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ جس قدر افعال ہیں جن کے لئے شریعت مُطہرہ سے کوئی ایسی دلیل نہیں پائی جاتی جو ان افعال عشرہ مذکورہ میں سے کسی فعل کو ثابت کرتی ہو، وہ تمام افعال مباح کہلاتے ہیں، جس میں مسلمان مختار ہے چاہے اس کو کرے یا نہ کرے اس پر نہ اس کو کچھ ثواب ہے نہ عتاب۔

۱۴۔ **بدعت** مباح افعال میں بعض وہ طریقے بھی ہیں جن کا وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھا۔ ایسے طریقے بدعت کہلاتے ہیں لیکن ان میں جو طریقہ کسی فعلِ واجب کی تقویت کے لئے نکلا ہے اس کو بدعت واجبہ کہتے ہیں اور جو کسی سُنّت کی تقویت دینے والا ہے اسے بدعتِ مستحبہ کہتے ہیں اور جو حرام فعل کو تقویت دینے والا ہے اسے بدعتِ محرمہ کہتے ہیں، اور جو کسی مکروہ فعل کی تقویت دینے والی

ہو اسے بدعتِ مکروہہ کہتے ہیں اور جو ایسی ہو جس پر ان چاروں میں سے کسی کی تعریف بھی نہ صادق آتی ہو اسے بدعت مباحہ کہتے ہیں۔ پھر بدعتِ واجبہ اور مُستحبہ کو بدعت حسنہ، اور بدعت محرمہ اور بدعتِ مکروہہ کو بدعتِ ضلالہ۔ پس ان پانچ قسموں میں سے صرف دو قسمیں بدعتِ ضلالت ہیں اور دو بدعتِ حسنہ اور ایک بدعتِ مباحہ۔ لہٰذا ہر بدعت کو بدعتِ ضلالت نہیں کہہ سکتے۔

یہ ہے احکام شرعیہ کا بیان جن کو میں نے مختصر طور پر بیان کیا۔ اگر آپ ان کو ذہن نشین کریں گے تو پھر کسی فعل پر ان احکام کے خلاف کوئی حکم صادر نہ کر سکیں گے۔

وَاللّٰہُ الوَلِیُّ وَھُوَ عَلٰی مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔



بدعت

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مشہور صحابی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"حلال وہ ہے جس کو خدا نے اپنی کتاب میں حلال کیا ___ اور حرام وہ ہے جس کو خدا نے اپنی کتاب میں حرام کیا ___ اور جس سے خاموشی اختیار فرمائی وہ عفو (جائز) ہے[1]"

اسی طرح حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ نے کچھ چیزیں فرض کی ہیں، پس انہیں ضائع نہ کرو (یعنی اُن پر ہر حال میں عمل کرو) ___ اور کچھ چیزیں حرام فرمائیں اُنکی حرمت

---

[1] (ا) امام ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی: ترمذی شریف، مطبوعہ کراچی

(ب) ابو عبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ قزوینی: سُنن ابن ماجہ، مطبوعہ لکھنؤ

نہ توڑو ___ اور کچھ حدیں قائم کیں، اُن سے آگے نہ بڑھو ___ اور کچھ چیزوں سے بغیر نسیان کے (یعنی جان بوجھ کر) خاموشی اختیار فرمائی، اُن میں بحث نہ کرو[1] ___ (یعنی وہ تمہارے لئے جائز قرار دے دی گئی ہیں)"۔

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ جس کو اللہ اور اُس کے رسول علیہ التحیۃ

---

[1] (ا) محدث ابو الحسن علی بن عمر دار قطنی: سنن دار قطنی

والتسلیم نے صاف لفظوں میں حلال فرمایا، وہ حلال ہوگیا —— اور جس کو حرام فرمایا وہ حرام ہوگیا —— اور جن امور کے بارے میں کچھ نہ فرمایا وہ جائز و مباح ہیں۔ یہ ایک فطری اصول ہے —— اب اگر کوئی ایسے امور کے متعلق جن سے قرآن و حدیث میں خاموشی اختیار فرمائی یہ حکم لگائے کہ یہ حلال ہے، وہ حرام —— اُس کیلئے قرآنِ حکیم کا یہ ارشاد کافی ہے:

"اور نہ کہو اسے جو تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں کہ یہ حلال ہے اور وہ حرام ہے تاکہ اللہ پر جھوٹ باندھو، بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پاسکتے" ۲ ——

بلاشبہ مناسب و معقول بات یہی ہے کہ جس کو اللہ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حلال کیا، اُس کو حلال سمجھیں —— اور جس کو حرام کیا، اُس کو حرام سمجھیں اور خواہ مخواہ فقیہانہ موشگافیوں میں مُبتلا ہوکر اتحاد کو پارہ پارہ نہ کریں۔ وہ اتحاد جو اسلام کا مقصود و مطلوب ہے —— کسی چیز کا عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم، عہدِ خلافتِ راشدہ اور عہدِ تابعین و تبع تابعین میں ہونا اُس کی فضیلت کی دلیل ہے اور نہ ہونا اُس کی حرمت کی دلیل نہیں ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ مُباح اور جائز ہو ——

زمانہ ایک حالت پر نہیں رہتا اس میں انقلابات اور تبدیلیاں آتی رہتی ہیں اور وہ انسان کی پوری زندگی کو متاثر کرتا ہے، شریعت کے دائرے میں رہ کر اُن تبدیلیوں اور انقلابات کو قبول کیا جاسکتا ہے، اس کے بغیر زندگی گزارنا ممکن نہیں ——

(ب) ولی الدین بن عبداللہ الخطیب: مشکوٰۃ المصابیح، مطبوعہ کراچی، ص ۳۲

۲ قرآنِ حکیم، سورۃ نحل، آیت نمبر ۱۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درین زمان فیض افتران بیمن خالق کون و مکان
رسالہ شناخت شرک و توحید بموجب قرآن موسوم بہ

تیفتح التوحید (۱۸۹۹) (عربی)

خلاصہ مطالب ۱۳۱۶ کتاب لاجواب

کلمۃ الحق

تالیف: حضرت مولانا سید عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی علیہ الرحمۃ

ترجمہ: جناب مولانا محمد اسداللہ خاں صاحب حنفی چشتی صابری
ساکن شہر مین پوری ہندوستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ
وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

حق حق حق

حضرت مولانا مولوی صوفی عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی قدس سرہ العزیز اپنے زمانے کے ایک مقتدر عالم اور صاحب نظر بزرگ تھے، جن کی مشہور و معروف کتاب ''کلمۃ الحق'' عربی زبان میں ایک معرکۃ الآرا تصنیف سمجھی جاتی ہے، یہ کتاب اب تقریباً نایاب ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی اب کہیں نہیں ملتا، عام مسلمانوں کی تعلیم اور ان کی اصلاح عقائد کے لیے قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین مولائی مرشدی حضرت صوفی سید محمد حسین شاہ صاحب چشتی صابری قادری، رزاقی اویسی مرادآبادی نے اپنے خلیفہ اعظم جناب مولانا مولوی صوفی حضرت محمد اسد اللہ خاں صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو ارشاد فرمایا کہ وہ ''کلمۃ الحق'' کا اردو ترجمہ شائع کرائیں، چنانچہ اس حکم کی تعمیل کردی گئی۔ لیکن یہ ترجمہ عام فہم نہ تھا اور اس سے صرف علماء وفضلاء ہی فائدہ اٹھا سکتے تھے۔ پھر حضور نے ایماء فرمایا کہ اس کتاب کا خلاصہ عام فہم زبان میں کردیا جائے تاکہ عامۃ المسلمین کے لیے سودمند ہو سکے۔ چنانچہ حضرت مولانا نے اس کام کو بھی بوجوہ احسن پایہ تکمیل کو پہنچایا اور یہ رسالہ ''تنقیح التوحید'' کے نام سے ۱۳۱۶ھ میں شائع ہوگیا۔ اب یہ رسالہ بھی ناپید ہو چکا ہے، اصلاح عقائد کے سلسلے میں ایسے رسالے کی ضرورت ایک عرصے سے محسوس ہو رہی ہے چنانچہ چند احباب اور برادران طریقت کے اصرار پر رسالہ ہذا کے متن میں کسی قسم کی ترمیم کئے بغیر میں اس نایاب تحفے کو عوام کی خدمت میں پیش کرتا ہوں کہ وہ اس کے مطالعہ سے مستفیض ہو کر داخل حسنات ہوں۔

وما علینا الا البلاغ

بندہ

سید محمد اولاد علی گیلانی، ایم اے چشتی صابری قادری رزاقی عفا اللہ عنہ

کوچہ سید میراں شاہ، اندروں ٹکسالی دروازہ،

(درگاہ حضرت پیر سید قاسم شاہ مشہدی قادری)

لاہور۔ ۱۷ جنوری ۱۹۵۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا و ماکنا لنھتدی لو لا ان ھدانا اللہ. والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء محمد حبیب اللہ. و علی الہ و اصحابہ الذین فازوا الی اعلی الدرجات بکثرۃ اذکار لا الہ الا اللہ۔

اما بعد بندۂ ہیچمدان محمد اسد اللہ خاں حنفی چشتی صابری قادری ساکن شہر مین پوری عرض کرتا ہے۔ کہ قبل اس کے کمترین نے کتاب کلمۃ الحق مصنفہ حضرت مولانا سید شاہ عبدالرحمٰن صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ عربی زبان سے اردو میں کیا جس کا نام ''وحدۃ الحق'' رکھا۔ لیکن وہ کتاب چونکہ سراپا علمی بحث سے پر ہے اگرچہ اردو ہوگئی تو بھی عام فہم نہ ہوئی کیونکہ قواعد علمیہ کا مفہوم تو وہی رہا۔ جو پہلے تھا۔ اور ظاہر ہے کہ جو شخص قواعد علمیہ سے ماہر ہے وہی اس سے پورا حظ اٹھا سکتا ہے۔ لیکن جو ناواقف ہے وہ بباعث طبیعت الجھنے کے اس سے پورا نفع اٹھا نہیں سکتا۔ چنانچہ خود مولانا صاحب نے اس کتاب کے پہلے وصل میں فرمایا ہے کہ کلمہ طیبہ چند امور پر مشتمل ہے۔ اول کلمہ میں لانفی جنس کا ہے دوم اسم لا کا نکرہ ہے۔ سوم خبر لا کی محذوف ہے۔ چہارم محذوف پر کونسا قرینہ ہے۔ پنجم لا استثنا کے لیے ہے۔ ششم سمجھنا مفرغ کا۔ ہفتم کلمہ میں قصر موصوف کا صفت پر ہے نہ اس کا عکس۔ اور وہ قصر قصر قلب ہے نہ افراد اور تعیین۔ ہشتم کلمہ طیبہ دو حکموں ایجابی اور سلبی پر مشتمل ہے۔ نہم کلمہ طیبہ دو کلیون سالبہ اور موجبہ کی طرف راجع ہے۔ دہم کلمہ طیبہ محکم ہے۔ آیات محکمات قرآنیہ سے نہ غیر محکم اقسام نظم ہیں سے۔ پس کلمہ طیبہ کو مع دلائل جاننے کے لیے علم نحو اور معانی اور بیان اور بلاغت اور فن اصول اور منطق اور تفسیر اور حدیث سے بصیرت حاصل ہونا ضرور ہے انتہی پس مولانا صاحب نے کلمہ طیبہ کی تفسیر میں جو اس کتاب میں لکھی گئی۔ انہیں امور مذکورہ کو ان سب علوم کے قواعد کے مطابق نہایت تفصیل کے ساتھ

بیان فرما کر پایہ ثبوت کو پہنچایا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ کتاب نہایت مشکل ہوگئی اور باوجود اردو ہونے کے بھی عام فہم نہ ہوئی۔ ان دنوں بپاس خاطر برخوردار عزیز منشی نبی محمد سلمہ اللہ الاحد مین نے یہ تکلیف اپنے اوپر گوارا کی کہ کتاب کلمۃ الحق کا اصل مطلب جو شرک اور توحید کا پہچاننا ہے اور بدلائل قرآنی اس کی تنقیح کی گئی ہے علمی بحث چھوڑ کر بطور خلاصہ علیحدہ لکھا۔ اور ایک مختصر رسالہ جداگانہ اپنے طور پر مرتب کیا اور نام اس کا ''تنقیح التوحید'' رکھا اور رسالہ ''ہدیہ مہدیہ'' کے آخر میں اس کو شامل کیا۔ کیونکہ ہدیہ مہدیہ رسالہ ''تحفہ مرسلہ'' عربی کا اردو ترجمہ ہے جو اس سے تین سال پہلے کیا گیا اور ''تحفہ مرسلہ'' وہ رسالہ ہے جو حضرت غوث پاک رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم کے لیے ان کے پیر و مرشد برحق نے علم توحید کے بیان میں تصنیف فرمایا تھا اور جناب سیدی سندی مولائی و مرشدی حضرت مولوی صوفی شاہ سید محمد حسین صاحب حسنی حسینی قدوسی اویسی رحمانی حنفی حجازی مراد آبادی۔ دام افضالہم نے اس کمترین کو عطا فرمایا۔ وہ ایک متن متین ہے۔ جس میں توحید کے اصل مسائل ہیں اور یہ بمنزلہ شرح کے ہے جس میں دلائل ہیں اور دونوں کے مطالعہ سے دونا نفع متصور ہے اس رسالے کے تین باب کیے گئے۔ باب اول میں شرک کی تنقیح ہے۔ باب دوم میں توحید کی تنقیح ہے باب سوم میں توہمات کا جواب ہے۔ اور شرک کو پہلے اس لیے بیان کیا کہ جب اصلیت شرک کی سمجھ میں آجائے گی تو توحید جو ضد شرک ہے آسانی سے جھٹ سمجھ میں آجائے گی۔ یہ رسالہ تاریخ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ روز دوشنبہ کو تمام ہوا الحمد للہ علیٰ احسانہ۔

باب اول شرک کی تنقیح میں

قال اللہ تعالیٰ ''ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذلک لمن یشاء۔ و من یشرک باللہ فقد ضل ضلالاً بعیداً۔ (پ ۵ آیت ۱۱۶

سورۃ النساء رکوع ۱۵)

ترجمہ:۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے بہ تحقیق اللہ نہیں بخشتا ہے یہ کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ اور بخشتا ہے سوائے اس کے جس کو چاہے اور جس نے اللہ کا شریک ٹھہرایا پس تحقیق بھٹکا وہ دور کا بھٹکنا یعنی پرلے سرے کا گمراہ ہوگیا۔ انتہیٰ

یہاں سے معلوم ہوا کہ شرک ایسی بری بلا ہے اور ایسا سخت گناہ ہے جس کے بخشنے سے خدا انکار کرتا ہے اور سوائے شرک کے سب گناہ گو وہ کیسے ہی بڑے کیوں نہ ہوں قابل بخشش ہیں تو ضرور شرک کوئی ایسی بھاری بات ہے۔ جو قتل اور فسق اور چوری وغیرہ سب بڑے گناہوں سے زیادہ ہو۔ نہ یہ ہلکی ہلکی باتیں جو ان دنوں شرک سمجھی جاتی ہیں جیسے شب برات کو کورا گھڑا بھرنا یا محرم میں شربت پلانا یا مولود شریف میں کھڑا ہونا وغیرہ۔ کیونکہ یہ باتیں قتل و فسق وغیرہ کے مقابل میں کچھ بھی نہیں ہیں سو تو نا قابل بخشش ٹھہریں اور وہ سب قابل بخشش قرار پائیں۔ پھر دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے۔

انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا۔ (سورۃ التوبہ پ ۱۰۔ آیت ۲۸ رکوع ۱۰)

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ مشرک ناپاک ہیں پس وہ مسجد حرام کے نزدیک نہ جائیں اس سال کے بعد۔ انتہیٰ

یہاں سے معلوم ہوا کہ مشرک ناپاک ہیں پس وہ ناپاکی یہی شرک ہے جس کے سبب وہ کعبہ شریف سے ہمیشہ کے لیے خارج کیے گئے۔ چنانچہ اس سال کے بعد مکہ فتح ہوا۔ تب سے آج تک اور اب سے قیامت تک کوئی مشرک اس میں نہ داخل ہوا نہ ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ پھر فرمایا:۔ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم۔ (سورۃ التوبہ پ ۱۰ آیت ۵ رکوع ۷) ترجمہ: پس قتل کرو تم مشرکوں کو جہاں پاؤ انتہیٰ

یہاں سے معلوم ہوا کہ مشرک اس لائق ہیں کہ جان سے مار ڈالے جائیں اور ان کا مال لوٹا جائے اور ان کی اولاد لونڈی غلام بنا لیے جائیں پھر فرمایا۔

ان اللہ بریءٌ من المشرکین ورسوله۔ (پ ۱۰ سورہ التوبہ آیت نمبر ۳)

ترجمہ: بتحقیق اللہ اور اس کا رسول مشرکوں سے بیزار ہے۔ انتہیٰ

پھر فرمایا

من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیه الجنة و ماواه النار۔ (پ ۶ سورہ المائدہ آیت نمبر ۷۲) ترجمہ: جس نے اللہ کا شریک کیا پس تحقیق حرام کی اللہ نے اس پر جنت اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے انتہیٰ

یہ چند آیتیں نمونے کے طور پر نقل کی گئیں جس سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ شرک ضرور کوئی بھاری بات ہے جس سے خدا سخت بیزار ہے نہ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں۔ مثلاً کسی بزرگ کے ہاتھ یا پاؤں پر بوسہ دینا یا عرس میں شریک ہونا یا کہ یارسول اللہ کہنا وغیرہ۔ کیونکہ یہ باتیں زنا چوری شراب خواری وغیرہ کے مقابل میں کچھ بھی نہیں ہیں۔ اور یہ سب گناہ اور اسی طرح اور سینکڑوں گناہ ہیں جو کبیرہ کہلاتے ہیں وہ سب مادون ذلک میں داخل ہیں یعنی شرک کے سوا ہیں جن کے بخشے جانے کی امید قرآن سے ثابت ہے پس نہایت ضرور اور واجب ہے کہ دریافت کیا جائے کہ شرک کونسی بات ہے جس سے خدا ایسا سخت بیزار ہے۔ اور بہت مناسب ہے کہ قرآن مجید ہی میں تلاش کیا جائے تاکہ کسی کو انکار کی مجال نہ رہے۔ سو پہلے ہم قرآن مجید میں یہ تلاش کرتے ہیں کہ خدا نے مشرک کن لوگوں کو فرمایا۔ پھر یہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں وہ کونسی بات تھی جس کو وجہ شرک کہنا چاہیے۔

اس بات میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ مشرکین کا لفظ قرآن مجید میں اہل عرب کے لیے بولا گیا ہے۔ اور اہل کتاب کو خدا نے مشرکین سے علیحدہ رکھا ہے۔ چنانچہ

فرمایا:

لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین ۔(پ ۳۰۔سورۃ البینۃ ۔آیت نمبر ۱۔رکوع نمبر ۲۳)

تفسیر عباسی میں ہے من اھل الکتب یعنی الیہود والنصاریٰ والمشرکین ۔ مشرکی العرب انتہیٰ مطلب یہ ہے کہ کافران اہل کتاب سے مراد یہود اور نصاریٰ ہیں ۔اور مشرکین سے مراد مشرکین عرب ہیں ۔پھر فرمایا:۔

ان الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین فی نار جھنم خالدین فیھا ۔(پارہ ۳۰ رکوع ۲۳ سورہ البینۃ آیت ۶)

ترجمہ:۔ بے شک جتنے کافر ہیں کتابی اور سب جہنم کی آگ میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے ۔

تفسیر عباسی میں ہے ۔ والمشرکین باللہ یعنی مشرکی اہل مکہ انتہیٰ یہاں بھی مشرکین سے مراد اہل مکہ ہیں اب ہم دیکھتے ہیں کہ اہل عرب خدا کے ساتھ کیا گمان رکھتے تھے ۔سو خدا نے ان کی بابت یہ فرمایا ہے ۔

ولئن سئلتھم من خلق السموات والارض و سخر الشمس والقمر لیقولن اللہ ۔

ترجمہ اور اگر تو ان سے پوچھے ۔(یعنی مشرکوں سے) کہ کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو ۔اور تسخیر کیا سورج اور چاند کو ۔تو البتہ وہ کہیں گے کہ اللہ نے ۔ انتہیٰ

تفسیر عباسی میں ہے:

لیقولن کفار مکۃ انتہیٰ مطلب یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوا کہ اگر تم اہل مکہ سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور چاند اور سوج کو کس نے مسخر

کیا تو ضرور وہ کہیں گے کہ اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے ۔اور اللہ نے ان کو مسخر کیا ہے

پھر فرمایا۔

ولئن سئلتھم من خلق السمٰوٰت والارض لیقولن خلقھن العزیز الحکیم ۔

ترجمہ اور اگر تو ان سے پوچھے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تو البتہ البتہ وہ کہیں گے کہ پیدا کیا ان کو غالب حکمت والے نے انتہیٰ

پھر فرمایا۔

قل من رب السموات السبع و رب العرش العظیم. سیقولون للہ ۔(پ ۱۸،سورۃ المومنون آیت ۸۶۔۸۷)

ترجمہ کہہ تو کون ہے پروردگار ساتوں آسمانوں اور پروردگار عرش بزرگ کا تو کہیں گے کہ اللہ ہی کا ہے انتہیٰ

ان مقاموں سے ثابت ہوا کہ اہل عرب خدا کے وجود اور وحدت اور خالقیت اور ربوبیت اور عزت اور حکمت وغیرہ کے قائل تھے تو بھی ان پر مشرکین کا لفظ بولا گیا اور انما اللہ الٰہ واحد ۔ان کے لیے القا کیا گیا ترجمہ سوائے اس کے نہیں کہ خدا معبود اکیلا ہے انتہیٰ اور ظاہر ہے کہ کلام بلیغ مخاطب کے حال کے موافق ہوا کرتا ہے نہ برخلاف حالت کے ۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اہل کتاب جن کو خدا نے مشرکین سے علیحدہ رکھا ۔خدا کے ساتھ کیا عقیدہ رکھتے تھے سو ان کی بابت خدا نے فرمایا۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ ۔(پ ۶ سورہ المائدہ آیت نمبر ۷۳)

ترجمہ بتحقیق کافر ہوئے وہ لوگ جنھوں نے کہا خدا تیسرا ہے تین کا انتہیٰ

یہاں سے معلوم ہوا کہ نصاریٰ خدا کی ذات میں تین شریک ٹھہراتے ہیں یعنی باپ بیٹا روح القدس تینوں کو خدا کہتے ہیں اور توحید میں تثلیث کو مانتے ہیں جو صریح شرک معلوم ہوتا ہے تو بھی خدائے پاک نے ان کو مشرک نہیں فرمایا بلکہ کافر کہا پھر دوسری جگہ ارشاد ہوا۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم ۔(پ ۶ آیت نمبر ۷۲ المائدہ رکوع ۱۴۔)

ترجمہ بتحقیق کافر ہوئے وہ لوگ جنھوں نے کہا کہ خدا وہی مسیح بیٹا مریم کا ہے انتہیٰ

پس باوجود تین شریک کرنے اور مسیح کو خدا کہنے کے بھی خدا نے ان کو مشرک نہیں فرمایا بلکہ کافر کہا اور مشرکین سے ان کو علیحدہ رکھا جیسا اوپر ثابت ہو چکا۔ بلکہ چند احکام میں مشرکین اور اہل کتاب کے درمیان فرق کر دیا چنانچہ مشرکین کے لیے فرمایا۔

انما المشرکون نجس ۔اور ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن ولامۃ مومنۃ خیر من مشرکۃ ولو اعجبتکم ۔(پ ۲ رکوع نمبر ۱۱ آیت نمبر ۲۲۱ سورۃ البقرہ۔)

ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ مشرک ناپاک ہیں۔

اور مشرکہ عورتوں سے تم نکاح نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ ایمان نہ لائیں۔ اور لونڈی مومنہ البتہ بہتر ہے مشرکہ سے اور اگرچہ تم کو تعجب میں ڈالے۔ انتہیٰ

اور اہل کتاب کے لیے فرمایا۔

وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم و طعامکم حل لھم والمحصنات من المومنات والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من

قبلکم اذا اتیتموھن اجورھن ۔(پ ۶ رکوع ۵ آیت ۵ سورۃ المائدہ)

ترجمہ: ذبیحہ ان لوگوں کا جن کو کتاب دی گئی تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے۔ اور محصنہ عورتیں مسلمانوں کی اور محصنہ عورتیں ان لوگوں کی جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تمہارے لیے حلال ہیں جب تم ان کا مہران کو دو۔ انتہیٰ

یہاں سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے اور مشرک کے ہاتھ کا درست نہیں۔ اور اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمان مردوں کو نکاح کرنا درست ہے اور مشرکوں کی عورتوں سے نکاح درست نہیں بلکہ چھوکری مسلمان آزاد مشرکہ سے بہتر ہے۔ ان سب مقاموں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ شرک کی کوئی دوسری بات ہے۔ جو مشرکین میں پائی جاتی تھی اور اہل کتاب میں نہ تھی۔ لہذا بہت ضرور اور واجب ہے کہ اس کی تنقیح کی جائے۔

تجسس اور تلاش سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین عرب میں چند باتیں تھیں اور یہ باتیں ان کے سوا ہیں جو اوپر بیان ہو چکیں کہ اہل عرب خدا کے وجود اور وحدت اور خالقیت وغیرہ کے قائل تھے۔ اول گمان غیریت کا درمیان خدائے پاک اور درمیان تمام چیزوں کے تشبیہات کی قسم سے یعنی وہ لوگ دو وجود مانتے تھے اور گمان کرتے تھے کہ خدا بھی موجود ہے اور غیر خدا بھی موجود ہے۔

دوم وہ لوگ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور خدا کو تشبیہ میں منحصر کرتے تھے۔ چنانچہ ان کا قول ہے۔

الملائکۃ بنات اللہ۔

ترجمہ: فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں۔ انتہیٰ

اور ان کا قول

صف لناربک یا محمد من ای شئی ھو من ذھب او فضۃ۔

ترجمہ: اے محمد تو ہمارے سامنے اپنے رب کا وصف بیان کر کہ وہ کس چیز کا ہے وہ سونے کا ہے یا چاندی کا انتہی۔

سوم وہ لوگ بتوں کو پوجتے اور انہیں سجدہ کرتے تھے۔

چہارم وہ لوگ بتوں کو اللہ کہتے تھے۔

پنجم۔ وہ لوگ بتوں سے شفاعت کی امید رکھتے تھے جیسا کہ ان کا قول خدائے پاک نے بیان فرمایا۔

ھو لاء شفاء نا عند اللہ۔ (پ ۱۱ رکوع نمبر ۷ آیت نمبر ۱۸ سورۃ یونس)

ترجمہ: یہ بت ہمارے شفیع ہیں خدا کے پاس انتہی اور

مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی۔ (پ ۲۳ سورہ زمر آیت نمبر ۳)

ترجمہ:۔ ہم ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو مرتبہ قرب میں خدا سے نزدیک کریں گے۔ انتہی

اب ان پانچوں باتوں پر غور کرنا چاہیے کہ ان میں سے شرک کی وجہ کونسی بات ہے۔

امر پنجم یعنی بتوں سے شفاعت کی امید رکھنا اور ان کو قرب خدا کا ذریعہ جاننا شرک کی وجہ نہیں ہوسکتا اس لیے کہ شرعاً غیر اللہ سے شفاعت کی امید رکھنا اور ان کو قرب الٰہی کا وسیلہ جاننا درست ہے جیسے کہ انبیاء علیہم السلام خدا کے پاس ہمارے شفیع ہیں اور ہمارے لیے قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ شرک ہے۔

امر چہارم یعنی بتوں کا نام الٰہ رکھنا بھی وجہ شرک نہیں ہوسکتا اس لیے کہ لفظ الٰہ مشترک لفظی ہے کبھی خدا پر بولا جاتا ہے اور کبھی معبود ممکن پر۔ چنانچہ قول خدائے پاک کا انما اللہ الٰہ واحد۔ ترجمہ سوائے اس کے نہیں کہ خدا معبود اکیلا ہے انتہی۔

اس آیت میں لفظ الٰہ خدا پر بولا گیا اور ء الٰہ" مع اللہ۔ ترجمہ: آیا کوئی معبود ہے خدا کے ساتھ انتہی۔

یہاں لفظ الٰہ معبود ممکن پر بولا گیا اور خدا کے غیر مخصوص اسما غیر خدا پر بولنا درست ہے۔ چنانچہ خدا نے جس طرح اپنی شان میں رؤف اور رحیم فرمایا۔

مثال اول ان اللہ بالناس لرؤف رحیم۔ (پ ۳ سورہ البقرہ آیت نمبر ۱۴۳) ترجمہ بتحقیق اللہ لوگوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ انتہی

مثال دوم حریص علیکم بالمومنین رءوف رحیم۔ (پ ۱۱ سورہ التوبہ آیت نمبر ۱۲۸) ترجمہ: رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ایمان لانے کے لیے حرص کرنے والا ہے اور مسلمانوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے انتہی۔

پس کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ شرک ہے

امر سوم یعنی بتوں کو سجدہ کرنا بھی وجہ شرک نہیں ہوسکتا اس لیے کہ تشبیہ کا سجدہ تشبیہ کے لیے قرآن مجید سے ثابت ہے بلکہ خود خدا ہی نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کریں اگر سجدہ کرنا شرک ہوتا تو خود خدا جو شرک سے سخت بیزار ہے کبھی آدم کے لیے سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کو نہ دیتا اور شیطان کو اسی سجدہ نہ کرنے کے سبب مردود اور ملعون نہ کرتا جیسا کہ فرمایا۔

اذقلنا للملائکۃ اسجدو الا دم فسجدو آ الا ابلیس. ابی واستکبر و کان من الکافرین۔ (پ ۱ سورہ البقرہ آیت ۳۴)

ترجمہ: جس وقت کہا ہم نے فرشتوں سے کہ آدم کو سجدہ کرو۔ پس انھوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نے۔ اس نے انکار کیا اور غرور کیا اور کافر ہوا انتہی

اور اگلی شریعتوں میں تو سجدہ تعظیمی درست تھا جیسا کہ حضرت یوسف کو ان کے باپ ماں اور بھائیوں نے سجدہ کیا جیسا فرمایا اللہ تعالیٰ نے و خروا لہ سجداً۔

ترجمہ: اور گرے وہ اس کو سجدہ کرتے ہوئے انتہی گو ہماری شریعت میں سجدہ تعظیمی روا نہیں لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگلی شریعتوں میں شرک جائز تھا۔ بلکہ شرک کبھی جائز نہ تھا اور شرک سے خدا ہمیشہ ایسا ہی بیزار رہا جیسا کہ اب ہے۔ پس خدا کا سجدہ کے لیے حکم دینا اور فرشتوں کا اس کی تعمیل کرنا اور شیطان کا تعمیل نہ کرنے سے کافر ہونا اور حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی اولاد کا حضرت یوسف کو سجدہ کرنا اس بات کو بخوبی ثابت کرتا ہے کہ سجدہ شرک کی وجہ نہیں ہے کیونکہ شرک کسی وقت میں روا نہ تھا۔

امر دوم یعنی فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہنا اور خدا کو تشبیہ میں منحصر کرنا بھی وجہ شرک نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اہل کتاب بھی یہی کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے

وقالت الیہود عزیز ابن اللہ وقالت النصارے المسیح ابن اللہ ۔ (پ۱۰ سورہ التوبہ آیت نمبر۳۰) ترجمہ کہا یہود نے عزیز خدا کا بیٹا ہے اور کہا نصاریٰ نے مسیح خدا کا بیٹا ہے انتہی

پھر فرمایا۔

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم ۔ (پ۶ سورۃ المائدہ ۔ آیت نمبر۲۷)

ترجمہ: بتحقیق کفر کیا ان لوگوں نے جنھوں نے کہا کہ خدا وہی مسیح بیٹا مریم کا ہے۔ انتہی

اوپر ثابت ہو چکا ہے کہ اہل کتاب کو خدا نے مشرک نہیں فرمایا ہے بلکہ کافر کہا ہے اور مشرکوں سے ان کو علیحدہ رکھا ہے۔ پس یہ وجہ بھی شرک نہ ٹھہری

اب امر اول باقی رہ گیا یعنی گمان غیریت کا درمیان خدائے پاک اور درمیان

تمام چیزوں کے خواہ الٰہ ہوں یا اور چیزیں ہوں یعنی دو وجود ماننا اور اللہ اور غیر اللہ دو کو موجود جاننا یہی شرک ہے کیونکہ صرف ایک اللہ ہی بوجود واحد موجود ہے۔ دوسرا وجود ہی نہیں ہے جو موجود ہو اگر دوسرا وجود ہوتا تو وہ اس وجود کا غیر کہلاتا۔ اور لفظ غیر اللہ کا مصداق ہوتا سو دوسرا وجود ہی نہیں پس درحقیقت وہی ایک وجود ہے کوئی چیز اس وجود کی غیر نہیں ہے جو کوئی غیر جانے وہ درحقیقت اس کا شریک ٹھہراتا ہے یہی شرک ہے جس سے خدا سخت بیزار ہے اور اسی سے اس کو سخت غیرت آتی ہے کیونکہ صرف اسی صورت میں اس کا مقابل اور مماثل پیدا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے یہ گناہ ناقابل بخشش اور سخت بیزاری کے لائق ہوا۔

اگر کہا جائے کہ اہل کتاب بھی غیریت کے قائل ہیں تو جواب یہ ہے کہ خدا کی کتاب یعنی توریت اور انجیل پر ایمان لانے کے ضمن میں ان کو توحید پر ایمان حکمی حاصل ہے اس طرح کہ ان کو اس بات کا شعور نہ ہوا جس طرح کہ مسلمان بھی نہیں جانتے ہیں لیکن قرآن پر ایمان لانے کے ضمن میں ان کو بھی توحید پر ایمان حاصل ہے اور مشرکین کسی کتاب پر ایمان نہیں رکھتے تھے جس کے ضمن میں ان کو توحید پر ایمان حاصل ہوتا اس لیے وہ مشرک کہلائے اور اسی سبب سے کتابی عورت سے نکاح درست ہوا اور مشرک عورت سے جب تک وہ مسلمان نہ ہو درست نہیں اور کتابی کا ذبیحہ درست ہوا اور مشرک کا نادرست جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا پس جب کہ یہ چاروں امور مذکورہ جو بڑے بڑے اور بھاری بھاری تھے۔ وجہ شرک نہ ہوئے تو وہ چھوٹی چھوٹی اور ہلکی ہلکی باتیں جنھیں لوگ شرک سمجھتے ہیں اور جن کی دو چار مثالیں شروع میں بیان ہوئیں کب شرک ہو سکتی ہیں بلکہ درحقیقت یہ شرک ہے جس کو لوگ جانتے بھی نہیں اور اسی نہ جاننے کی وجہ سے یہ خیالی اور وہمی مثالیں دل سے بنالی ہیں نہ کہ کتاب اور سنت سے نکالی ہوں اور کتاب سے جو ثابت ہے وہ یہی غیرت

ہے جو امر اول میں بخوبی بیان ہو چکی۔ الختصر اس تھوڑے سے بیان سے جو بموجب آیات قرآنی ہوا شرک کی تنقیح بخوبی ہوگئی اب توحید کی تنقیح شروع کی جاتی ہے اور خدا مددگار ہے۔

باب دوم توحید کی تنقیح میں

جب شرک کی اصلیت اور برائی معلوم ہو چکی تو اب یہ معلوم کرنا چاہیے کہ خدا نے اس کے دفع کی کونسی تدبیر مقرر کی سو اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے کہ وہ کلمہ توحید لا الہ الا اللہ۔ ہے۔ جس سے شرک دفع ہوتا ہے اور سب سے پہلے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین عرب پر اسی کو پیش کیا اور اب تک وہی دستور جاری ہے کہ جب کسی کو مسلمان کرتے ہیں تو پہلے یہی کلمہ پڑھاتے ہیں اور اسلام کے پانچ ارکان جن پر اسلام کی بنیاد قائم کی گئی ہے ان میں سے پہلا یہی ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ پہلا رکن ایمان ہے اور باقی چار اعمال ہیں اور بغیر ایمان کے کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا۔ پس کلمہ طیبہ ساری کتاب وسنت کا اصل الاصول ہے اسی کے اقرار اور تصدیق سے مسلمان ہوتا ہے اور انکار سے کافر ہوتا ہے۔ اسی کے مضمون کی تصدیق ہر مسلمان مرد اور عورت پر واجب ہے۔ جس کا یہ ٹھیک ہے اس کے سب اعمال ٹھیک ہیں جس کا یہ ٹھیک نہیں اس کا کوئی عمل ٹھیک نہیں کیونکہ سب عمل ایمان پر موقوف ہیں اسی لیے اسلام کی پہلی تعلیم یہی ہے اور تمام مسلمان اسی کو پڑھتے اور جانتے ہیں کہ اسی سے شرک دفع ہوتا ہے پس ضرور ہے کہ کلمہ شریف کے معنی ایسے ہوں جس سے سچ مچ شرک دفع ہوتا ہو لیکن اس کے معنی میں علماء اور صوفیہ کے درمیان اختلاف ہے اب ہم دونوں معنی بیان کرتے ہیں جس سے ہر شخص جان سکتا ہے کہ کون سے معنی سے شرک دفع ہوتا ہے۔

علماء کلمہ طیبہ میں تین جگہ تقدیر وتاویل کرتے ہیں اول لائے نفی جنس کی خبر میں

لفظ موجود مقدر مانتے ہیں دوم لفظ الہ کو مستحق کے ساتھ تاویل کرتے ہیں۔ سوم لفظ الا کو استثناء کے معنی سے ہٹا کر غیر کے معنی میں لیتے ہیں پس اس صورت میں کلمہ طیبہ کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ نہیں ہے کوئی معبود لائق عبادت کے موجود سوائے خدا کے اور بنیاد اس تاویل کرنے کی یہ ہوئی کہ حسب قاعدۂ زبان عربی لائے نفی جنس کی خبر کثرت سے محذوف ہوتی ہے اور اکثر افعال عامہ میں سے کوئی لفظ مثل موجود یا ثابت یا کائن کے وہاں مقدر مانا جاتا ہے پس یہاں بھی انھوں نے حسب عادت لا کی خبر میں لفظ موجود مقدر مانا تو یہ معنی ہوئے کہ نہیں ہے کوئی معبود موجود مگر خدا۔ اس صورت میں کلمہ کے معنی میں کذب لازم آتا تھا یعنی کلمہ کے یہ معنی ہوئے کہ کوئی معبود موجود نہیں ہے حالانکہ بہت سے معبود موجود ہیں زمین پر بت وغیرہ آسمان پر چاند سورج وغیرہ جن کی لوگ عبادت وغیرہ کرتے ہیں تب انہیں دوسری تاویل کرنا پڑی یعنی الہ کو مستحق کے ساتھ تاویل کیا تب یہ معنی ہوئے کہ نہیں ہے کوئی معبود لائق عبادت کے موجود مگر خدا۔ یعنی اگرچہ معبود بہت سے موجود ہیں لیکن وہ لائق عبادت کے نہیں ہیں اس صورت میں ایک اور قباحت پیش آئی وہ یہ ہے کہ الا حرف استثناء ہے جس کے معنی مگر ہیں اس حرف کے ذریعہ سے جماعت میں سے ایک کو مستثنیٰ یعنی علیحدہ کر لیتے ہیں پس اگر الا کے معنی مگر کے لیے جاتے تو یہ لازم آتا تھا کہ معبودان مستحق العبادت کی جماعت میں سے خدا کو مستثنیٰ کر لیا اس قباحت پر نظر کر کے انہیں تیسری تاویل کرنا پڑی یعنی الا کو استثناء کے معنی سے ہٹا کر غیر کے معنی میں لیا جس کے معنی ہیں سوا۔ تب یہ معنی ہوئے کہ نہیں ہے کوئی معبود لائق عبادت کے موجود سوائے خدا کے۔

صوفیہ کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ مضمون فی نفسہ درست ہے مگر کلمہ کے یہ معنی نہیں ہیں کیونکہ کلمہ کے لفظوں سے یہ معنی نہیں نکلتے ہیں بلکہ تاویلیں یعنی بناوٹیں کر کے یہ معنی

پیدا کئے گئے ہیں اور موجود مقدر ماننے کے بارہ میں یہ جواب دیتے ہیں۔ کہ جہاں ظرف یا شبہ ظرف واقع ہو وہاں افعال عامہ میں سے لفظ موجود وغیرہ کے مقدر ماننے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ ظرف یا شبہ ظرف جار مجرور ہوتا ہے اور جار مجرور کے لیے ضرورت ہوتی ہے کہ وہ کسی سے متعلق کیا جائے اگر فقرے میں نہ ہو تو مقدر مانا جائے اور جہاں جار مجرور نہیں وہاں ان افعال عامہ میں سے مقدر ماننے کی ضرورت نہیں بلکہ ایسی جگہ وہ مقدر ہوتا ہے جو مخاطب کے گمان میں ہو۔

پس کلمہ طیبہ میں جار مجرور نہیں ہے لہذا موجود مقدر ماننے کی ضرورت نہیں ہے اور جب موجود کو مقدر نہ مانا تو اس کے سبب سے جو تاویلیں کرنا پڑی تھیں ان کی بھی ضرورت نہ رہی اور جب تاویلوں کی ضرورت نہ رہی تو کلمہ شریف کے اصلی لفظ رہ گئے ان لفظوں سے جو معنی نکلیں وہی کلمہ کے صحیح معنی ہیں اور اس میں شک نہیں کہ کلمہ طیبہ مشرکین کے گمان کے رد کرنے کے لیے نازل ہوا اور وہ گمان غیرت کا ہے درمیان خدائے پاک اور درمیان بتوں اور تمام چیزوں کے۔ پس ان کے عقیدے کے رد میں نازل ہوا لا الہ الا اللہ۔ پس یہاں لفظ غیر اللہ جو ان کے گمان میں ہے مقدر مانا جائے گا تاکہ رد مردود پر منطبق ہو نہ کہ لفظ موجود جو کہ ان سب جھگڑوں بکھیڑوں کا باعث ہوا کیونکہ اس کے مقدر ماننے کا موقع فقط ظرف یا شبہ ظرف میں ہوتا ہے سو یہاں نہ ظرف ہے نہ شبہ ظرف۔

پس صوفیہ کے نزدیک کلمہ کے یہ معنی ہوئے کہ نہیں ہے کوئی الہ غیر اللہ مگر اللہ یعنی جس کو تم خدا کا غیر گمان کرتے ہو وہ اس کا غیر نہیں ہے بلکہ اس کا عین ہے اور جس وقت کلمۂ طیبہ اہل عرب کے سامنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تو وہ لوگ چونکہ عرب کے زباندان تھے فوراً اس کا مطلب سمجھ گئے اور کہنے لگے

اجعل الالهة الها واحداً. ان هذا لشئی عجاب ۔ (پ ۲۳ سورہ ص

آیت نمبر ۵)

ترجمہ: آیا گردان لیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے الہوں کو الہ واحد تحقیق یہ عجیب بات ہے انتہی۔ اور یہی معنی کلمہ کے حقیقی اور اصلی معنی ہیں جس سے توحید نکلتی اور شرک یعنی گمان غیرت دفع ہوتا ہے سو ان زباندانوں نے جھٹ سمجھ لیے اور چونکہ عینیت ان کے وہموں کے خلاف تھی لہذا اس کے قبول کرنے سے انھوں نے انکار کیا اور جنگ وجدال پر آمادہ ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی دقیقہ دشمنی کا اٹھا نہ رکھا۔ اور جب کلمہ شریف ان کے سامنے کہا جاتا تھا تو وہ سخت مغروری ظاہر کرتے تھے۔ جیسا کہ فرمایا خدائے پاک نے

و اذا قيل لهم لا اله الا الله، يستكبرون ۔ (پ ۲۳ سورہ الصفت آیت نمبر ۳۵)

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے لا الہ الا اللہ تو وہ غرور کرتے ہیں انتہی۔

پس اگر کلمہ طیبہ کے معنی صرف اتنے ہی تھے جو تاویل کے بعد پیدا ہوتے ہیں کہ خدا ایک ہے اور عبادت کے لائق ہے تو اس کو تو وہ پہلے ہی مانتے تھے جیسا اوپر بیان ہو چکا اس کے انکار کی کوئی وجہ نہ تھی کیونکہ یہ ان کے گمان کے خلاف نہ تھا اس صورت میں اس تعجب اور تکبر کی ضرورت کیا تھی پس معلوم ہوا کہ وجہ تعجب اور غرور کی وہی عینیت تھی جو ان کے گمان کے برخلاف تھی اور اسی کو سن کر وہ کہنے لگے کہ

ضل صاحبنا و غوى ۔

ترجمہ یعنی ہمارا ساتھی بہک گیا اور گمراہ ہوا انتہی۔

جس کا جواب خدا نے یہ دیا کہ

ماضل صاحبكم و ما غوى ۔ (پ ۲۷ سورہ النجم آیت نمبر ۲)

ترجمہ: نہیں بہکا ساتھی تمہارا اور نہ گمراہ ہوا انتہی

اور اسی کو سن کر انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر اور جھوٹا کہا جیسا کہ فرمایا خدائے پاک نے

وقال الکافرون هذا ساحر کذاب. اجعل الا لهة الها واحدا. ان هذا لشی عجاب۔(پ۲۳ سورہ ص آیت نمبر ۴،۵)

ترجمہ: اور کہا کافروں نے یہ جادوگر اور بڑا جھوٹا ہے آیا گردان لیا اس نے بہت سے الھوں کو الہ واحد تحقیق یہ بڑی عجیب چیز ہے انتھی

یہاں سے ثابت ہوا کہ انھوں نے ساحر اور کذاب کا لفظ اسی عینیت کے سبب کہا جیسا کہ آیت سے ظاہر ہے۔ پس اگر وہ معنی ہوتے جو تاویل کے بعد حاصل ہوئے تو کذاب کبھی نہ کہتے کیونکہ وہ اس کے منکر نہ تھے بلکہ اس دعوت سے پہلے تو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو امین اور صادق کہتے تھے یعنی سچا اور امانتدار اب یکبارگی جادوگر اور جھوٹا اور بہکا ہوا اور گمراہ اور دیوانہ کہنے لگے

پس بخوبی ثابت ہوا کہ کلمہ کے صحیح معنی یہی ہیں جو اہل زبان سنتے ہی سمجھ گئے اور اپنا تعجب ظاہر کرنے لگے اور اپنے عقیدے کا رد دیکھ کر برے برے لفظ کہنے لگے اور جدال وقتال پر آمادہ ہو گئے نہ وہ معنی جو تاویل کے بعد حاصل ہوئے ہیں کیونکہ اس معنی کے وہ منکر نہ تھے۔

اب ہم اس کی تشریح اور زیادہ کرتے ہیں اور ایسی آیتیں نقل کرتے ہیں جن میں لفظ الا مقید بلفظ غیر اللہ آیا ہے فرمایا خدای پاک نے

ام لهم اله غیر الله. سبحان الله عما یشرکون۔

ترجمہ: یا ان کے لیے کوئی الہ غیر اللہ ہے پاک ہے اللہ اس چیز سے جو وہ شریک کرتے ہیں انتھی

یہاں سے یہی ثابت ہوا کہ الہ کو غیر اللہ جاننا شرک ہے پھر فرمایا

ان اخذ الله سمعکم و ابصارکم وختم علی قلوبکم من اله غیر الله یاتیکم به۔(پ۷ سورۃ انعام آیت ۴۶)

ترجمہ: اگر لے لیوے اللہ تمہاری سماعتیں اور بصارتیں اور مہر کردے تمہارے دلوں پر تو کون الہ غیر اللہ ہے جو تم کو پھیر دیوے انتھی

یہاں سے یہی معلوم ہوا کہ کوئی الہ غیر اللہ نہیں پھر فرمایا

لقد ارسلنا نوحا الی قومه فقال یاقوم اعبدوا الله مالکم من اله غیره۔(سورہ الاعراف آیت نمبر ۵۹)

ترجمہ: بتحقیق بھیجا ہم نے نوح کو طرف اس کی قوم کے پس کہا اس نے اے قوم عبادت کرو تم اللہ کی نہیں ہے تمہارے لیے الہ میں سے غیر اس کا انتھی

اب قوم کا جواب سنیے

قال الملاء من قومه انا لنرک فی ضلال مبین ۔(سورہ الاعراف آیت نمبر ۶۰)

ترجمہ: کہا ایک گروہ نے اس کی قوم میں سے بتحقیق ہم تجھ کو صریح گمراہی میں دیکھتے ہیں انتھی

اب دیکھئے کہ گمراہ کہنے کی وجہ یہی تھی کہ حضرت نوح نے کہا مالکم من الہ غیرہ۔ یعنی تمہارے الہ غیر خدا نہیں ہیں کیونکہ عینیت ان کے وہموں کے خلاف تھی پھر فرمایا۔

والی عاد اخاهم هوداً قال یقوم اعبدوا الله ما لکم من اله غیره۔ (پ۱۲ آیت ۵۰ سورہ ھود)

ترجمہ:۔ اور بھیجا ہم نے طرف قوم عاد کے ان کے بھائی ہود کو کہا اس نے اے قوم عبادت کرو تم اللہ کی نہیں ہے تمہارے لیے الہ میں سے غیر اس کا انتھی

اب ان لوگوں کا جواب سنیئے

قال الملا الذین کفروا من قومہ انا لنرک فی سفاھۃ و انا لنظنک من الکاذبین ۔(پ ۸ آیت ۶۶ سورہ الاعراف)

ترجمہ: کہا ایک گروہ نے ان لوگوں میں سے جنہوں نے کفر کیا اس کی قوم میں سے بتحقیق ہم تجھ کو نادانی میں دیکھتے ہیں اور البتہ البتہ ہم گمان کرتے ہیں کہ تو جھوٹا ہے انتہی

یہ نادان کہنا اور جھوٹا بنانا بھی اسی عینیت کی وجہ سے ہے پھر فرمایا۔

والی ثمود اخاھم صالحاً. قال یاقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ۔(پ۱۲ آیت نمبر ۶۱ سورۃ ھود)

ترجمہ: اور بھیجا ہم نے طرف قوم ثمود کے ان کے بھائی صالح کو کہا اے قوم عبادت کرو تم اللہ کی نہیں ہے واسطے تمہارے الٰہ میں سے غیر اس کا انتہی

پھر فرمایا۔

والی مدین اخاھم شعیباً. قال یاقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ۔(پ۱۲ سورۃ ھود آیت نمبر ۸۴)

ترجمہ: اور بھیجا ہم نے طرف مدین کے ان کے بھائی شعیب کو کہا اے قوم عبادت کرو تم اللہ کی نہیں ہے واسطے تمہارے الٰہ میں سے غیر اس کا انتہی

اب غور کرنے کا مقام ہے کہ یہ سب انبیاء علیہم السلام اسی عینیت کی تعلیم کی وجہ سے نادان اور جھوٹے قرار پائے اور یہ امر مسلم ہے کہ تمام انبیاء تعلیم توحید کے لیے مبعوث ہوئے ہیں جیسا کہ فرمایا خدائے پاک نے

وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیہ انہ لا الہ الا انا ۔(پ ۱۷ سورۃ الانبیاء ایت ۲۵ ۔)

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر وحی بھیجی ہم نے طرف اس کے یہ کہ نہیں ہے کوئی الٰہ مگر میں انتہی

پس ثابت ہوا کہ تمام انبیاء کی تعلیم یہی تھی یعنی لا الہ الا اللہ ۔قرآن مجید میں کلمہ توحید بہت کثرت کے ساتھ جابجا وارد ہوا ہے کہیں ۔لا الہ الا اللہ ۔کہیں لا الہ الا انت ۔کہیں لا الہ الا انا ۔کہیں لا الہ الا ھو ۔وغیرہ سب جگہ مطلب ایک ہی ہے۔

اور فن اصول میں قرآن وحدیث کے معنی لینے کے لیے یہ قاعدہ معین ہو چکا ہے کہ اگر ایک جگہ لفظ مطلق ہو یعنی بغیر کسی قید کے اور دوسری جگہ وہی لفظ مقید ہو یعنی کسی قید کے ساتھ اور دونوں جگہ حادثہ ایک ہی ہو تو امام اعظم اور امام شافعی دونوں کے نزدیک مطلق کو مقید پر حمل کرنا واجب ہے۔ پس بموجب اس قاعدہ کے جہاں جہاں لفظ الٰہ بغیر قید کے آیا ہے وہاں اس کو لفظ غیر اللہ کے ساتھ مقید ماننا چاہیے پس تمام کلام مجید میں جہاں الٰہ مطلق ہوگا وہ مقید بلفظ غیر اللہ مانا جائے گا از روئے وجوب کے دونوں اماموں کے نزدیک۔ کیونکہ ایسے ہر موقع پر ایک ہی حادثہ ہے یعنی دفع شرک۔

اب ایک بات اور معلوم کر لینا چاہیے کہ کلمہ طیبہ کی عبارت سے الٰہون کی عینیت خدا کے ساتھ ثابت ہوئی لیکن اور چیزیں جو الٰہ نہیں کہلاتی ہیں ان کی عینیت باقی رہی۔ سو ان کی عینیت دلالت سے ثابت ہوئی اس طرح کہ جب ایک ممکن عین ہے تو ضرور دوسرا ممکن بھی عین ہے کیونکہ ایک ممکن اور دوسرے ممکن میں کچھ فرق نہیں ہے پس عبارت اور دلالت دونوں کے جمع کرنے سے یہ حاصل ہوا کہ نہیں ہے کوئی موجود مطلق مگر خدا۔ اور مضمون کلمہ طیبہ کا اس بات کی طرف رجوع کرتا ہے کہ نہیں ہے کوئی شے موجود مطلق میں سے غیر خدا۔ پس موجود مطلق اور خدائے پاک کے

درمیان سے غیریت بالکل اٹھ گئی اور غیر خدا کے لیے ہرگز کوئی مصداق نہیں رہا جیسے کہ شریک باری کے لیے کوئی مصداق نہیں ہے پس شریک الباری اور غیر اللہ دونوں کا مفہوم واحد ہے۔ صرف لفظی فرق ہے کسی نے کہا شریک باری موجود نہیں ہے کسی نے کہا غیر اللہ موجود نہیں ہے مطلب ایک ہی ہے سمجھ کا پھیر ہے کیونکہ جب شریک خدا کا موجود نہیں ہے تو یہی نتیجہ نکلا کہ جو موجود ہے سو خدا ہے کیونکہ حقیقت میں غیر کا وجود ہی نہیں ہے اور یہ غیریت جو پائی جاتی ہے سو حقیقی نہیں ہے صرف اعتباری ہے اگر کہا جائے کہ لفظ الہ کلمہ طیبہ میں کیوں لایا گیا جس سے عبارت و دلالت جمع کرکے ہر شئے کی عینیت نکلی بلکہ ایسا لفظ لایا جاتا کہ دو چیزوں کے جمع کرنے کی ضرورت نہ ہوتی وہ اکیلا کافی ہوتا مثلاً لا شئے غیر اللہ۔ یا لا موجود غیر اللہ۔ یا لا شئے الا اللہ۔ یا لا موجود الا اللہ۔ تو جواب یہ ہے کہ لفظ الہ میں دو طرح کی شرکت پائی جاتی ہے اول گمان غیریت میں۔ دُوم معبودیت میں۔ پس خدائے پاک کی بلاغت کی غیرت اس بات کی مقتضی ہوئی کہ لفظ الہ خصوصاً ذکر کیا جائے تاکہ دونوں شرک نفی واحد سے ایک ہی ساتھ دفع ہو جائیں سوان عبارتوں مذکورہ سے دونوں شرکوں کا نفی واحد سے دفع ہونا ممکن نہ تھا سوائے لا الہ الا اللہ۔ کے اور وہ آیت جس سے صرف عبارت ہی سے ہر شئے کی عینیت سمجھی جاتی ہے۔ یہ ہے

ھو الاول والاخر والظاھر والباطن. وھو بکل شیء علیم۔ (پ ۲۷ سورہ الحدید آیت نمبر ۳)

ترجمہ: وہی اول ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے انتہی

پس کوئی شے کسی قسم کی ہو اس عبارت سے چھوٹ نہیں گئی بلکہ سب اشیائے عالم انہیں چار میں منحصر ہیں وہ سب اس آیت میں جمع ہیں پس اس آیت سے ہر شے کی

عینیت صرف عبارت سے بغیر شامل کرنے دلالت کے بخوبی سمجھی گئی اب جان لیا کہ دراصل توحید یہی ہے اور اسی توحید سے ہر قسم کا شرک خفی ہو یا جلی دفع ہوتا ہے اور اسی وجہ سے کلمہ کا نام کلمہ توحید ہے کیونکہ توحید کے معنی لغت میں ہیں کثیر کو واحد یا کثرت کو وحدت گردانا اور اشراک کے معنی ہیں واحد کو کثیر یا وحدت کو کثرت گردانا۔ پس توحید کی ضد شرک ہے۔ اور شرک کی ضد توحید ہے۔ جب توحید ہوگی شرک نہ رہے گا۔ اور جب شرک ہوگا تو توحید نہ رہے گی دونوں جمع نہیں ہو سکتے اور کلمہ توحید کا نام کلمہ طیبہ رکھنے کی وجہ بھی جان لو کہ لفظ طیبہ طیب سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں خوشبو۔ اور کلمہ توحید سے عینیت اور وصال کی خوشبو سونگھی جاتی ہے اس لیے وہ طیبہ یعنی خوشبودار کہلایا اور کلمہ شرک سے غیریت اور فراق کی بدبو سونگھی جاتی ہے اس لیے اس کو خبیثہ یعنی بدبودار کہنا چاہیے اور اس بدبو کا ثبوت یہ ہے کہ فرمایا خدائے پاک نے انما المشرکون نجس ۔ترجمہ: سوائے اس کے نہیں کہ مشرک ناپاک ہیں انتہی۔

پس جب مشرک ناپاک اور نجس ٹھہرے تو ضرور ان میں نجاست بھی ہونا چاہیے سو وہ نجاست شرک ہے اور نجاست میں بدبو کا ہونا ضرور ہے اور وہ کلمہ خبیثہ کلمہ طیبہ کے معنی کا ضد ہے یعنی لا الہ الا اللہ کے مقابل لا الہ الا غیر اللہ سمجھنا۔ اب ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ وہ کس معنی پر ایمان رکھتا ہے اور یہ معنی تاویل کا نتیجہ ہے کیونکہ بعد تاویل کے عینیت باقی نہ رہی تو ضرور غیریت اس کی بجائے داخل ہوئی جس کو خدا نے رد کیا تھا وہ تاویل کے بعد پھر لوٹ آئی حالانکہ کلمہ طیبہ آیات محکمات قرآنیہ میں سے ہے اور محکم کو تاویل قبول کرنے سے انکار ہے اور اس میں تاویل جائز ہی نہیں ہے اور اس کے محکم ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ فرمایا خدائے پاک نے

ھو الذی انزل علیک الکتب منہ ایات محکمات ھن ام الکتب و

اخر متشابهات ۔(پ۳ سورہ ال عمران آیت نمبر۷)

ترجمہ: وہ خدا جس نے تجھ پر کتاب اتاری بعض اس میں آیات محکم ہیں اور وہ اصل کتاب ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ ہیں انتھیٰ

پھر متشابہ کے بارہ میں یوں فرمایا۔

ومایعلم تاویلہ الا اللہ. والراسخون فی العلم ۔(پ۳ سورہ ال عمران آیت نمبر۷)

ترجمہ اور نہیں جانتا ہے تاویل اس کی سوائے اللہ کے اور راسخین فی العلم کے انتھیٰ

یہاں سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی آیتیں دو قسم سے خالی نہیں یا محکم ہیں یا متشابہ ہیں اور متاشبہ کے معنی سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا اور جو علم میں راسخ ہیں وہ بھی جانتے ہیں پھر فرمایا۔

ھو الذی بعث فی الامین رسولاً منھم ۔(پ۲۸ سورہ جمعہ آیت نمبر۲)

ترجمہ: وہ خدا جس نے اٹھایا امیوں میں ایک رسول انہیں میں سے انتھیٰ

یہ معلوم ہوا کہ خدائے پاک نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو امیوں میں برپا کیا پس انہیں امیوں کو سب سے پہلے یہی کلمہ طیبہ تعلیم کیا گیا اور وہ جھٹ اس کا مطلب سمجھ گئے اور کہنے لگے۔

اجعل الالھۃ الھاً واحداً. ان ھذا لشی عجاب ۔

یہاں سے ثابت ہوا کہ کلمہ طیبہ متشابہ نہیں ہے کیونکہ اگر متشابہ ہوتا تو وہ نہ سمجھ سکتے کیونکہ وہ راسخین فی العلم نہ تھے بلکہ امی محض تھے اور جب متشابہ نہ ہوا تو ضرور محکم ہے اور محکم کو تاویل قبول کرنے سے انکار ہے پس بہت بین طور سے واضح اور روشن ہوگیا کہ کلمہ طیبہ میں تاویل کرنا باطل ہے اب اس بیان سے ہر شخص دونوں معنوں

میں جس میں ایک باتاویل اور ایک بلاتاویل ہے فرق نکال سکتا اور حق و باطل میں امتیاز کرسکتا ہے اور ہر اہل عقل اس بات پر غور کرسکتا ہے کہ یہ بات تو پہلے ہی سے لوگوں کے خیالوں میں جمی ہوئی ہوتی ہے کہ خدا اور ہے اور سب چیزیں اور ہیں وہ ان کا غیر ہے یہ اس کی غیر ہیں لیکن یہ بات کہ سب کچھ وہی ہے جس کو فارسی میں ہمہ اوست کہتے ہیں بغیر اس کے کہ وہی بتلائیے جس نے یہ سب کچھ کیا ہے کوئی نہیں جان سکتا کیونکہ اس طرف کبھی کسی کا گمان بھی نہیں پہنچتا ہے سو خدا نے انبیاء علیہم السلام کے وسیلے سے توحید لوگوں کو پہنچائی تب معلوم ہوا کہ سب کچھ وہی ہے ورنہ یہ بات کسی کے خیال میں بھی نہ تھی پس اگر یہی توحید نہیں ہے تو نبیوں کے بھیجنے کا کیا نتیجہ نکلا اور انھوں نے کونسی آسمانی بات سکھلائی۔ یہ تو زمین والے پہلے ہی سے جانے بیٹھے تھے کہ خدا اور ہے اور عالم کا وجود اور ہے۔

اب نصاریٰ کے کفر کی وجہ بھی جان لینا چاہیے کہ وہ خدا کو تین کے عدد میں منحصر کرتے ہیں اس لیے کافر ہوئے جیسا کہ فرمایا خدائے پاک نے

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ ۔(پ۶ سورہ المائدہ آیت نمبر۷۳) ترجمہ: بتحقیق کافر ہوئے وہ لوگ جنھوں نے کہا کہ خدا تیسرا ہے تین کا انتھیٰ

اب خدا کے اس قول پر نظر کرنا چاہیے۔

ما یکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم ولا ادنی من ذلک ولا اکثر الا ھو معھم ۔(پ۲۸ سورہ المجادلۃ آیت نمبر۷)

ترجمہ: نہیں ہوتا ہے کوئی مشورہ تین شخصوں کے درمیان مگر یہ کہ خدا چوتھا ان کا ہوتا ہے اور نہیں ہوتا ہے کوئی مشورہ پانچ شخصوں کے درمیان مگر یہ کہ خدا چھٹا ان کا ہوتا ہے نہ کمتر تین سے اور نہ زیادہ پانچ سے مگر یہ کہ خدا ان کے ساتھ ہوتا ہے انتھیٰ

اب غور کرنا چاہیے کہ لفظ ثالث اور رابع اور سادس یکساں الفاظ ہیں جن کے معنی تیسرا اور چوتھا اور چھٹا ہیں لیکن نصاریٰ کا خدا کے لیے ثالث کہنا عین کفر ہے اور اس آیت میں خدا کے لیے رابع اور سادس کہنا عین ایمان ہے اس کا یہی سبب ہے کہ نصاریٰ ثالث میں حصر کرتے ہیں اور یہاں رابع اور سادس میں حصر نہیں اول میں تفرقہ اور غیرت ہے اور دوم میں جمع اور توحید ہے پھر نصاریٰ خدا کو ایک فرد میں عیسیٰ علیہ السلام میں منحصر کرتے ہیں اس لیے کافر ہوئے جیسا کہ فرمایا خدائے پاک نے

لقد کفر الذین قالوا ان الله هو المسیح ابن مریم ۔(پ ۶ سورہ المائدہ آیت نمبر ۷۲)

ترجمہ: بتحقیق کافر ہوئے وہ لوگ جنھوں نے کہا کہ خدا وہی مسیح بیٹا مریم کا ہے

انتہی

المختصر خدا کو کسی چیز میں منحصر کرنا نہیں چاہیے نہ تنزیہ محض میں نہ تشبیہ محض میں۔ تنزیہ بھی اس کی ایک صفت ہے اور تشبیہ بھی ایک صفت ہے۔ وجوب بھی اس کی ایک صفت ہے اور امکان بھی ایک صفت ہے پس امکان اور وجوب اس میں دو جہت سے پائے جاتے ہیں۔ وجوب بحثیت ذات اور اطلاق کے پایا جاتا ہے اور امکان بحثیت تعین اور تقید کے۔ پس خدائے پاک مجمع الکمالات ہے اور کمال مراد ہے دو متضاد صفتوں کے جمع ہونے سے جیسے محیی اور ممیت، ہادی اور مضل، غفار اور قہار وغیرہ اسی پر واجب اور ممکن کو قیاس کر لینا چاہیے اگر اس کو محض تنزیہ میں گھیر دیا تو تشبیہ سے علیحدہ رہنے کے سبب کمال نہ ہوا اور اگر تشبیہ میں گھیر دیا تو تنزیہ سے علیحدہ رہنے کے سبب کمال نہ ہوا۔ کمال تو یہی ہے کہ دونوں طرف پھر دونوں سے الگ الان کما کان اسی کی طرف اشارہ ہے یعنی جیسا تھا ویسا ہی اب بھی ہے کسی میں منحصر اور مقید نہیں ہے جو لوگ محض تنزیہ میں خدا کو منحصر کرتے ہیں وہ اس طرح اس کی

تعریف کرتے ہیں کہ وہ نہ جوہر ہے نہ عرض نہ عرش میں نہ فرش میں نہ زمان میں نہ مکان میں نہ ذہن میں نہ وہم میں اور یہ جو خارج میں موجود ہے اس کا نام ماسوای اللہ بتلاتے ہیں تو کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ خدا کہیں نہیں ہے اور جو موجود ہے سو اس کا غیر ہے۔ پھر صرف زبان سے یہ کہنا کہ خدا ہر جگہ موجود ہے ایسی بات ہے جو محض زبانی ہے نہ کہ دل میں بھی۔ ذلک قولھم بافواھھم بمالیس فی قلوبھم ترجمہ۔ یہ ان کا قول ان کے مونہوں میں ہے جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ انتہی

خوشا حال موحدین کا جو اینما تولو فثم وجہ اللہ۔ کی سچ مچ تصدیق کرنے والے ہیں اور لا الہ الا اللہ کے معنی موافق اس قول کے کہ مصرعہ ہر کجا می نگرم روی ترا می بینم درحقیقت یہی لوگ جاننے والے ہیں۔ اس تھوڑے سے بیان سے جو بموجب آیات قرآنی ہوا توحید کی تنقیح بخوبی ہوگئی اب توہمات کے جواب لکھے جاتے ہیں۔

باب سوم دفع توہمات میں

توحید کے بارہ میں چند توہمات کئے جاتے ہیں۔

اول وحدت وجود امر شرعی نہیں ہے بلکہ کشفی ہے

جواب اوپر کے بیان سے بخوبی ثابت ہو گیا کہ توحید جو وحدت وجود ہی ہے نہ دوسری چیز سب سے پہلے امر شرعی ہے مثل دیگر سمعیات شرعی کے جیسے بعث وحشر۔ عذاب وثواب وغیرہ نہ فقط کشفی۔

دوم اس کا اعلان جائز نہیں بلکہ چھپانا واجب ہے

جواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اول توحید کو قول لا الہ الا اللہ۔ سے امیوں پر ظاہر کیا اور وہ بخوبی سمجھ گئے جیسا اوپر بیان ہو چکا۔ پھر دوسری بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول سے جو قسم کے ساتھ موکد ہے توحید کو ظاہر کیا چنانچہ فرمایا۔

والذی نفس محمد بیده لو انکم دلیتم بحبل الی الارض السفلیٰ لهبط علی الله. ثم قرء علیه السلام هو الاول و الاخر والظاهر والباطن وهو بکل شئی علیم۔

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر تم ڈول رسی کے ساتھ سب سے نیچے والی زمین پر ڈالو تو البتہ وہ اللہ پر پڑے گا پھر نبی علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی۔ هو الاول والاخر والظاهر والباطن۔ (پ ۲۷ سورۃ الحدید۔ آیت نمبر ۳) یعنی وہی اول ہے اور آخر ہے اور ظاہر ہے اور باطن ہے اور وہ ہر شے کا جاننے والا ہے۔ انتہیٰ

یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارض سفلیٰ یعنی سب سے نیچے والی زمین کو لفظ اللہ کے ساتھ تعبیر کیا جیسے کلمہ طیبہ میں الہ بلفظ اللہ تعبیر کیا گیا ہے پس یہاں بھی مثل کلمہ شریف کے عبارت اور دلالت دونوں جمع کرنے سے ہر شے کی عینیت ثابت ہے

اور قسم کھا کر کہا اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ اس بات سے سخت انکار رکھتے تھے تب قسم کے ساتھ اس کو موکد کیا ورنہ قسم کی ضرورت نہ تھی اور گواہی کے لیے خدا کے کلام میں سے یہی آیت پڑھی جس میں ہر شے جمع ہے نہ کوئی اور دوسری آیت پھر تیسری بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دلائل مذکورہ قرآن مجید سے توحید کو ظاہر کیا جیسے۔ لو کان فیهما الهة الا الله لفسدتا۔ (پ ۱۷ سورہ الانبیاء آیت نمبر ۲۲)

ترجمہ: اگر ہوتے آسمان اور زمین میں معبودان غیر خدا تو البتہ وے دونوں بگڑ جاتے انتہیٰ اور لو کان معه الهة کما یقولون اذا لا بتغوا الی ذی العرش سبیلاً۔ ترجمہ: اگر خدا کے ساتھ معبودان غیر خدا ہوتے جیسا کہ وہ کہتے ہیں تو البتہ وہ معبود طرف صاحب عرش کے راہ ڈھونڈتے۔ یعنی مقابلہ کے لیے انتہیٰ اور

لو کان هولآء الهة ماور دوها۔

ترجمہ: اگر ہوتے یہ بت معبودان غیر خدا تو دوزخ میں نہ جاتے انتہیٰ اور

ما کان معه من اله اذا لذهب کل اله بما خلق۔

ترجمہ: نہیں ہے خدا کے ساتھ کوئی معبود غیر خدا اور اگر ہوتا تو البتہ ہر معبود اپنی مخلوق کو لے جاتا انتہیٰ اور

لعلی بعضهم علی بعضٍ۔

ترجمہ: اور البتہ غالب آتا۔ بعض ان کا بعض پر انتہیٰ

اب دیکھ لیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح توحید کا اعلان کیا اور کہاں ثابت ہوا کہ اس کا چھپانا واجب ہے بلکہ یہ ثابت ہوا کہ توحید چھپانے کے لیے نہیں بلکہ ظاہر کرنے کے لیے ہے۔ کیونکہ خود خدا نے اپنے تمام انبیاء علیہم السلام کی معرفت ہمیشہ توحید ہی کی تعلیم دلوائی۔ اور دیکھو پانچوں وقت کی اذانوں میں کس طرح توحید باواز بلند پکاری جاتی ہے کیا صرف عربی زبان میں پکارنا جائز ہے اور

دوسری زبانوں میں منع ہے۔

سوم اس کا اثبات دلائل سے نہیں ہوسکتا

جواب آیات دلائل ابھی نقل کر چکا ہوں دیکھو کس طرح دلائل کے ساتھ خدائے پاک نے توحید کا اثبات کیا ان آیات دلائل کی تفسیر کلمۃ الحق یا اس کے اردو ترجمہ وحدۃ الحق کی اصل دوم میں دیکھنا چاہیے اس مختصر میں گنجائش نہیں

چہارم اگلوں نے اس کو چھپایا ہے

جواب اول تو چھپانا مسلم نہیں اس لیے کہ ذوالنون مصری اگلوں میں تھے۔ منصور بھی اگلوں ہی میں تھے ان کا ظاہر کرنا اظہر من الشمس ہے اور اگر چھپانا مان بھی لیا جائے تو اس کا سبب یہ نہیں تھا کہ چھپانا واجب ہے بلکہ بخوف ضرر نفس چھپایا ہو جو ظاہر کرنے والے کے لیے اس وقت متصور تھا جیسا کہ منصور کے لیے ہوا کیونکہ تبلیغ سوائے انبیاء کے کسی پر واجب نہیں ہے۔ مگر بعد سوال کے ہمیں کچھ گناہ لازم نہیں آتا۔ اور قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا

امرنا ان نتکلم الناس علی قدر عقولھم۔

ترجمہ: ہم پیغمبر لوگ حکم کیے گئے ہیں کہ لوگوں سے ان کی عقلو کے موافق کلام کریں انتہیٰ

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسرار توحید میں ان کی عقلوں کے موافق بات کریں نہ کہ نفس توحید میں۔ بلکہ اس کے بارہ میں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ

امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ۔

ترجمہ: مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم قتال کریں لوگوں سے یہاں تک کہ وے کہیں لا الہ الا اللہ

پنجم کلمہ طیبہ میں موجود مقدر ماننے اور الہ کو مستحق کے ساتھ تاویل کرنے پر

اجماع ہے۔

جواب اول تو اجماع کے لیے ضرور ہے کہ وہ امر جس پر اجماع ہوا امر شرعی ہو سو محکم میں تاویل کرنا امر شرعی کے خلاف ہے دوم یہ تاویل اور تقدیر اجماع کی حیثیت سے نہیں ہوئی۔ بلکہ پہلے ہی پہل کسی ایک شخص سے صادر ہوئی جس کسی سے ہوئی ہو پھر اس کی پیروی دوسرے نے کی اور اس دوسرے کی تیسرے نے کی یہاں تک کہ چلتے چلتے زمانہ حال تک پہنچی جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ توحید کو لوگوں نے شرک جان لیا اور شرک کو توحید مان لیا یہاں تک کہ کلمہ کے جزو اول لا الہ الا اللہ پر صرف ایمان حکمی رہ گیا نہ کہ حقیقی لیکن خدا کا شکر ہے کہ کلمہ کے دوسرے جزو یعنی محمد رسول اللہ پر ایمان حقیقی حاصل ہے جس سے مسلمان بنے رہے کیونکہ اس کے ضمن میں جزو اول پر بھی ایمان حاصل ہوگیا۔ کسی نے خوب کہا ہے مصرعہ

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

پس یاد رکھنا کہ کلمہ طیبہ میں چار فرض ہیں اول کلمہ کے لفظوں کا صحیح کرنا دوم اس کے مضمون پر علم حاصل کرنا۔ سوم اس کے مضمون کی تصدیق کرنا اور یہ اصل فرض ہے۔ چہارم اس کے مضمون کی تصدیق پر مضبوطی اور ہمیشگی رکھنا اور یہ اس کی فرع ہے اگر مضبوطی اور ہمیشگی فرض نہ ہوتی۔ تو اسلام سے پھر جانے والا واجب القتل نہ ہوتا۔ اور پہلا اور دوسرا فرض یعنی کلمہ کے لفظوں کا صحیح کرنا اور اس کے مضمون پر علم حاصل کرنا فرض بالتبع ہے کیونکہ تیسرا جو اصل ہے ان دونوں پر موقوف ہے اور واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے۔ پس جس نے اس کے مضمون ہی کو نہ جانا تو اس کی تصدیق کس طرح کرے گا اور پھر اس تصدیق پر ہمیشگی کیونکر حاصل ہوسکتی ہے۔ اب ایک تمثیل پر اس کو ختم کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ مصحف شریعت کی بسم اللہ ہے

اور محمد رسول اللہ اس کی سورۃ فاتحہ ہے اور عقائد حقہ اس کی سورۃ کہف ہے اور احکام محکمہ اس کی سورۃ ناس ہے۔ پس جو شخص اس کی بسم اللہ سے واقف نہ ہوا وہ اس کی سورۃ فاتحہ سے کیا واقف ہوگا پس اول کی غلطی تینوں پچھلوں میں اثر کرے گی۔ پس عقائد اور اعمال بسبب ناواقف ہونے بسم اللہ کے کیونکر نفع دیں گے اس ناواقفیت سے ہم خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ اللھم اهدنا الصراط المستقيم. صراط الذين انعمت عليهم من النبيين و الصديقين و الشهداء و الصالحين و صل على سيدنا محمد و اله و اصحابه اجمعين. برحمتك يا ارحم الراحمين امين ثم امين۔

شرک کے موضوع پر لاجواب کتاب

شرک کی حقیقت

تالیف: محمد نعیم اللہ خاں قادری

(بی ایس سی۔ بی ایڈ / ایم اے اردو۔ پنجابی۔ تاریخ)

ملنے کا پتہ:

فیضان مدینہ پبلیکیشنز جامع مسجد عمر روڈ کاموکے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسئلہ حاضر وناظر میں اپنی نوعیت کی لاجواب کتاب

اَلشَّاهِدُ

مرتبہ:

حضرت علامہ عبدالمنان صاحب اعظمی مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

علیہ افضل الصلوۃ و اکمل التسلیم

تعارف

علمی حلقہ میں حضرت علامہ عبدالمنان صاحب اعظمی مدظلہ الاقدس کی ذات عالی محتاج تعارف نہیں۔ موصوف نہ صرف یہ کہ مرکزی دارالعلوم اشرفیہ مبارکپور کے عظیم المرتبت مدرس اور قابل قدر مفتی ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایک مقبول و مشہور خطیب اور صاحب طرز ادیب بھی ہیں۔ آپ کے گراں قدر علمی و تحقیقی مضامین کو ارباب علم و دانش نے ہمیشہ عزت کی نگاہوں سے دیکھا ہے اور یہ تمنا کی ہے کہ دوبارہ بھی ان کے مضامین دیکھنے اور سننے میں آئیں۔ یہ کتاب ''الشاہد'' جیسے کہ خود بھی اپنے مفہوم کی طرف اشارہ کر رہی ہے مسئلہ حاضر و ناظر میں لکھی گئی ہے جس میں عبدالروف جھنڈانگری کی کتاب ''تردید حاضر و ناظر'' کا مکمل و مفصل رد کر کے صحیح اور حق مسئلہ دلائل و براہین کی روشنی میں تحریر کیا گیا ہے جس کا بخوبی اندازہ پوری کتاب پڑھ کر ہی ہوسکتا ہے۔ یہ زمانہ اگرچہ ناول اور افسانہ اور لچر شاعری کا زمانہ ہے مگر اس کے باوجود بھی موضوع کے اعتبار سے یہ خشک کتاب اپنی رنگین عبارتوں اور دلکش جملوں کی وجہ سے ہر ذوق کا انسان اس کو پڑھ کر ایک مخصوص قسم کی دلچسپی محسوس کرے گا اس طرح امید ہے کہ یہ کتاب ہر طبقہ کی ہدایت و اصلاح کی باعث ہوگی۔ ہم مولانا موصوف کی کتاب مستطاب (جو ہر اعتبار سے قابل احترام ہے) نہایت فخر کے ساتھ شائع کر رہے ہیں اور آئندہ کے لیے بھی ان کی خدمت عالی میں پر خلوص درخواست پیش کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اپنی عظیم تصانیف اشاعت کے لیے عطا فرمائیں اور ہم اس کو علمی حلقہ میں بہترین معیاری

انداز میں پیش کر کے اجر و ثواب کے مستحق ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اسلامی دنیا سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ''مکتبہ لطیفیہ'' (براؤں شریف جس کا قیام ایک نہایت ہی پاک جذبہ کے ماتحت ہوا ہے) کے ساتھ پورا پورا تعاون کرے اس طرح پر کہ وہ ہماری تمام مطبوعات کو منگوا کر بغور ان کا مطالعہ کرے اور ہمیں ان کے حسن و قبح اور صحت و فساد سے مطلع کرے تاکہ ہماری ترقی کی راہیں آسان سے آسان ترین ہوں جس سے ہم نہایت شگفتگی طبیعت اور یقین و اعتماد کے ساتھ اسلام و سنیت کی بیش از بیش خدمات انجام دے سکیں جو ہمارا حقیقی مطمح نظر و ماحصل زندگی ہے۔

آپ لوگوں کا مخلص خادم...... ناظم
مکتبہ لطیفیہ و رکن دائرۃ المصنفین براؤں شریف
پوسٹ سکھوئی۔ ضلع بستی (یوپی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم

نور وظلمت، حق و باطل، کفر واسلام کا معرکہ خدا جانے کب سے ہے اور کب تک رہے گا

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بولہبی

اس لیے اگر وہابیہ اور اہلسنت و جماعت میں منازعت ومخاصمت ہو تو بعید از قیاس نہیں، یہ اگرچہ صحیح ہے کہ اسلام جھگڑا فساد نہیں سکھاتا۔ لیکن جب کوئی خواہ مخواہ آمادۂ پرخاش ہو تو ہمارا خاموش رہنا نا قابل معافی جرم ہے۔ مقام غور ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی عبارت لکھے جس سے مترشح ہو کہ (معاذ اللہ) ''حضور اتنا غضبناک ہو جاتے تھے کہ خلاف واقع کہہ جاتے'' اور ہم چپکے بیٹھے رہیں۔ حضور کی ذات گرامی کا ذکر ہو اور وہ کہے کہ ''دوست وہی بہتر جس کی نظر عیب پر ہو۔'' اور ہم کچھ نہ بولیں۔ سرکار مدینہ کے پاک فضائل کا ذکر ہو اور وہ اسے کفر کہے۔ اور ہم کان میں تیل ڈال لیں۔ تو عقیدت کشانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمارا یہ جرم نا قابل عفو ہوگا۔ یہی وہ شدید احساس ہے جس نے حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب سے رسالہ خیر الانبیاء لکھوایا اور جس کے ماتحت ہم بھی متوکلا علی اللہ ''فاضل رحمانی'' مولوی عبدالرؤف جھنڈے نگری کی کتاب تردید حاضر ناظر کا جواب لکھنے کے لیے آمادہ ہو گئے ہیں۔ اگرچہ خود مولوی عتیق الرحمٰن صاحب اس یاوہ گو کو منہ لگانا پسند نہیں کرتے تھے۔ اور اس سلسلہ میں رد و قدح کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ آج سامان طباعت کی اتنی فراوانی ہے کہ ہر شخص بلا تکلف معقول و نا معقول جو تحریر چاہتا ہے لکھ کر شائع کر دیتا

ہے۔ اور کوئی زبان پکڑنے والا نہیں۔ بنابریں فاضل رحمانی اگر بے حیائی پر کمر باندھ لیں اور اپنی نا معقولیت سے دنیا کے گندے لٹریچر میں اضافہ کرتے رہیں تو ان کی زبان کون روکنے والا ہے لیکن صرف اس خیال سے کہ کہیں عوام ایسی موٹی تازی کتاب کو دیکھ کر یہ نہ سمجھ لیں کہ اس ڈھول میں پول نہیں ہے ہم نے ایک مختصر مگر جامع رسالہ جس میں ''تردید حاضر و ناظر'' کی تمام عیاریوں کی پردہ دری کی گئی ہو لکھنا مناسب سمجھا۔

اس کتاب میں ہمارا طریقہ بحث: چونکہ اختصارا ہمارا مطمح نظر تھا اس لیے تردید ''حاضر ناظر'' کا تجزیہ ہم نے حسب ذیل طریقہ پر کیا ہے۔

۱۔ ''تردید حاضر و ناظر'' کے وہ متفرق دلائل جن کو کسی اصول کے تحت لایا جا سکتا ہے ان کا یکجائی اور اجمالی جواب باب فضائل کے چند اہم اصول کے ضمن میں دے دیا گیا ہے، اور قصداً تکرار اور غیر مفید طوالت سے احتراز کیا گیا ہے۔

۲۔ وہ تحریریں جن کو ''خیر الانبیاء'' کے پہلے ٹکڑے کی رد میں لکھا ہے۔ ان کا جواب ذرا تفصیل سے دیا گیا ہے، اور ہر ضروری آیت و حدیث پر مفید بحث کی گئی۔ اس بحث کو ''حاضر ناظر اور فاضل رحمانی'' اور اس کے بعد عنوانوں میں دیکھا جائے۔

۳۔ وہ واقعات اور حوادث جن کو علم غیب کے معارضے کے طور پر پیش کیا گیا ہے ان سب میں تفصیل کو چھوڑ کر صرف ایک مضبوط جواب پر اکتفا کیا گیا ہے۔

۴۔ وہ آیتیں جن سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ ان کے مقابلہ میں وہ آیتیں لکھی گئی ہیں جن سے علم غیب کا ثبوت ہوتا ہے، اور ان آیتوں میں باہم تطبیق دی گئی ہے۔

۵۔ ان کے علاوہ وہ متفرق باتیں جن کا تعلق مسئلہ حاضر و ناظر سے کسی نہ کسی

طرح بھی ہو حتی الامکان ان سے بھی عہد برا ہونے کی کوشش کی گئی ہے، کہیں حاشیہ میں اور کہیں خود متن میں اس قسم کی مفید بحثوں کو شامل کر دیا گیا ہے۔

اور یہ سب اس لیے کیا گیا ہے کہ حسب ذیل سوالوں پر روشنی پڑ جائے۔

حاضر و ناظر کے معنی کیا ہیں؟ اس کا ثبوت غیر خدا کے لیے ممکن ہے یا نہیں؟ علم غیب کی صحیح تعریف کیا ہے؟ اور اس کا ثبوت بھی غیر خدا کے لیے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

اسی لیے ہم نے تمام دیگر فروعی مسائل کو مثلاً قیام، میلاد، عرس وغیرہ جن سے تردید حاضر و ناظر میں تعرض کیا گیا ہے قصداً چھوڑ دیا ہے کہ خواہ مخواہ بحث طویل نہ ہو جائے۔ اگر وقت نے مساعدت کی تو پھر کبھی۔

فاضل رحمانی کی ناشائستہ حرکتیں: فاضل رحمانی نے جہاں اور تمام مذبوحی حرکتیں کی ہیں وہاں مولوی عتیق الرحمن صاحب پر کیچڑ اچھالنے سے بھی باز نہیں آئے ہیں، اور ان کے دامن فضل و کمال پر دھبا لگانے کی مکروہ کوشش کی ہے۔ چنانچہ متعدد خود ساختہ غلطیاں ان کی ذات کی طرف منسوب کی ہیں۔ اور اپنے وفور علم کی بڑی ڈینگ ماری ہے، لیکن ان کی کتاب دیکھنے کے بعد یہ خیال ہوتا ہے کہ۔

اتنی نہ بڑھا پاکئ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

اور یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ [1] ''اکرہرا'' کی شکست کے بعد آپ ہر

[1] اکرہرا ضلع بستی مولانا عتیق الرحمن صاحب کا وطن مالوف ہے جہاں کسی تقریب میں مولوی عبد الرؤف سے مولانا کی بالمشافہ گفتگو اسی موضوع پر ہوئی اور مولوی عبدالرؤف صاحب بند ہو گئے پھر گھر جا کر یہ سلسلہ تحریر شروع کیا۔

ممکن طریقہ سے اپنی خفت دور کر رہے ہیں، لیکن دنیا آپ کو خوب جانتی ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

ورنہ جو شخص ''فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا'' پورے جملہ کو مستثنیٰ منہ بتائے وہ ہم پر نحوی غلطی کا الزام دھرے جو خود دائمہ اور وقتیہ کو سمجھ نہ سکے وہ ہمیں منطقی غلطی کا مرتکب بتائے۔ جو ہمارے معارضے کو بھی نہ سمجھ سکے وہ ہمارے ''معانی وکلام'' کی غلطی نکالے۔ جو ایک ہی صفحہ میں کئی کئی متعارض باتیں کہے وہ ہم کو تعارض کا مجرم بتائے۔ جو عبارتوں کے نقل کرنے میں خیانت مجرمانہ سے کام لے وہ ہم کو خائن کہے۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ۔

سورج میں لگے دھبا قدرت کے کرشمے ہیں
بت ہم کو کہیں کافر اللہ کی مرضی ہے

آپ بڑی مسکینیت سے کہتے ہیں، ہم کو بڑی گالی دی گئی ہے، ہم اس کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ اور اس وقت اتنے بھولے بن گئے ہیں کہ بے اختیار آپ کے ''نقشیں مرادآبادی'' چہرے پر قربان ہونے کو جی چاہتا ہے۔

دل میں یہ آ رہا ہے کہ کہہ دوں یہ ان سے میں
ان نقشہائے ناز کے قربان جایئے

ہم کو معصوم ہونے کا دعوٰے نہیں ہے، کہیں کہیں ہمارا انداز بیان ضرور سخت ہو گیا ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ایسا وقت اب نہیں ہے کہ لوگ آپ کی شوخیوں کو دعا سمجھیں اور ہم کو یہ کہنا پڑے۔

تم مجھے ہاتھ اٹھا کر جو ادا سے کوسو
دیکھنے والے یہ سمجھیں کہ دعا دیتے ہیں

آج تو دنیا یہ سمجھ رہی ہے کہ آپ ہم سے زیادہ سخت کلام ہیں۔اس لیے یہ جامہ تقدس تو رہنے دیجئے۔عارف شیرازی فرماتے ہیں۔

دلقت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع
خود راز عملہائے نکو ہیدہ بری دار

اگر آپ کو اتنا ہی خیال تھا تو کتاب لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔آپ کو معلوم نہیں۔

سنبھل کر میکدے میں پاؤں رکھنا مولوی صاحب
یہاں پگڑی اچھلتی ہے اسے میخانہ کہتے ہیں

پھلجھڑی: مولوی عتیق الرحمٰن صاحب سے فاضل رحمانی کو یہ شکوہ ہے کہ وہ اردو بہت غلط لکھتے ہیں، بحمد اللہ فاضل رحمانی سے تو اچھی ہی اردو لکھ لیتے ہیں تاہم ہم کو اہل زبان ہونے کا دعوے نہیں۔البتہ یہ جھنڈے نگر کے موتی رولنے والے شاہد طناز جو خاص دہلی اور لکھنؤ سے ڈھل کر چلے آرہے ہیں۔ان کی گل افشانیاں ملاحظہ ہوں۔

''نماز جنازہ آپ کا کیوں ادا کیا گیا۔سب چیز کشف ہوگیا۔توجیہ آپ نے ہضم فرمالیا''

مذکر و مؤنث میں تمیز نہیں۔اور کیوں نہ ہو اس میں تو آپ ہمیشہ سے ماہر ہیں (فیہ ما فیہ) محاورہ ملاحظہ ہو۔

''عوام بھیڑیا کا چال۔واحد و جمع ملاحظہ ہو، دو احتمال لکھا ہے۔لفظ ''میں'' کا کیا برمحل استعمال ہے۔اس سوال میں کسی طرح مفہوم نہیں۔کتنا صحیح جملہ ہے؟ مدرسہ کا نظام چشم دیدہ دیکھ کر۔ایک فارسی لفظ کی تعریب ملاحظہ ہو ''دومما'' ایک اور پرلطف جملہ ہے۔ایسی گندی جگہ شیاطین اور ارواح خبیثہ کی حاضری کے ہیں۔

مختصر یہ کہ جہالت و نادانی کے ہر میدان میں آپ سب سے آگے ملیں گے۔لیکن دعوے کا یہ عالم ہے کہ ثریا سے نیچے نہیں اترتے ہیں۔حد ہوگئی ہے خوش فہمی کی کہ اغلاط کتابت کو بھی ہمارے ہی سر تھوپتے ہیں۔سچ کہا ہے کسی نے۔

آن کس کہ نداند و بداند کہ بداند
درجہل مرکب ابد الدھر بماند

اسی سے ناظرین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب فاضل رحمانی ایسے ہیں تو ان کی کتاب کیسی ہوگی۔

اپنی باتیں: یہ کتاب اب سے تقریبا سات سال قبل جب میں تلشی پور میں تھا لکھی گئی تھی۔خود میں اس کے مصارف اشاعت برداشت نہیں کرسکتا تھا اور محرک نے تحریک تک ہی اپنا فریضہ محسوس کیا اس لیے میں بھی اس کی اشاعت کے خیال سے فارغ ہی ہو چکا تھا، لیکن میرے عزیز مولوی محمد حنیف بستوی نے اس کو پڑھا پسند کیا اور مکتبہ لطیفیہ کے ارباب بست وکشاد سے تحریک کی اس طرح یہ کتاب منصۂ شہود پر آرہی مجھے نظر ثانی کا کما حقہ موقع نہ ملا ورنہ لہجہ کی تلخی کو حتی الامکان کم کرتا۔فقط

عبدالمنان اعظمی دارالعلوم اشرفیہ
مبارک پور، اعظم گڑھ

باب فضائل کے چند اہم اصول

سب سے پہلے یہ جان لینا ضروری ہے کہ ''مسئلہ حاضر و ناظر'' علم غیب، یا جسد اطہر کے سایہ ہونے، نہ ہونے کی بحث یا اس قسم کے اور دیگر مسائل ان کا تعلق عقیدے سے بایں معنی ہرگز نہیں کہ جس طرح حضور کی رسالت کا اقرار ضروری ہے اسی طرح ان کا بھی اقرار فرض ہے، بلکہ ان کا تعلق فضائل نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کے بارے میں اہل سنت و جماعت کثرہم اللہ تعالیٰ کے جو بنیادی اصول ہیں انھیں اجمالاً عرض کردیں، کہ مسئلہ حاضر و ناظر کی ساری بحث جو فاضل رحمانی کی کرتوت سے بے اصولی اور انتشار کی نذر ہوگئی ہے۔ ایک منظم شکل میں سامنے آجائے۔ اصول یہ ہیں۔

۱۔ جس طرح تمام عبادات و اعمال میں جو دلیل قطعی سے ثابت ہو اس کا ماننا فرض ہے، اور اگر یہ ثبوت ضروری دینی ہو تو اس کا منکر کافر ہے۔ جیسے نماز، روزہ اور جو دلیل ظنی سے ثابت ہے۔ اس کے ماننے والے کافر و مشرک ہونا تو بڑی بات ہے وہ پکا مسلمان ہے۔ اور اس کو مشرک یا گمراہ کہنے والا خود بددین ہے، جیسے نفل نماز، نفل روزے۔ اسی طرح تمام فضائل متعلقہ نبوت میں بھی جو دلیل قطعی سے ثابت ہو۔ جیسے ''اسریٰ'' اس کا منکر کافر (اور یہی عقیدہ بھی ہے) اور جو دلیل ظنی سے ثابت ہے۔ جیسے مشک سے زیادہ خوشبودار پسینہ ہونا۔ اس کا ماننے والا پکا مسلمان اور اس کے ایمان میں شک کرنے والا خود گمراہ۔

۲۔ قرآن عظیم ذی وجوہ کثیرہ ہے۔ اور ہر وجہ کی بنا پر محتج بہ ہے۔ تاوقتیکہ وہ وجوہ باہم متضاد نہ ہوں۔ اگر کسی وجہ سے کوئی استدلال کرے تو صرف یہ کہہ کر نہیں ٹالا جا سکتا کہ اس آیت میں دیگر احتمالات بھی ہیں۔ اور اذا جاء الاحتمال بطل الا

ستدلال۔ زیادہ سے زیادہ یہ استدلال ظنی ہوگا۔ جو باب فضائل میں مقبول ہے۔

۳۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہر ہر وصف جمیل میں سارے عالم میں بے مثال ہیں۔ اس لیے ان کے فضائل کی جانچ کا معیار بھی عام انسانوں سے بلند ہوگا۔

۴۔ وہ معیار یہ ہے کہ آپ کی کسی فضیلت سے بحث کرتے وقت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ فضیلت عام عقول کے خلاف ہے۔ اس لیے غلط ہے۔ بلکہ صرف یہ دیکھا جائے گا کہ عقل کامل کے نزدیک ایسا ممکن ہے یا نہیں۔

تشریح: مذکورہ بالا چاروں اصول گو بجائے خود بہت واضح اور مسلم ہیں جن کا انکار کوئی صاحب عقل سلیم نہیں کرسکتا۔ لیکن مزید وضاحت کے لیے ہم ضروری تشریح مناسب سمجھتے ہیں۔

فضائل کی قطعیت اور ظنیت: فضائل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دو قسمیں جنھیں ہم نے نمبر اول کے ضمن میں بیان کیا ہے۔ ان کا ثبوت اسلام کی پوری تاریخ سے ہوتا ہے۔ خود واقعہ معراج ہی میں یہ تقسیم بڑی وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ علامہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔

اسریٰ کہ برون آنحضرت است از مکہ تا مسجد اقصےٰ ثابت است بکتاب اللہ کہ منکر آں کافر ست۔ واز آنجا بآسمان برون کہ معراج است از احادیث مشہورہ، کہ منکر آں مبتدع و فاسق و مخذول است و ثبوت دیگر از جزئیات عجائب و غرائب احوال باخبار است کہ منکر آں جاہل و محروم است۔ (مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۱۷۵)۔

اسراء کہ حضور کو مکہ سے بیت المقدس تک لے جانے کا نام ہے، قرآن سے

ثابت ہے، اس کا منکر کافر ہے، اور وہاں سے آسمان پر جانا جس کو معراج کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت مشہور حدیثوں سے ہے اس کا منکر بدعتی فاسق ورسوا ہے۔ اور دیگر جزئیات اور عجیب وغریب حالات کا ثبوت ایسی خبروں سے ہے کہ ان کا منکر جاہل ومحروم ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی واقعہ معراج میں جو حضور کے فضائل میں بڑے بلند مرتبے پر ہے۔ کچھ کا منکر کافر کیونکہ اس کا ثبوت نص قرآنی اور دلیل قطعی سے ہے۔ اور کچھ کا ثبوت چونکہ اتنا قطعی نہیں ہے، اس لیے اس کا منکر محروم اور جاہل وغیرہ ہے کافر نہیں۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ چونکہ اقرار معراج باب عقائد سے ہے اس لیے اس کا ثبوت دلیل ظنی یا اخبار احاد سے نہیں ہوسکتا۔ اور معراج کے دیگر جزئیات کو ماننا کفر ہے۔ اگر کوئی پیدا ہوا تو فاضل رحمانی جن کو عقائد و فضائل میں تمیز نہیں۔ اور اس جہالت پر آپ کو فخر بھی ہے گویا آپ کی زبان حال کہہ رہی ہے۔

کودا تیری مجلس میں کوئی دھم سے نہ ہو گا
جو کام ہوا ہم سے وہ رستم سے نہ ہو گا

اسی طرح مسئلہ حاضر وناظر بھی جو فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ایک فضیلت ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے دلیل ظنی کافی ہے۔ دلیل قطعی کی قطعاً ضرورت نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جو چیز دلیل قطعی سے ثابت ہے، اگر اعمال سے ہے تو فرض بن جاتی ہے، اور اقراریات سے ہے تو ایسا عقیدہ بن جاتا ہے جس کا انکار کفر ہے۔ یہ نہیں کہ پہلے فرض مانو۔ پھر دلیل تلاش کرو۔ یا پہلے عقیدہ تسلیم کرلو پھر حجت ڈھونڈو۔ ہمارے ''فاضل رحمانی'' مسئلہ حاضر وناظر کو باب عقائد سے مانتے اور دھڑا دھڑ دلیل قطعی کے طالب ہیں۔ جیسا کہ ان کی اس

حرکت سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کی ہر آیت میں احتمال نکال کر کہتے ہیں کہ استدلال ختم ہوگیا۔ ہمارا یہ ہرگز دعویٰ نہیں کہ ''مسئلہ حاضر وناظر'' باب عقائد سے ہے ومن ادعی فعلیہ البیان اگر فاضل رحمانی کو دعویٰ ہے تو دلیل لائیں۔ تعجب ہے کہ جو علم سے اتنا کورا ہو کہ فضائل وعقائد کو ٹھیک ٹھیک نہ سمجھ سکے وہ اپنے دماغ کو منطق اسلامی کا مخزن بتائے، علمی مسائل پر قلم اٹھائے۔ افسوس

ہر بو الہوس نے حسن پرستی شعار کی
اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

قرآن کی مختلف وجہیں اور ان سے استدلال: اس امر کی شہادت کہ قرآن عظیم کی ایک ایک آیت میں مختلف معانی ہیں اور ہر ایک سے استدلال جائز ہے۔ پوری تاریخ اسلام دیتی ہے۔ اور خود مخبر صادق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کریمہ سے بھی قرآن کے کثرت معانی کا ثبوت ہوتا ہے ابونعیم وغیرہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

القرآن ذو وجوه كثيرة فاحملوه على احسن وجوهه۔

قرآن عظیم بہت وجھوں والا ہے۔ تو سب سے ٹھیک وجہ پر اسے حمل کرو۔

فریابی نے حسن رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔

لكل اية ظهر و بطن و لكل حرف حد و مطلع.

ہر آیت کے ظاہری معنی ہیں اور باطنی اور ہر حرف کے لیے حد و مطلع ہیں۔

عن ابی الدرداء انه قال لا يفقة الرجل كل الفقه حتى يجعل للقرآن وجوها.

حضرت ابو درداء فرماتے ہیں آدمی اس وقت تک فقیہ کامل نہیں ہوتا جب تک اس کو قرآن کی کثیر وجوہ پر عبور حاصل نہ ہو جائے۔

وقال بعض العلماء لكل اية ستون الف فهم.
بعض عالموں کا قول ہے ہر آیت کے ساٹھ ہزار معانی ہیں۔

وقال علی رضی الله عنه لوشئت لا وقرت من القران اربعين بعيرا.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر میں چاہوں تو قرآن کی تفسیر سے چالیس اونٹوں کو لاد دوں۔

القران ذو وجوه وهو حجة بكل وجهة مالم تتنافا.
قرآن کی کثیر وجہیں ہیں اور جب تک وہ باہم منافی نہ ہوں سب سے استدلال جائز ہے۔

یونہی ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الأخرة حسنة کی تین سو تفسیریں کی گئی ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آیات قرآنی میں وجوہ کثیرہ اور معانی وافرہ ہیں۔

جمیع العلم فی القران لکن   تقاصر عنه افهام الرجال

اور یہ امر کہ ہر وجہ محتج بہ ہے اس کی تصریح علامہ زرقانی شارح مواہب لدنیہ نے اپنی کتاب زرقانی میں کی، اور عملاً تو ساری امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے چنانچہ علمائے امت کے باہمی اختلاف اور ایک آیت سے متعدد استدلال اس کی واضح نشانی ہیں۔ چنانچہ قرآن کی آیت ثلاثة قروء سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ طہر مراد لیتے ہیں اور کروڑوں مسلمان اس پر عمل کرتے ہوئے عورت کی عدت طہر قرار دیتے ہیں۔ دوسری طرف حنفیہ حیض مراد لے کر عدت حیض قرار دیتے ہیں۔ اور اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ اگر آیت کے یہ دونوں احتمال قابل استدلال نہ ہوتے، تو سرے سے حنفیہ اور شافعیہ کا یہ استدلال ہی باطل ہو جاتا۔

اور آج غیر مقلدین بھی کسی آیت اور حدیث سے کوئی استدلال قائم نہیں کر سکتے، کیونکہ ہر آیت وحدیث کے علماء نے مختلف معانی اور احتمالات بیان کیے ہیں۔ مثلاً مذکورہ بالا آیت سے ہی غیر مقلدین اپنا مسلک خواہ وہ کچھ ہی کیوں نہ ہو ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ ان کے مدعا کے خلاف احتمالات اس آیت میں موجود ہیں۔

رفع شک: یہیں سے فاضل رحمانی کی ان تمام مذبوحی حرکتوں کا رد بھی ہو گیا جو انھوں نے حاضر و ناظر کی بحث میں اس حیثیت سے کی ہیں کہ ہر دلیل کے مقابلہ میں کوئی نہ کوئی احتمال نکال دیا ہے۔ اور یہ لکھ دیا ہے کہ چونکہ اس آیت یا حدیث کے صرف وہی معنی نہیں ہیں جو مثبت نے تحریر کئے ہیں بلکہ دیگر احتمالات بھی ہیں۔ اس لیے یہ دلیل ہم کو کچھ بھی مضر نہیں۔ مثلاً وہ شاھدا کے معنی کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اگر شاہد کے معنی حاضر و ناظر کے ہوں جب بھی ہم کو مضر نہیں۔ کیونکہ شاہد کے اور بھی معنی آئے ہیں جیسے دن کو مشہود اور امتیوں کو شاہد وغیرہ کہا گیا ہے۔ اس لیے حاضر و ناظر کے احتمال کے ساتھ ہی ان دیگر معانی کا بھی احتمال ہے۔ اور اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

لیکن جب یہ بات ثابت ہو چکی اگر چند احتمال قرآن مجید کی کسی آیت میں ہوں تو ہر ایک سے استدلال کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ اس میں تعارض نہ ہو، پھر معنی حاضر ناظر کے بنا پر اہل سنت اگر حضور کو حاضر ناظر مانتے ہیں تو صرف دیگر احتمال کی وجہ سے اس کا انکار کیونکر ممکن ہے؟ جیسا کہ فاضل رحمانی نے جگہ جگہ اس پھوس کی ٹٹی سے آڑ لی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ استدلال ظنی ہوگا۔ لیکن ہم یہ کب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر ماننا فرض ہے یہ ایمان کا تقاضا ہے کہ جس کو اس کا جتنا حصہ ملتا ہے حضور سے اس کی محبت اتنی ہی شدید ہوتی ہے۔

دہد حق عشق احمد بندگان چیدہ خود را
بخاصاں شاہ می بخشد ے نوشیدہ خود را

اسی طرح علم الانسان کی بھی مختلف تفسیریں نقل کر کے فاضل رحمانی نے خواہ مخواہ یہ کوشش کی ہے کہ چونکہ علم کے کئی معنی ہیں اور انسان سے بھی مفسرین نے ایک سے زیادہ مراد لی ہے۔ اس لیے علم الانسان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علمی پر سند لانا درست نہیں۔ اس کا دوٹوک جواب تو یہی ہے کہ قرآن ہر احتمال کی بنا پر قابل احتجاج واستدلال ہے۔ اس لیے کسی احتمال کی بنا پر اگر کوئی شخص حضور کی وسعت علمی کا قائل ہو تو اس کو مشرک وکافر بنانے سے پہلے اس مفسر کو کافر ومشرک قرار دیجئے جس نے یہ تفسیر کی ہے۔

(۱) فاضل رحمانی نے آیت ''وعلم الانسان مالم یعلم'' کی کئی تفسیریں لکھی ہیں کسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ اور بیان سے مراد ماکان و یکون ہے تو کسی میں انسان سے مراد حضرت آدم اور بیان سے مراد اسما کل شی۔ اور کسی میں انسان سے مراد جنس انسان اور بیان سے مراد منطق فصیح، لیکن پہلی تفسیر کو کمزور ثابت کرنے کے لیے عجب عجب حرکتیں کی ہیں کہتے ہیں کہ چونکہ پہلی تفسیر کو مفسروں نے لفظ قیل سے بیان کیا ہے لہذا ضعیف۔ تمام احتمالات کے اخیر میں لکھا ہے لہذا ضعیف۔ اس کو بطریق احتمال بیان کیا ہے۔ مستند مفسروں نے اس کو بیان نہیں کیا ہے، لہذا ضعیف۔ اور یہ تمام مذبوحی حرکتیں اس لیے کی گئی ہیں کہ پہلی تفسیر کو مولانا عتیق الرحمن صاحب نے نقل کیا۔ لیکن خود ہی بری طرح بے ایمانی کے جال میں پھنس گئے ہیں۔ کیونکہ اگر لفظ قیل وجہ ضعف ہے تو وہ تفسیر جس کو آپ نے بڑے طمطراق سے صحیح کہہ کر پیش کیا ہے اس کو بھی صاحب خازن نے لفظ قیل سے بیان کیا ہے۔ اس لیے وہ بھی مرجوح ہوئی۔ لیکن شاید آپ نے خازن دیکھتے وقت بے ایمانی کی عینک لگالی تھی۔ اس لیے آپ کو نظر نہ آیا۔ اگر اخیر میں بیان کرنا وجہ ضعف ہے تو علامہ رازی نے تفسیر کبیر میں حضرت آدم والے قول کو تمام تفسیروں کے اخیر میں لکھا ہے۔ جس کو آپ معتبر کہہ چکے ہیں۔ پھر کہیے آپ سچے؟ آپ کا قاعدہ سچا؟ یا امام رازی؟ اور اگر علماء تفسیر کا اس احتمال کو ذکر نہ کرنا وجہ ضعف ہے۔ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر میں صرف حضرت آدم والا قول نقل کیا ہے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

یونہی فاضل رحمانی نے آیت ''یوم یجمع اللہ الرسل'' کے تحت لکھا تھا کہ اگر حضور حاضر و ناظر ہیں اور اعمال امت جانتے ہیں۔ تو جب قیامت میں سب رسولوں کو جمع کر کے خدا پوچھے گا تو لا علم لنا (ہمیں کوئی علم نہیں) کیوں فرمائیں گے۔ مولوی عتیق الرحمٰن صاحب نے رسالہ ''خیر الانبیاء'' میں مدارک کے حوالہ سے ایک تفسیر نقل کی۔

قالوا ذلک تادبا ای علمنا ساقط مع علمک فکانه لا علم لنا.

انبیاء یہ جواب ادباً دیں گے کہ ہمارا علم تو تیرے علم کے مقابلہ میں ہیچ ہے گویا ہم کو کوئی علم نہیں۔

فاضل رحمانی نے یہاں بھی کئی تفسیریں نقل کی ہیں۔ لیکن جب یہ اصول طے ہو گیا کہ قرآن ہر وجہ کی بنا پر محتج بہ ہے۔ تو اس کا ہمارے مدعی پر اثر نہیں پڑتا۔ البتہ ہمارا استدلال کثرت احتمال کی بنا پر ظنی ہوگا۔ یعنی اس کا انکار کفر نہیں۔

یہاں بھی فاضل رحمانی نے انتہائی بے وقوفی سے راجح مرجوح کی بحث پیدا کی ہے کہ مدارک میں اس کو تمام تفسیروں کے اخیر میں لکھا ہے۔ اول واخیر کی بحث ایک ایسی نکتہ آفرینی ہے۔ جو جھنڈے نگر کے مدرسہ میں تو کارآمد ہو سکتی ہے اور جگہ نہیں۔

فضیلت سید المرسلین: جب سے دنیا عالم وجود میں آئی ایسی کوئی نظیر

(بقیہ) بقیہ کو چھوڑ دیا ہے۔ بیضاوی انسان مطلق والی تفسیر ہے اور بقیہ کو چھوڑ دیا ہے امام بغوی۔ خازن، مدارک، تفسیر کبیر، اور حسینی، سواطع الالہام میں تینوں اقوال منقول ہیں۔ آپ کے بیان کردہ اصول پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر حضرت آدم والے قول کے علاوہ سب ضعیف۔ بیضاوی کی تفسیر پر انسان مطلق قوی اور بقیہ دونوں ضعیف، اور بقیہ تفاسیر پر سب قوی، کیا گورکھ دھندا ہے بندہ پرور۔ سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجاست ۱۲ منہ

علاوہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نہیں کی جاسکتی کہ کوئی شخص دنیا میں آنے سے پہلے بھی احساس وادراک کی اس بلندی پر ہو جس کا دسواں حصہ بھی دوسروں کو دنیا میں آنے کے بعد نہ ملے۔ اور دنیا میں آنے کے بعد بھی بہت سے انسانی خواص اور لوازم سے پاک وصاف ہو۔ اور جب دنیا سے تشریف لے جائے جب بھی اس شان بے مثالی کے ساتھ کہ ماضی و مستقبل کوئی بھی اس کا حریف نہ بن سکے۔ لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات میں یہ تمام محامد بیک وقت جمع ہیں۔

رسول عربی دنیا میں آنے سے پہلے: امام احمد، بیہقی، ابونعیم، ترمذی نے روایت کی اور حاکم نے صحیح کہا۔ لفظ ترمذی کے ہیں۔

قالوا یارسول اللہ ﷺ متیٰ وجبت لک النبوۃ قال و ادم بین الروح والجسد۔

صحابہ نے عرض کیا سرکار آپ کو منصب نبوت کب دیا گیا آپ نے فرمایا اس وقت جب کہ حضور آدم علیہ السلام پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔

امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں کہ حضور اپنی نبوت اس وقت بیان کرتے ہیں جب حضرت آدم علیہ السلام کا وجود بھی نہ تھا۔ آدم علیہ السلام سے پہلے نبی ہونے کے اگر صرف یہ معنی ہوں کہ اس وقت علم الٰہی میں آپ کی نبوت طے تھی، کہ آئندہ چل کر آپ نبی ہوں گے تو اس میں حضور کی کون سی مدح نکلتی ہے اور اس تخصیص کے کیا معنی کہ آدم کا پتلا جب بن رہا تھا اس وقت بھی میں نبی تھا۔ علم الٰہی میں تو ہر ہر نبی کی نبوت ازل سے طے شدہ ہے۔ اسی لیے یہ ضروری ہے کہ حدیث کے معنی یہ ہوں کہ حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کا منصب جلیلہ اسی وقت سپرد کر دیا گیا تھا۔ اور آپ اسی وقت سے اس مرتبہ پر فائز تھے۔ البتہ مادی دنیا میں اس کا

ظہور چالیس سال کی عمر میں ہوا۔

آپ کا وجود گرامی دنیا میں: نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی دار انس فجائت امہ بقارورۃ تجمع فیہ عرقہ فسألها النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذلک فقالت نجعلہ فی طیبنا یارسول اللہ وھو اطیب الطیب۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر سو گئے۔ حضرت انس کی ماں ایک شیشی لائیں اور اس میں پسینہ جمع کرنے لگیں۔ حضور نے پوچھا کیا کر رہی ہو۔ عرض کی ہم اسے اپنے عطر میں ملائیں گے اور یہ تو ہماری بہترین خوشبو ہے۔

اخرج حکیم الترمذی عن ذکوان ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یکن لہ ظل لا فی الشمس ولا فی القمر۔

حکیم ترمذی حضرت ذکوان سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تو چاندنی میں نظر آتا تھا نہ دھوپ میں۔

سیدنا عبد اللہ بن مبارک، حافظ علامہ محدث ابن جوزی رحمہم اللہ تعالیٰ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

لم یکن لرسول اللہ ظل و کذا فی المدارک عن عثمان.

حضور کے سایہ نہ تھا۔ ایسی ہی مدارک میں حضرت عثمان سے مروی ہے۔

پردہ فرمانے کے بعد: ابوداؤد، ابن ماجہ نے روایت کی اوس ابن اوس رضی اللہ عنہ سے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من افضل ایامکم یوم الجمعۃ فاکثر و اعلی من الصلوٰۃ فیہ فان صلوٰتکم معروضۃ علی

قالوا یارسول اللّٰہ کیف تعرض صلوا تنا علیک و قدارمت قال یقولون بلیت قال ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔

رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمھارا بہترین دن جمعہ ہے۔اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجو۔ کہ تمھارا درود سلام میری خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔لوگوں نے عرض کی حضور ایسا کیسے ہوسکتا ہے آپ تو ریزہ ریزہ ہو چکے ہوں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدائے حی و قیوم نے انبیاء کے جسم کو زمین پر حرام فرمادیا ہے۔

ابن ماجہ کی روایت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے۔

ان اللّٰہ حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء فنبی اللّٰہ حی یرزق.

اللہ نے انبیاء کا جسم زمین پر حرام فرمادیا ہے پس اللہ کے نبی زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے۔

بزاز اور ابن عدی نے روایت کی اور بیہقی نے صحیح کہا۔

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون.

انبیاء کرام زندہ ہیں اپنی اپنی قبروں کے اندر نماز پڑھتے ہیں۔

پھر دوسری روایت ہے۔

ان الانبیاء لایترکون فی قبورھم بعد اربعین لیلة لکن یصلون بین یدی اللّٰہ حتی ینفخ فی الصور.

انبیاء اپنی قبروں میں چالیس دن کے بعد نہیں چھوڑے جاتے۔مگر یہ کہ اپنے رب کے حضور تا قیامت نماز پڑھیں۔

تنویر: مذکورہ بالا احادیث میں ابن ماجہ کی روایت فنبی اللّٰہ حی یرزق

اور بیہقی کی روایت الانبیاء احیاء فی قبورھم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر عبارت النص ہے اور ابو داؤد کی روایت جس کے شواہد بکثرت موجود ہیں۔حیات نبوی پر التزاماً دلالت کرتی ہے۔کیونکہ حضور نے درود بھیجنے کو کہا۔اس پر صحابہ کے فہم میں یہ بات نہ آئی کہ حضور وفات کے بعد کیسے سلام قبول فرمائیں گے۔حالانکہ آپ کا جسد اطہر ریزہ ریزہ ہوگیا ہوگا اور روح خدا معلوم کہاں ہو گی۔اس پر ارشاد ہوا کہ تم عام لوگوں کی طرح ہماری موت نہ سمجھو۔روح تو خیر سب کی محفوظ رہتی ہے، ہمارا جسم بھی زمین کی دستبرد سے محفوظ ہے۔ہم کو پردہ فرمانے کے بعد ایسا ہی سمجھو جیسا اس حیات میں۔

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے　　مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی حیات　　مثل سابق وہی جسمانی ہے

چوتھی حدیث جس میں یہ بیان کیا گیا کہ انبیاء اپنے مزارات مقدسہ میں چالیس دن کے بعد نہیں رہتے، اور اپنے رب کے حضور نماز پڑھتے ہیں۔قبر میں نہ رہنے کے یہ معنی سمجھنا کہ آپ مردہ ہیں۔معاذ اللہ وہی خیال کرے گا جو سڑی اور پاگل ہو۔اور جس کا دماغ اس حد تک چل گیا ہو کہ سیدھی بات سمجھ میں آ ہی نہ سکے، ورنہ اس حدیث سے انبیاء علیہم السلام کی موت کسی طرح ثابت نہیں ہوتی۔[۱]

[۱] یہاں فاضل رحمانی نے حتی الامکان حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مردہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کی ہے،اور حیات انبیاء پر پردہ ڈال کر نصوص کے مقابلہ میں بیہقی کی وہ حدیث (جس پر خود بیہقی نے تنقید کی اور بر تقدیر صحت تاویل کی) پیش کی ہے۔اور لکھ دیا ہے اذا تعارضا تساقطا اور اس ناقد البصر والبصیرۃ کو خود اپنی مستند کتاب نور الانوار کا یہ قاعدہ نظر نہ پڑا کہ المعارضة تقابل الحجتین علی السواء لا مزیة لا حدھما تعارض دو دلیلوں کا ایسا مقابلہ ہے،جس میں کسی کو کسی پر کوئی فضیلت نہ ہو،اور یہاں صاف جرح موجود ہے،فیه شئی من سوء الحفظ،

تاہم یہ بات بھی کہ انبیاء اپنے مراقد میں جلوہ فرمانہ ہوں تصریحات اسلام کے بالکل

ان کا حافظہ کس قدر کمزور ہے، حیرت ہے کہ لا یترکون فی قبور کو حیاء فی قبورھم کے معارض قرار دے رہا ہے۔ حالانکہ عدم ترک عدم حیات کو قطعاً مستلزم نہیں پھر لطف یہ ہے کہ حدیث لایترکون فی قبورھم خود ہمارے مخالف کے عقیدے پر صحیح نہیں (ملاحظہ ہو تردید حاضر ناظر ص ۴۴) اس کے خلاف ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روضہ اطہر میں پوری راحت، ابدی مسرت بے انتہا سرور کے ساتھ سب سے بڑے درجہ پر سب سے زیادہ قرب خدا میں آرام فرما ہیں۔ ص ۲۷، پر ہے۔ اور مزار شریف میں آپ کا رونق افروز رہنا ہی عقلاً نقلاً درست ہے۔ باوجود یہ عقیدہ رکھنے کے بڑی جی داری کے ساتھ اس کو احیاء فی قبورھم کے معارضے میں پیش کر رہے ہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ ان گم کردگان راہ کے پاس سوائے حضور کی عداوت کے مذہب کا کوئی واضح تصور نہیں۔ جہاں یہ ثابت کرنا تھا کہ حضور کہیں بھی تشریف نہیں لے جاسکے وہاں یہ عقیدہ بتا دیا کہ اپنی قبر ہی میں رہتے ہیں۔ اور جہاں حیات انبیاء کا انکار مقصود تھا وہاں ایک ضعیف حدیث کا مطلب یہ گڑھ لیا کہ زندہ رہنا تو بڑی بات ہے آپ قبر میں بھی نہیں رہتے اور حدیث کے نقل کرنے میں یہ خیانت برتی کہ پوری حدیث بھی نقل نہ کی بلکہ صرف ان الانبیاء لایترکون فی قبورھم بعد اربعین لیلۃ تک ہی نقل کیا۔

بات اک اور سینکڑوں اس کے جواب
ہم سے کچھ غیروں سے کچھ درباں سے کچھ

اس کے بعد علماء نے حیات شہداء سے جو استشہاد کیا ہے اس پر فرماتے ہیں کہ عالم برزخ کا معاملہ قیاسی نہیں کہ حضور کی حیات شہدا کی حیات پر قیاس کر کے ثابت کی جائے۔ حضور کے لیے تو تصریح کے ساتھ انک میت وارد ہوا ہے، اور شہدا کے لیے بل احیاء عند ربھم یرزقون یونہی آپ کے نائب کا مقرر کیا جانا، آپ کی قبر موجود ہونا۔ آپ کی موت پر دلیل ہے۔

خلاف ہے اس لیے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ اس پر تنقید کرتے ہیں اور فرماتے ہیں۔

اس اندھی اور مجنونانہ بڑ کا بہت ہی معقول جواب مولانا عتیق الرحمان صاحب دے چکے ہیں، کہ اگر یہ امور حضور کی موت پر دلیل ہیں تو کیا شہداء کی قبر نہیں بنائی گئی۔ غزوۂ موتہ میں حضور کے مقرر کردہ قائدوں کے بعد حضرت خالد ان کی جگہ مقرر کیے گئے۔ اور پھر کیا خیال ہے آپ کا اس بارے میں کہ حضور نے خود اپنی حیات پاک میں بارہا متعدد صحابہ کرام کو اپنا جانشین بنایا۔ کیا معاذ اللہ اتنی دیر کے لیے حضور مر گئے تھے۔ اگر یہ معارضہ معقول تھا تو صاف اقرار کرنا چاہیے تھا۔ لیکن فاضل رحمانی اس کو بالکل ہضم کر گئے اور نہ منہ سے پھوٹتے ہیں۔ نہ سر سے کھیلتے ہیں۔

کیوں نہیں بولتے سحر کے طیور
کیا شفق نے کھلا دیا سیندور

عداوت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حد ہوگئی۔ جب حیات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے، تو اس شپرہ چشم کو انک میت سوجھتا ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت کا قاعدہ کلیہ یاد آتا ہے۔ لیکن حیات شہداء کے وقت انھم میتون نہیں سوجھتا، یاد کیا ہوا قاعدہ کلیہ بھول جاتا ہے۔ تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مردہ ثابت کیا جاسکے ورنہ ان آیتوں سے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مردہ ثابت کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح شہدا کو (خاک بدہن گستاخ)

رہ گئی آیت بل احیاء تو آپ کی اندھی عقل کی بنا پر ان آیتوں کے معارض اور اذا تعارضا تساقطا دیکھا۔ عداوت مصطفیٰ کا خمار تمہارا اسمٰعیل شہید بھی مردہ ہوگیا۔

وہابی گرچہ اخفامی کند بغض نبی لیکن
نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

کہ اس روایت میں جو محمد بن عبد الرحمٰن ہیں ان کا حافظہ کمزور ہے۔ اور بر تقدیر صحت حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لایترکون لا یصلون الاھذا المقدار یعنی صرف چالیس روز ہی ان کو اجازت ہوتی ہے کہ چاہیں تو نماز نہ پڑھیں اس کے بعد لذت و سرور کے لیے نماز پڑھنے کا حکم ہوتا ہے۔ اس طرح یہ حدیث احیاء فی قبورھم کے معارض نہیں ہو سکتی۔ بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی دنیا کی طرح وہاں بھی نماز پڑھتے ہیں۔

یونہی حیات شہداء حیات برزخی کے بلند انعامات سے ہے، تو کیا انبیا، ان انعامات سے محروم کر دیئے گئے جو امتیوں کو حاصل ہیں۔ یہاں تک کہ انبیاء کی برزخی زندگی بھی امتیوں سے پست کی کہ انبیا، تو مردہ اور شہدا زندہ۔ حیرت ہے کہ فاضل رحمانی ہم کو ایسی بات سمجھاتے ہیں جو ایک بیوقوف نہیں کہہ سکتا۔

آپ کو حیات انبیاء کے مسئلہ میں جان نظر نہیں آتی کیونکہ دین وایمان کے ساتھ آپ کی عقل کا بھی دیوالہ نکل گیا ہے۔ ورنہ آپ کو خود اقرار ہے کہ دلیل صرف چار ہیں۔ قرآن، حدیث، اجماع، قیاس شرعی (تردید حاضر ناظر ص: ۳۹) یعنی اجماع کو آپ دلیل شرعی مانتے ہیں، اور حضرت شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ باچندیں اختلاف وکثرت مذاہب کہ در علمائے امت است، یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز وتوہم تاویل دائم و باقی اند (اقرب السبل و فتوح الغیب ص ۳۳) بندہ پرور اس صریح اجماع کے ہوتے بھی آپ کو اس مسئلہ میں جان نظر نہیں آتی۔ کتنی پرلطف ہٹ دھرمی یہ آپ کی؟ آپ نے اس اجماع کا جواب دینے کا وعدہ بھی فرمایا تھا لیکن آپ کا یہ وعدہ وعدۂ فردا بن کر رہ گیا۔ آپ نے اس اجماع کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ ہم کو بھی اعتبار نہ تھا۔

تیرے وعدے پر جیے ہم تو یہ جان چھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

خلاصہ: ان حدیثوں سے یہ امر بخوبی روشن ہو گیا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بارگاہ الٰہی میں وہ بلند مقام ہے جس کے اوج عزت تک صنف انسانی کا کوئی فرد نہ پہنچ سکا۔ وہ اسی بلند مقام پر اس وقت بھی نظر آتے ہیں۔ جب آدم علیہ السلام کا خمیر تیار ہو رہا تھا۔ اور وہ منصب نبوت پر اس وقت بھی فائز نظر آتے ہیں۔ جب ساری انسانیت حیات و وجود کی انگڑائی لینے کے لیے آمادہ ہو رہی تھی۔

پھر جب وہ نور الٰہی لباس بشریت اوڑھ کر اس خاکدان عالم میں تشریف لایا تو اس خیال سے کہ کہیں کوتاہ اندیش ما ھذا الا بشر مثلنا، مالھذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق۔ کہہ کر اس کو اپنا بھائی بنا کر اس کے دامن عزت میں بٹہ لگانے کی مکروہ کوشش نہ کریں۔ قدرت نے کچھ ایسی خصوصیات بھی مرحمت فرمائیں کہ معمولی انسان بھی اس کے علوئے مرتبت کا فیصلہ کر سکے۔ اس طرح خدا کی دین سے وہ بے مثال تھا، بے مثال آیا، بے مثال رہا۔ اور جب اس دنیا سے تشریف لے گیا، جب بھی بے مثال ہے، کہ اپنے جسم اور روح کے ساتھ عالم برزخ میں انعامات الٰہی کے مزے لے رہا ہے۔

پھر وہ ذات گرامی جس کو قدرت نے اتنا نوازا کہ وہ ہر بات جو ہمارے لیے غیر ممکن ہو، اس کے لیے ممکن بن جائے، اس کے لیے ہم اگر کوئی ایسا دعوے کریں جو اصول شرعی کے خلاف نہ ہو۔ اور شایاں شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو تو کیا صرف اس وجہ سے کہ وہ ہماری کمزور عقل کے نزدیک مستبعد ہے اس کا انکار کر سکتے ہیں؟ اس کی کون سی بات تمہاری سمجھ میں آ سکتی ہے۔ تم دیکھتے نہیں کہ وہ محبوب کبریا علیہ التحیۃ والثناء امی ہونے کے باوجود جب بولتا ہے تو ایسا بولتا ہے کہ سارا عالم اس کے آگے خاموش ہو جاتا ہے۔

امی و گویا بہ زبان فصیح از الف آدم و میم مسیح
امی و دقیقہ دان عالم بے سایہ و سائبان عالم

اور نہ صرف خود بولتا ہے، بلکہ بے زبانوں کو متکلم، بے جانوں کو صاحب حیات، محکوموں کو فرمانروائے عالم اور صاحب رموز و اسرار بناتا چلا جاتا ہے اور پھر اس معجزانہ انداز میں کہ اہل عالم آج بھی متحیر و پریشان ہیں کہ کیوں ہوا۔ اور کیوں کر ہوا۔

اس لیے اس کی ذات گرامی کی طرف اگر کوئی منصب رفیع منسوب ہے تو صرف اس وجہ سے ہم اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ وہ ہماری ناقص عقل میں مستبعد ہے، یا عام انسانوں کے لیے اس کا ثبوت نہیں ہے، ہاں یہ ضرور دیکھا جائے گا کہ شرعی اصول کے معارض تو نہیں؟ اور اس سراپا اعجاز ذات کی خصوصیات سے بحث کرتے وقت یہ بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنی بلند مقامی میں ہر انسان سے بلند ہے اس لیے اس کی جانچ کا پیمانہ عام انسانوں سے بلند ہونا چاہیے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: یہیں سے ''فاضل رحمانی'' کے ان تمام مزخرفات کا جواب بھی ہو گیا، جو انھوں نے مسئلہ حاضر ناظر پر عقلی گرفت وغیرہ کے عنوان سے کیے ہیں۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اگر حضور تمام مرنے والوں کی قبر میں موجود ہیں تو دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔ اول یہ کہ آپ ایک سیکنڈ بھی روضہ اطہر میں آرام نہ فرمائیں۔ جس سے آپ کو تنگی میں چھوڑنا لازم آتا ہے۔ کیونکہ کوئی ذمہ دار مسلسل دورے میں نہیں رہ سکتا۔ دوم یہ کہ حضور کی زندگی میں بھی لاتعداد مردے دفن کیے گئے تو لازم آئے گا کہ معاذ اللہ آپ زندہ درگور ہیں۔

فاضل رحمانی کی اس سادہ لوحی پر یہ خیال ہوتا ہے کہ آپ فاضل ہیں تو ضرور لیکن فضیلت سے نہیں بلکہ فضلہ سے۔ ورنہ اتنی سی بات ہر شخص کی سمجھ میں آ سکتی

ہے۔ کہ بات کسی ڈپٹی کلکٹر کی نہیں اس ذات کی ہے جو سرتاپا معجزہ ہے۔ ورنہ اس نامعقول دلیل اور ناجائز خیر خواہی سے حضور کی ہر ایک فضیلت کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس خبر کو بھی کہ آپ رات رات بھر عبادت کرتے تھے حتیٰ کہ پائے مبارک ورم کر جاتے تھے، اور شق ہو جایا کرتے تھے، یہی کہہ کر رد کیا جا سکتا ہے، کہ حضور ضیق اور تنگی میں پڑیں اور جو کوئی اس حدیث کو پڑھ کر حضور کی فضیلت ثابت کرے۔ وہی شعر پڑھ کر اس کا جواب دے دے کہ۔

بلا سے ان کی ادا کوئی بد گماں ہو جائے
کسی طرح سے تو مٹ جائے ولولہ دل کا

فاضل رحمانی ایجاد و تحقیق کی ایسی نئی راہیں اکثر نکالتے رہتے ہیں جو نہ تو ان کے کسی بڑے نے نکالی نہ چھوٹے نے، ان کی بات ہی اور ہے۔

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا
پر ترے عہد سے پہلے تو یہ دستور نہ تھا

اور اگر اس ضیق اور تنگی کا مطلب یہ ہے کہ ایک شی کا بیک وقت چند جگہ ہونا عقلاً ناممکن ہے۔ جب بھی مقام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت بے خبری ہے، کیونکہ تمھاری عقل کب باور کرتی ہے کہ پسینہ عطر سے زیادہ خوشبودار ہو۔ لیکن یہ حقیقت بہت روشن ہے کہ لوگ آپ کے پسینہ سے عطر بساتے تھے، پھر جس طرح عقل کے باور نہ کرنے کے باوجود تم کو یہ حقیقت تسلیم کرنا پڑتی ہے، یہاں کیوں عقلی پچر لگاتے ہو۔ علاوہ ازیں ہم نے یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام قبروں میں جلوہ فرما ہوتے ہیں۔ اس وقت روضہ انور یا کسی اور جگہ نہ ہوں۔ بس یوں سمجھو کہ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ان کے قادر و توانا

خدا نے مسافت زمان ومکان کو ہیچ کر دیا ہے، اور قدرت جب کسی کو اپنے حبیب کا دیدار کرانا چاہتی ہے تو دنیائے ہست وبود کے مادی حجابات اٹھا دیتی ہے، وہ شخص اپنے پاس ہی حضور کو موجود پاتا ہے۔

درراہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست
می بینمت عیاں ودعا می فرستمت

معنی حاضر وناظر کا شرعی وقوع: یہ اصول طے ہو جانے کے بعد کہ فضائل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بجائے عقلی دخل دینے کے یہ دیکھا جائے گا کہ شرعی اصول بھی اسے جائز رکھتا ہے یا نہیں، یہ ضروری ہو گیا ہے کہ یہ دیکھا جائے مسئلہ حاضر ناظر کا بھی شرعی امکان ہے یا نہیں؟ (معنی کی تشریح آگے آرہی ہے) تو نہ صرف امکان بلکہ وقوع کا پتہ چلتا ہے۔ چنانچہ ملک الموت علیہ السلام ہر مرنے والے کے پاس جاتے ہیں۔

قرآن شریف میں ارشاد فرمایا گیا۔

قل یتوفکم ملک الموت الذی و کل بکم۔[1]

تم کو ملک الموت وفات دیتے ہیں جو تم پر مقرر کئے گئے۔

[1] فاضل رحمانی کا خیال ہے کہ ملک الموت ہر ہر مردے کے پاس نہیں جاتے ہیں۔ یہ بھی ان کے پاگل دماغ کی اپج ہے۔ کیونکہ ان کا مستدل قرآن کی آیت والنازعات غرقا ہے اس میں نازعات جمع ہے۔ اس لیے ثابت ہوا کہ جان نکالنے والے کئی ایک ہیں۔ پھر ظاہر ہے کہ کہیں ملک الموت خود چلے جاتے ہوں گے۔ اور کہیں کسی مددگار کو بھیج دیتے ہوں گے اس طرح ان کا کام رات دن چلتا رہتا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس کے پاس علم ویقین کی دولت نہ ہو وہ اسی طرح ظن وتخمین کی وادی میں بھٹکتا پھرے گا۔ اس سلسلہ میں عطر تحقیق یہ ہے کہ قرآن میں قبض ارواح سے متعلق تین آیتیں ہیں۔ یتوفکم ملک الموت، توفتہ رسلنا، اللہ یتوفی الانفس، جن میں باہم تطبیق یہ ہے کہ اللہ حکم دینے والا فاعل حقیقی ہے، ملک الموت مرنے والے کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔

براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا کان العبد المومن فی انقطاع من الدنیا و اقبال من الاخرة نزل علیه الملائکة من السماء بیض الوجوه کان وجوهم الشمس معهم کفن من اکفان الجنة حتی یجلسونه مد البصر ثم یجی ملک الموت علیه السلام حتی یجلس عند راسه فیقول ایتها النفس المطمئنة اخرجی و کذافی الکافر الا انه قال سود الوجوه معهم المسوم بذل بیض الوجوه و اکفان الجنة والنفس الخبیثة بدل الطیبة۔ مشکوٰۃ شریف ص۱۴۲

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب بندہ مومن اس دار فانی سے کوچ کرتا ہے اور دار آخرت کی طرف رخ کرنے کو ہوتا ہے۔ تو آسمان سے فرشتے نورانی صورت والے اپنے ساتھ جنت کا کفن لیے آتے ہیں اور حد نظر تک

اخرج ایها النفس (اے جان نکل) دیگر اعوان ومددگار روح کو ہاتھوں ہاتھ اس کے مقام تک لیجاتے ہیں۔ یار ومددگار سارے جسم سے روح کھینچ کر حلقوم کے پاس کر دیتے ہیں اور ملک الموت قبض کر لیتے ہیں۔ یہ مضمون مدارک التنزیل، شرح اسرار قبور، مشارق الانوار میں ہے، اور ایسا ہی مشکوٰۃ شریف کی اس طویل حدیث میں ہے جو براء ابن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جس سے پتہ چلا کہ ہر ہر مردے کی قبض روح میں خدا، ملک الموت، اعوان، سب کو دخل ہے، کوئی آمر، کوئی مامور، کوئی مددگار، لیکن بے ایمانی اور جہالت کا برا ہو کہ فاضل رحمانی انھیں کا سہارا لے کر وہ سب کچھ بک جاتے ہیں۔ جو ایک مسلمان کو نہ کہنا چاہیے۔ فاضل رحمانی کے ترنگ کا کیا کہنا۔

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

۱۲ منہ

بیٹھ جاتے ہیں اور اس کے بعد ملک الموت آتے ہیں اور اس کے سر کے پاس بیٹھ جاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اے نفس مطمئنہ اپنے قالب خاکی سے نکل۔

کافروں کے بارے میں بھی ایسا ہی فرمایا۔ صرف یہ الفاظ بدلے ہوئے تھے۔ سود الوجوه معهم المسوم. النفس الخبيثة. بيض الوجوه اكفان الجنة. نفس الطيبة کے بدلے۔

منکر ونکیر بھی ہر ہر مردے کے پاس جاتے ہیں۔

عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان العبد اذا وضع فی قبره و تولى عنه اصحابه انه يسمع قرع نعالهم اتاه ملكان فيقعدانه و كذا عن ابی هريرة۔ مشکوۃ شریف ص ۲۴۔

حضرت انس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب لوگ مردے کو قبر میں رکھ کر واپس لوٹتے ہیں تو مردہ لوگوں کے پیروں کی چاپ سنتا ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آکر اسے بٹھاتے ہیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ ملک الموت اور منکر نکیر ہر ہر مردے کے پاس جاتے ہیں۔ اور ساری دنیا میں بیک وقت کتنی روحیں قبض کی جاتی ہیں۔ اسی لیے ملک الموت اور منکر نکیر کا بیک وقت چند جگہ ہونا ثابت ہوا۔ اور جب شریعت میں غیر خدا کے لیے اس معنی کا ثبوت ہوا تو پھر حضور کے ساتھ اس کی نسبت کرنے میں کیا قباحت شرعی لازم آئے گی جس طرح اور بہت سے ناممکنات حضور کے لیے ممکن بنا دیئے گئے یہ بھی سہی۔ بشرطیکہ قرآن وحدیث کی کسی عبارت سے اس کا ثبوت ہوتا ہو۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کسی مخالف کے اس ہذیان کے جواب میں کہ حضور کو ''حاضر ناظر'' ماننا شرک ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ اس

کا ثبوت ملک الموت کے لیے ہے۔ منکر نکیر بیک وقت کتنی کتنی قبروں میں حاضر ہوتے ہیں، یا شیطان بھی ایک ہی وقت میں مختلف ممالک کے بے شمار لوگوں کو گمراہ کرتا رہتا ہے۔ یا براہ راست کوئی ایسی دلیل دی جاتی ہے۔ جس سے ہمارے مدعا سے کم ثابت ہوتا ہے۔ مثلاً ہم سارے ملک میں آپ کے حضور کے قائل اور دلیل سے صرف زمین کا حضور ثابت ہوتا ہے تو مخالفین جامے سے باہر ہو کر جواب دیتے ہیں۔ ''دعوے عام دلیل خاص'' اس لیے یہ استدلال پایہ اعتبار سے ساقط ہے۔ لیکن ان رٹو کے ٹٹوؤں کو کون بتائے کہ کوئی قاعدہ یاد کر لینا اور بات ہے، اور اس کا سلیقہ سے برتنا اور بات ہے دریں چہ شک تو ایک طوطی بھی یاد کر لیتی ہے، لیکن اسے اس سے کیا فائدہ؟ اسی طرح مخالفین نے بھی کہیں سے دعویٰ عام دلیل خاص کیا سن لیا ہے کہ ہلدی کی گانٹھ پالی ہے اور اب پنساری بنے گھوم رہے ہیں۔ ورنہ جہالت کا خمار نہ ہو تو یہ بات ہر شخص سمجھ سکتا ہے، کہ مسئلہ حاضر ناظر کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ فی نفسہ ایک چیز بیک وقت چند جگہ ہو سکتی ہے یا نہیں، دوسرے اگر یہ تعدد ممکن ہے تو اس کی مقدار اور حد کیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کا ثبوت کتنا ہے، اس قسم کے تمام دلائل ونظائر سے مثبتین کو یہی ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے کہ یہ تعدد فی نفسہ جائز ہے، اور جب ایک چیز کا بیک وقت دو جگہ ہونا ممکن ہے۔ تو دو چار، دس بیس ہزار جگہ بھی ہو سکتا ہے، اس لیے اس کا ثبوت تو طلب کیا جا سکتا ہے کہ اس تعدد کی انتہا کیا ہے، لیکن اس میں بحث کی قطعاً گنجائش نہیں، کہ یہ عقلاً ممکن ہے یا نہیں جب کہ شریعت میں غیر خدا کے لیے اس کا وقوع ثابت ہے چہ جائے کہ اس کو شرک بتایا جائے۔ اس لیے حاضر ناظر ہونے کے ثبوت میں اگر کوئی حدیث پیش کی جائے۔ تو اس کو اپنے ظاہری معنی سے محض اس لیے نہیں پھیرا جا سکتا۔ کہ ہماری عقل میں نہیں آرہا ہے۔

پوری بحث ایک نظر میں: گزشتہ اوراق سے بحث کی پوری پوزیشن واضح ہوگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کو خدائے ذوالجلال نے ہمیشہ نوازا۔ اگر خداوند قدوس ان کو بیک وقت متعدد جگہ حاضر کردے، اور کائنات ان کی نگاہ حقیقت بین پر روشن فرمادے، تو نہ خالق اس سے عاجز، نہ اس کا محبوب اس منصب رفیع کا نااہل، پھر اس سے نہ تو خدا کی خدائی میں کچھ کمی لازمی آتی ہے، نہ ایسا مان لینے سے حقوق الٰہی میں ہی دست اندازی ہوتی ہے کہ شرک کی طرف رہنمائی کرے، کیونکہ بیک وقت چند جگہ حاضر ہونا اور بہت ساری جگہوں کا پیش نظر رکھنا، ملک الموت کے فرائض منصبی میں سے ہے، جس کو وہ رات دن بجالاتے ہیں، پھر رسول ﷺ کے لیے اس کا ثبوت کیونکر شرک ہوسکتا ہے۔

ہاں اس شرعی امکان کے بعد یہ ذمہ داری ضرور ہمارے سر ہے کہ ہم دلائل سے بھی یہ ثابت کردیں حضور ''حاضر ناظر'' ہیں۔ اور یہ بھی بتائیں کہ یہ حضور اپنے کیف وکم میں کیسا ہے، جس سے عہدہ برا ہونے کی کوشش ہم آئندہ صفحات میں کریں گے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ یہ مسئلہ عقائد میں سے ہرگز نہیں کہ اس کے لیے دلیل قطعی کی ضرورت ہو، بلکہ باب فضائل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے، اس لیے اس کا ثبوت اخبار آحاد یا متعدد احتمال رکھنے والی آیتوں سے بھی ہوسکتا ہے۔



معنی حاضر وناظر

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے ان الفاظ میں معنی ''حاضر وناظر'' کو بیان کیا ہے۔

عالم میں حاضر وناظر کے شرعی معنی یہ ہیں کہ (۱) قوت قدسیہ والا ایک ہی جگہ رہ کر تمامی عالم کو اپنے کف دست کی طرح دیکھتا ہے اور دور وقریب کی آواز سنتا ہے۔ (۲) یا ایک آن میں تمام عالم کی سیر کرتا ہے اور صدہا کوس پر حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتا ہے، یہ رفتار خواہ صرف روحانی ہو یا جسم مثالی کے ساتھ۔ یا اس جسم کے ساتھ جو قبر میں مدفون ہے، یا کسی جگہ موجود ہے۔ (خیر الانبیاء ص ۸)

اس عبارت کے دو جز ہیں (۱) سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ رونق افروز ہیں، اور خالق دوعالم نے جس طرح بارہا آپ کے لیے عالم ہست وبود کے حدود وتعینات، مسافت زمان ومکان کو پارہ پارہ کردیا ہے، یونہی عالم مادیات اور ملاء اعلیٰ کے تو برتو حجابات اس نے جب جب چاہا اٹھاتا رہا۔ یہاں تک کہ نگہ عالم سے نہاں ہونے کے وقت پر انکشاف بھی کامل ہوگیا اور اب یہ عالم ہے۔

کالشمس فی وسط السماء و نورھا   یغشی البلاد مشارقا و مغاربا

والقمر من حیث التفت رأیته   یعطیک فی عینیک نورا ثاقبا

آفتاب وماہتاب کی طرح آپ ایک جگہ رونق افروز ہیں، اور سارا عالم آپ کے پیش نظر ہے اور خدا جس کسی کو چاہتا ہے حجابات اٹھا کر اپنے حبیب کی طلعت زیبا دکھا دیتا ہے۔

۲۔ یا آپ کبھی کبھی (جیسا کہ لفظ سیر کرنے سے ظاہر ہے) سارے عالم میں

بیک وقت کہیں قوت روحانی کے ساتھ، کہیں جسم مثالی کے ساتھ، کہیں جسم اطہر کے ساتھ موجود ہو جاتے ہیں، اور بیکسوں کی دستگیری فرماتے ہیں، جیسا کہ یہ رفتار خواہ جسم مثالی کے ساتھ، خواہ صرف روحانی، یا اس جسم کے ساتھ جو قبر انور میں موجود ہے کہ قضیہ مانعۃ الخلو سے ظاہر ہے۔

حاضر و ناظر اور علمائے سلف: اور یہ خیال کوئی نیا نہیں ہے، بلکہ صدیوں پہلے کے علمائے اسلام نے اس کی تشریح و تصریح کر دی ہے، جیسا کہ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے اپنے رسالہ میں شیخ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ و دیگر علمائے کے اقوال سے ثابت کیا تھا، کہ کسی حیثیت سے بھی وہ حضرات اس کو بیان فرماتے ہیں اور اس پر کوئی رد نہیں کرتے بلکہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے تو خاص اس مبحث میں ایک کتاب ''تنویر الحلک'' تصنیف فرمائی اور تصریح کی۔

وقد تحصل من هذا النقول والاحاديث ان النبي صلى الله عليه وسلم حي بروحه و جسده وانه يتصرف حيث شاء في اقطار الارض و في الملكوت وهو بهيئته كان عليها قبل وفاته لم يتبدل منه شئي و انه يغيب عن الابصار كما غيبت الملائكة مع كونهم احياء باجسادهم فاذا اراد الله دفع الحجاب عمن اراد كرامة برويته و تواترت به الاخبار. (ملخصا)

ان منقولات اور احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جسم اور روح کے ساتھ زندہ ہیں، اور آسمان و زمین میں جہاں چاہیں تصرف کرتے

ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اسی حالت پر ہیں جیسا وفات سے پہلے تھے۔ اور آپ نگاہوں سے ایسا پوشیدہ ہو گئے ہیں جس طرح ملائکہ، حالانکہ وہ بھی تو اپنی روح اور جسم کے ساتھ زندہ ہیں۔ پس اللہ جس بندے کو حضور کی رویت سے مشرف فرمانا چاہتا ہے، حجاب اٹھا دیتا ہے۔ اور خبریں اس بارے میں تواتر تک پہنچ گئی ہیں۔

اور شیخ امام علامہ نو الدین حلبی اپنے رسالہ ''تعریف اہل الاسلام بان محمداً لا یخلو منہ زمان ولا مکان'' میں فرماتے ہیں۔

والذی اراه ان جسده الشريفة لا يخلو منه زمان ولا مكان ولا محل ولا امكان و لا عرش و لا لوح ولا كرسي ولا قلم و لا برولا بحر ولاسهل ولا وعرولا برزخ ولا قبر كما اشرنا اليه و ايضاً انه امتلاء الكون الاعلىٰ به كما امتلأ الكون الاسفل و كامتلاء قبره به فجسده مقيما في قبره طائفا حول البيت وقائما بين يدى و به لاداء خدمته (جواہر البحار جلد اول ص ۲۸۳)

میرا (ذاتی) خیال تو یہ ہے کہ حضور کے جسد اطہر سے نہ تو زمان خالی ہے نہ مکان، نہ محل نہ امکان، نہ عرش نہ لوح، نہ کرسی نہ قلم، نہ بحر نہ بر، نہ نرم زمین نہ سخت، نہ برزخ نہ قبر، اس کی طرف ہم اشارہ بھی کر چکے ہیں، نیز آپ نے کائنات کو بھر دیا ہے، اعلیٰ کو بھی، ادنیٰ کو بھی، اور قبر کو بھی، یہی وجہ ہے کہ آپ قبر انور میں بھی رونق افروز ہیں، بیت اللہ کا طواف بھی کرتے ہیں اور اپنے رب کے حضور ادائے خدمت کے لیے مصروف ہیں۔

جس سے مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کا مطلب صرف یہ تھا کہ علمائے اسلام میں کوئی حضور کی موجودگی مساجد میں، کوئی اہل اسلام کے گھروں میں، کوئی ذوات مصلین میں، کوئی ساری کائنات میں تصریح کے ساتھ تسلیم کرتا ہے۔ جس کا مطلب صاف یہی ہوا کہ یہ عقیدہ کوئی نیا نہیں۔ اور اس کے ماننے والے صرف ہم ہی نہیں، جیسا کہ آج کل غیر مقلدین اڑاتے رہتے ہیں۔ نیز اپنے مخالف سے یہ کہتا تھا کہ جان برادر اپنی کفری اور شرکی مشین کا رخ ذرا بزرگان دین کی طرف بھی کر دو تا کہ دنیا کو معلوم ہو جائے کہ علمائے اسلام کو کافر ومشرک بنانے والے کون ہیں، اور آپ کا پیش کردہ شعر خود آپ کی ہی ترجمانی کرنے لگے۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

ورنہ اپنے نشانہ کو پھر سے درست کیجئے اور ہم کو کہنے دیجئے۔

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشق دلگیر کو
کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

مگر ہمارے فاضل رحمانی یہاں پہنچ کر کچھ ایسا جامے سے باہر ہو گئے ہیں کہ ساری امت مسلمہ کو توام ڈالا۔ کہ ہم پر نہ تو کسی اہل حدیث کا قول حجت ہے۔ نہ آپ کا اور آپ کے بڑوں کا (یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قاضی عیاض شیخ عبد الحق محدث دہلوی، جلال الدین سیوطی اور انھیں جیسے سینکڑوں بزرگ جو دین کا ستون ہیں فاضل رحمانی کے بڑے نہیں صرف ہمارے بڑے ہیں، ہم بھی تو یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان کا مذہب بزرگوں کے دین کے خلاف ہے، اچھا ہوا

کہ فاضل رحمانی نے خود اقرار کر لیا۔ مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری) آپ شوق سے ان اقوال کو سند مت مانئے مگر اتنا تو تسلیم ہی کریں گے کہ آپ کی مشق ستم کی زد میں نہ صرف ہم بلکہ وہ مقدس نفوس بھی ہیں۔ جن کا نام لے کر بسا اوقات آپ بھی حدیث پڑھتے ہیں اور شاعر کے الفاظ میں۔

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ لازکشی
مگر کہ زندہ کنی خلق راو باز کشی

کا عالم ہے

اقوال کی بحث: ''فاضل رحمانی'' نے ہر ہر قول کے متعلق خواہ مخواہ کچھ نہ کچھ کہنا فضیلت تصور کیا ہے، اور کچھ نہیں تو صرف یہی کہ دعوے عام اور دلیل خاص، اور کہیں یہ کہ یہ صاحب حاطب اللیل ہیں، اس لیے ان کی بات نامعقول، کہیں صرف اتنی بات سے کام چلایا ہے کہ ہم اس کو نہیں مانتے اور اخیر میں بڑے طمطراق سے چند تردیدی عبارتیں نقل کی ہیں۔ چونکہ ہم مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کے پیش کردہ اقوال کے ساتھ فاضل رحمانی کی دسیسہ کاریوں کا راز فاش کر کے کتاب کو طول دینا نہیں چاہتے کیونکہ ہم سب ثابت کر دیں جب بھی فاضل رحمانی یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے کوئی حدیث لاؤ، اس لیے صرف تردیدی اقوال سے کچھ تعرض کرتے ہیں۔

فاضل رحمانی نے پوری کتاب میں سات عبارتیں تحریر کی ہیں جن میں کسی میں نکاح کے وقت رسول اور فرشتہ کے گواہ بنانے کو کفر کہا ہے اور کسی میں عالم غیب اور حاضر ناظر سمجھنے کو شرک بتایا ہے ان سب عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر خدا کے

لیے حاضر وناظر کا قول یا کفر ہے یا شرک لیکن برا ہو ہٹ دھرمی کا جس نے فاضل رحمانی کو تلبیس ومکاری کا فنکار بنادیا سب سے پہلی تلبیس تو فاضل رحمانی نے یہ کی ہے کہ حوالہ میں اتنا اہمال رکھا ہے کہ حتی الامکان مخالف صحیح عبارت کا مقابلہ اصل کتاب سے نہ کرسکے تاکہ یہ فریب مستمر جاری رہے۔

فتاویٰ بزازیہ ہمارے پاس تین جلدوں میں موجود ہے، لیکن اتنی طویل کتاب کے لیے حوالہ میں صرف اتنا لکھنا کافی سمجھا کہ فتاویٰ بزازیہ میں ہے۔ یونہی ملاحسین خباز اور ان کی کتاب مفتاح القلوب دونوں غیر معروف ہیں اسی طرح توشیح اور تحفہ وغیرہ کو بھی مہمل چھوڑ دیا ہے، اور بڑی جی داری سے ان عبارتوں کو ان مشاہیر علمائے اسلام کے مقابلہ میں پیش کیا جس کا نام لے دینا ہی صداقت ودیانت کی ضمانت ہے، بہرحال اولاً آپ نے اقوال اور ان کے حوالہ میں انتہائی چالاکی سے کام لیا ہے، اور اگر تمام عبارتوں اور حوالوں کو صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی ہم کو مضر نہیں، کیونکہ ایسے اقوال وفتاویٰ کی تشریحات اور ان کا صحیح محمل علمائے احناف کثرہم اللہ نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کردیا ہے، جو فتاویٰ بزازیہ اور قاضی خاں سب پر جاری ہے، یہ آپ کی اندھی نگاہوں کا قصور ہے کہ آپ ہمارے مذہب سے بے خبر ہوکر ہمارے ہی ہتھیاروں سے ہم پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، اور اس بے سروسامانی کو ہی اپنا ساز وسامان سمجھتے ہیں۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے اسد
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار ہی نہیں

علامہ ابن عابدین المعروف بہ شامی سل الحسامی الہندی صفحہ ۳۱۱ میں فرماتے ہیں۔

ذکر فی جامع الفصولین مسئلة فی الفارسية حاصلها لو تزوجها

بلاشهود وقال الله و ملائكة اورسول يشهد ان انه يكفر لانه اعتقد ان الرسول والملك يعلم الغيب ثم اشكل ذلك بما اخبره النبى صلى الله عليه وسلم من الغيبات وكذاما اخبربه عمرو جماعة من السلف ثم اجاب بانه يمكن توفيق بان المنفى هو العلم بالا سقلال لا العلم بالا علام۔

ترجمہ: جامع الفصولین میں ایک مسئلہ فارسی میں ذکر ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور کہا کہ خدا اور رسول یا فرشتہ گواہ ہیں تو کفر ہوگیا، کیونکہ اس نے رسول اور فرشتوں کے بارے میں اعتقاد کیا وہ ''الغیب'' جانتے ہیں، لیکن اس پر یہ مشکل ہے کہ حضور نے غیب کی خبر دی اور حضرت عمر اور سلف کی ایک جماعت نے بھی، پھر خود ہی اس اشکال کا جواب دیتے ہیں دونوں میں تطبیق یوں ہوسکتی ہے جن آیتوں میں علم کی نفی ہے اس کا مطلب بالاستقلال علم ہے اور جس کی خبر انبیاء نے دی، وہ باعلام الٰہی تھا۔

اس کے صفحہ ۳۱۲ میں فرماتے ہیں۔

وسئل فی الفتاوی! الحديثية عمن قال ان المومن يعلم الغيب هل يكفرو لايتبن اويفصل لجواز العلم بجزيات الغيب، فاجاب بقوله لا يطلق تكفيره لاحتمال كلامه و من تكلم بما يحتمل كفر وغيره و جب استفصاله كما فى الروضة وغيرها۔

فتاوی حدیثیہ میں ہے جس نے کہا کہ مومن غیب جانتا ہے آیا کافر ہوگیا یا اس سے سوال کیا جائے گا کہ تیری مراد اس سے کیا ہے کیونکہ بعض غیوب کا علم تو ممکن ہے جواب یہ ہے کہ اس کو کافر نہیں کہا جائے گا کیونکہ اس کے کلام میں احتمال ہے، اور جس نے ایسا کلام کیا جس میں کفر وغیر کفر دونوں کا احتمال ہو تو تفصیل ہی کی

جائے گی۔

پھر چودہ سطروں کے بعد لکھتے ہیں

ومتی استفصل فقال اردت بقولی المؤمن یعلم الغیب ان بعض اولیاء اللّٰہ قد یعلمه اللّٰہ ببعض المغیبات قبل ذلک لانه جائز عقلاً و واقع نقلاً اذھو من جملة الکرامات الخارجة عن الحصر علیٰ ممر الاعصار فبعضھم یعلمه بخطاب و بعضھم یعلمه بکشف حجاب و بعضھم یکشف له عن اللوح المحفوظ حتی یراه یکفی بذالک ما اخبر به القران عن الخضر۔

اور تفصیل طلب کرنے پر اس نے کہا کہ میرے اس قول ''مومن غیب جانتا ہے'' سے میرا مطلب یہ تھا کہ بعض اولیاء اللہ کو خدا نے بعض غیوب کی خبر دی ہے تو یہ مان لیا جائے گا کیونکہ یہ عقلاً بھی جائز ہے، اور نقلاً واقع ہے، کیونکہ یہ تو ان بے شمار کرامتوں میں سے ہے جس کا احصاء ممکن ہی نہیں، بعض کو خدا مخاطب کر کے بتا دیتا ہے، بعض کو کشف حجاب کر کے اور بعض کے لیے لوح محفوظ کا پردہ اٹھا دیتا ہے، اور لوح محفوظ کو دیکھ لیتا ہے اور اس میں وہی کافی ہے جس کی خبر قرآن نے حضرت خضر علیہ السلام کو دی۔

پہلی عبارت سے پتہ چلا کہ رسول اور فرشتوں کی گواہی میں دو احتمال ہیں۔ رسول و ملک بذات خود جانتے ہیں، یا باعلام الٰہی، اور کفر کا فتویٰ اسی وقت صحیح ہو گا، جب علم بذات خود کا عقیدہ رکھا جائے۔ جس سے معلوم ہو کہ وہ تمام اقوال اور فتاویٰ جہاں ملک اور رسول کی گواہی یا اعتقاد علم غیب پر کفر کا قول کیا گیا ہے (خواہ فتاویٰ قاضی خاں، یا بزازیہ، یا مالا بدمنہ ہو یا کسی دوسری جگہ ہو) وہاں یہ دو احتمال نکل سکتے۔ اور سل الحسام کی دوسری عبارت یہ بتاتی ہے، جس عبارت میں

احتمال ہو وہاں مطلقاً کفر کا فتویٰ نہیں دیا جائے گا، بلکہ تفصیل طلب کی جائے گی اور پوچھا جائے گا کہ وہی کفری معنی مراد ہیں یا نہیں، اگر کفری معنی سے انکار کرے تو تیسری عبارت کی رو سے اسکو ہرگز کافر نہیں کہا جائے گا، وہ ساتوں عبارتیں جو فاضل رحمانی نے نقل کی ہیں ان سب میں یہ دو احتمال نکل سکتے ہیں، کہ بعطائے الٰہی یا بذات خود۔ اور علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق پہلی شق پر کفر کا فتویٰ صحیح نہیں، اور دوسری شق پر درست اور صحیح لیکن یہ ہم کو قطعاً مضر نہیں، کیونکہ ہم بعطائے الٰہی کے قائل ہیں۔ اور اگر ان عبارتوں کا مطلب مطلقاً فتویٰ کفر ہے جیسا فاضل رحمانی کا خیال ہے تو یہ علمائے حنفیہ کا فتویٰ نہیں، بلکہ ضعیف قول ہے۔ جیسا کہ معدن الحقائق، خزانۃ الروایۃ، وغیرہ اکثر کتب فقہ میں آیا۔

والصحیح انه لا یکفر، لان الانبیاء علیھم السلام یعلمون الغیب و یعرض علیھم الاشیاء فلایکون کفراً۔

ترجمہ: صحیح یہ ہے کہ کفر نہ ہوگا، اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام غیب جانتے ہیں، اور ان پر اشیاء پیش کی جاتی ہیں لہذا کفر نہیں۔

آپ ہماری کتابوں سے ہم کو الزام نہیں دے سکتے، کیونکہ ہم خوب جانتے ہیں کہ مسائل کی کتابوں میں راجح مرجوح، مفتی بہ اور غیر مفتی بہ ہر قسم کے اقوال ہوتے ہیں، اور جب تک صحت کے ساتھ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ یہ قول مفتی بہ ہے، اس کے ساتھ فتویٰ دینا ضرور جہالت ہے، جیسا کہ درمختار میں اس کی تصریح ہے، اور آپ اور آپ کے مولوی عبد الرزاق ضرور جاہل ہوئے رہے علمائے احناف تو اللہ کے فضل سے علم باعلام، اور علم بالاستقلال کے فرق کو سمجھتے ہیں، اس لیے ان کو یہ فتویٰ قطعاً مضر نہیں، اور اس سلسلے میں آپ کی ساری لاف وگزاف بے معنی۔

باخرابات نشیناں ز کرامات ملاف
ہر سخن جائے و ہر نکتہ مکانے دارد

حاضر و ناظر اور فاضل رحمانی

گزشتہ اوراق میں مسئلہ حاضر ناظر کے متعلق ہمارے خیالات کافی وضاحت سے بیان ہو چکے ہیں، اور یہ بھی بیان ہو چکا کہ یہ مسئلہ کوئی بنیادی عقیدہ نہیں ہے، لیکن اس کے برخلاف غیر مقلدین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر نہ ماننا ہی اپنا بنیادی عقیدہ مانتے ہیں، اور عقیدہ خواہ ایجابی ہو یا سلبی ہر ایک کے لیے دلیل قطعی کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً جس طرح ہمارے ذمہ حاضر و ناظر ہونے کا ثبوت پیش کرنا ہے، اگرچہ عقیدہ قطعی نہ ہونے کے سبب دلیل ظنی ہی سے کام چل جائے گا۔ اسی طرح ہمارے مقابل کے لیے بھی جدید دلیل کی ضرورت ہے، صرف ہمارے دلائل کی تردید کافی نہیں، کیونکہ یہ مسئلہ ان کے نزدیک باب عقائد سے ہے غالباً ہمارے مخالف اس نکتہ سے واقف تھے، اس لیے انھوں نے بھی حاضر و ناظر نہ ہونے پر دلیل پیش کی ہے، لیکن پوری بحث جو مولانا عتیق الرحمٰن صاحب اور فاضل رحمانی میں چل رہی ہے، اگر تجزیہ کیا جائے تو صرف ایک دلیل ایسی ملے گی۔ جس کو فاضل رحمانی نے حاضر و ناظر نہ ہونے کے ثبوت میں پیش کیا ہے، باقی سارا طومار ہمارے دلائل کے مقابلہ میں ہے، حالانکہ بفرض محال اگر ہم یہ ثابت نہ بھی کر سکیں جب بھی جب تک مخالف حاضر و ناظر نہ ہونا ثابت نہ کر دے، اس کو کچھ بھی مفید نہیں۔

اب ہم فاضل رحمانی کی اس اکلوتی دلیل پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔ جس سے یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہم سے دلیل قطعی کے طالب خود کتنی لچر دلیل پر اپنے عقیدے کی بنیاد قائم کرتے ہیں، فرماتے ہیں

اللہ فرماتا ہے نحن اقرب الیہ من حبل الورید، اور ھو اللہ فی

السموات والارض جس سے معلوم ہوا کہ اللہ ہر جگہ موجود ہے، ساتھ ہی ساتھ ارشاد ہے لیس کمثلہ شئی، اس کے مثل کوئی شئے نہیں ہے، لہذا معلوم ہوا کہ اللہ کے ہر جگہ موجود ہونے میں بھی کوئی اس کے مثل نہ ہو۔ (انتہیٰ ملخصاً)

اس پر مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے ایک معارضہ فرمایا۔

اگر قرآن کی آیتوں کا یونہی مذاق کیا جاسکتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، انہ ھو السمیع البصیر، اللہ ہی سمیع وبصیر ہے، اب اس کے ساتھ لیس کمثلہ شئی والی آیت ملالو، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صفت سمع وبصر کا بھی کسی غیر خدا پر اطلاق نہ ہو، اور جو اطلاق کرے وہ مشرک، حالانکہ قرآن میں انسان کے لیے سمیع وبصیر کا لفظ استعمال ہوا ہے فجعلناہ سمیعا بصیرا۔ ہم نے انسان کو سمیع وبصیر بنایا، تو کیا معاذ اللہ قرآن خود مشرک۔ (ملخصاً)

جس کا صاف مطلب یہ تھا کہ جس طرح یہاں صرف لفظی اشتراک سے شرک ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ انسان اور خدا کے سمیع وبصیر ہونے میں زمین وآسمان کا فرق ہے اسی طرح خدا کے حاضر ناظر ہونے میں اور رسول کریم ﷺ کے حاضر وناظر ہونے بھی بون بعید ہے۔ لہذا شرک ثابت نہ ہوگا، لیکن فاضل رحمانی، حضرت مولانا کی اس چوٹ سے ایسا بوکھلا گئے ہیں، ساری نحو، ساری منطق اور علم کلام انڈیل دیا ہے، جب کہیں گالی وغیرہ دے کر ٹھنڈے ہوئے ہیں، اور کہا وہی جو حضرت مولانا کہلانا چاہتے تھے۔ اس سادہ لوح کو اس چرکے کا احساس نہ ہوا، جس کا منشا صرف یہ تھا۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے جادو وہ جو سر پہ چڑھ کے بولے

ہم نے سنا کہ فاضل رحمانی کی اس طولانی تقریر کے جواب میں حضرت مولانا ایک شعر پڑھ رہے تھے۔

لائے اس بت کو التجا کر کے　　کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے

چنانچہ اس معارضہ کے جواب میں ایک طویل تقریر کی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

(۱) اللہ ہمیشہ سمیع وبصیر ہے، اور ہمیشہ رہے گا، اور انسان ایک محدود مدت تک۔

(۲) انسان خدا کے بنائے سے سمیع وبصیر ہے، اور خدا خود بخود۔

(۳) ہمارے سمع وبصر کی کیفیت معلوم ہے، اور خدا کی مجہول ان تین تین فرقوں کے باوجود کون بے وقوف ہوگا جو خدا اور بندے کو سمع وبصر میں شریک مانے گا۔

یہاں سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں کو حضور سے عداوت ہے، ورنہ یہ کیا وجہ ہے کہ جب خود اپنی سماعت وبصارت معرض خطر میں آتی ہے تو طرح طرح کی تاویلیں سوجھتی ہیں اور بے شمار فرق نظر آتے ہیں لیکن حضور کی کسی صفت کے بارے میں بغیر کسی تاویل کے شرک وکفر کا فتویٰ صادر کر دیا جاتا ہے۔ ورنہ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی یہی باتیں کہی جا سکتی ہیں کہ حضور کا حاضر وناظر ہونا خدا کی دین سے ہے اور خدا کا خود اپنا، حضور کا حاضر ناظر ہونا ایک خاص مدت سے ہے، اور خدا کے لیے کوئی حد نہیں۔ ورق الٹ کر حضور کے لیے حاضر وناظر کے معنی دیکھ لیجئے۔ کیا جسم مثالی، یا روح، یا جسم حقیقی کے ساتھ سیر کرنا خدا کی صفت خاصہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت ان تیرہ بختوں سے یہ سب کچھ کرا رہی ہے۔

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبی است
گل است سعدی ودر چشم دشمنان خارست

مسئلہ حاضر وناظر اور مولوی عتیق الرحمٰن صاحب

رسالہ ''خیر الانبیا'' میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کے ثبوت میں کئی آیتیں اور متعدد احادیث پیش کی گئی ہیں جس سے مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کا منشاء صرف یہ تھا کہ ان تمام نصوص کے پیش کر دینے سے حضور کی وسعت علم ونظر کا ایک واضح نقشہ سامنے آجائے اور آپ کی وسعت علمی بطور تواتر معنوی کے ثابت ہو جائے، ہر ہر آیت یا حدیث الگ الگ مستقل دلیل نہ تھی، کہ اس اعتراض کی گنجائش نکل سکے، کہ فلاں دلیل دعویٰ سے خاص ہے، کیونکہ وہ کوئی الگ اور مستقل دلیل ہی نہیں تاہم اس امر کا خاص لحاظ رکھ کر بعض ایسی آیتوں اور حدیثوں کو بھی بیان کر دیا گیا تھا، جو تنہا بھی ثبوت مدعا کے لیے کافی ہوں، لیکن ہمارے فاضل رحمانی کو عقل سے اتنا بیر ہے کہ صرف اپنی سہولت وآسانی نیز جاہل عوام پر اپنی ہمہ دانی کا سکہ بٹھانے کے لیے ہر ہر آیت وحدیث کو الگ الگ دلیل فرض کر لیا ہے۔ حدیہ کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ جو محض وضاحت مسئلہ کے لیے بیان کیا گیا تھا۔ اس کو بھی ایک الگ دلیل بنا کر خواہ مخواہ زحمت تردید گوارا فرمائی، اور کاغذ سیاہ کیے ہیں اس پر ہم اس سے زیادہ کیا کہیں۔

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطا است
سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجا است

لیکن ہم کو چونکہ فاضل رحمانی کی ہر طرح خاطر کرنی منظور ہے، اس لیے اس رسالے میں انھیں کے اصول کو مد نظر رکھ کر خیر الانبیاء کے صرف انھیں نصوص کو نقد ونظر کی کسوٹی پر پرکھا گیا ہے جو بہت کچھ دعویٰ سے مطابق ہیں، اور جس کا اعتراف زبان حال سے ہمارے سادہ لوح مخالف نے بھی کیا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں

کہ بقیہ نصوص اس بات سے عاری ہیں، بلکہ یہ تو صرف ہمارے بھولے بھالے نیز آفت کے پرکالے مخالف کی جاہلانہ شوخی ہے کہ وہ اپنی جہالت ولاعلمی کو ہماری طرف منسوب کرتا ہے، عجب بات ہے،

یہ عجیب رسم دیکھی کہ بروز عید قرباں
وہی قتل بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

شاہداً کی بحث: اس سلسلہ میں مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کی بحث کا خلاصہ یہ ہے۔ قرآن عظیم نے آپ کی ذات گرامی کو تین جگہ شہید یا شاہد کے لفظ سے یاد فرمایا ہے۔

(۱) کذالک جعلنا کم امة وسطا لتکونوا شهداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شهیدا ۔ (سورہ بقرہ پ۲)

ایسے ہی اے امت محمد تم کو امت وسط بنایا کہ تم لوگوں پر گواہی دو، اور تم پہ رسول شاہد ہوں۔

(۲) فکیف اذا جئنا من کل امة بشهید و جئنابک علیٰ هؤلاء شهیدا۔ سورہ نساء پ۵۔

پس کیسے ہوگا جب کہ ہم ہر ایک امت سے گواہ لائیں گے اور آپ ان سب پر شہید ہوں گے۔

(۳) یا یها النبی انا ارسلناک شاهد او مبشر او نذیرا ۔ (سورہ احزاب پ۲۲)

اے نبی ہم نے آپ کو شاہد اور بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

ان آیتوں سے وجہ استدلال یہ ہے کہ (۱) شاہد اور شہید کے وہ معنی جو یہاں

مراد لیے جاسکتے ہیں دو ہیں۔ حاضر و ناظر یا گواہ پہلی صورت میں مدعا بداہتہً ثابت اور گواہ ہونے کی صورت میں بھی حاضر و ناظر ہونا ضروری کہ شہادت بغیر معائنہ کے ہو ہی نہیں سکتی (۲) اور گواہ ہونے کی شکل میں آپ ساری مخلوق پر گواہ ہوں گے اس لیے پوری کائنات حضور کے پیش نظر ہونا ضروری ہے۔

فاضل رحمانی نے اس پر مندرجہ ذیل گرفتیں کی ہیں۔

(۱) حضور ساری مخلوق پر گواہی تو کیا دیں گے اپنی امت کے لیے بھی صرف اتنا کہیں گے کہ یہ عادل اور سچے ہیں، اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر ہر امتی کی تمام حالتوں سے بھی آپ آگاہ ہوں۔

(۲) شہادت کے لیے دیکھنا ضروری نہیں مدارک میں ہے۔ الشهادة قد تکون بلا مشاهدة کما فی الشهادة بالتسامع فی الاشیاء المعروفة شہادت کبھی بلا مشاہدہ بھی ہوتی ہے جیسا کہ اشیائے معروفہ ومشہورہ میں سن کر گواہی دی جاتی ہے۔

(۳) اگر حضور کو شاہداً کے لفظ کی وجہ سے حاضر و ناظر کہنا صحیح ہے تو امت محمد یہ کو بھی اس خطاب سے نوازا گیا ہے۔ لہذا سب حاضر ناظر ہوئے۔

شہادت کے معنی: اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ آیا شہادت کے لیے دیکھنا ضروری ہے کہ نہیں؟ امام اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی اپنی کتاب عنایة علی الہدایة میں فرماتے ہیں۔

والشهادة فی اللغة عبارة عن الاخبار بصحة الشی عن مشاهدة و اعیان ولهذا قالوا انها مشتقة من المشاهدة۔ کتاب مذکورہ جلد۶ صفحہ۲

شہادت لغت میں کسی چیز کی خبر دینا ہے رویۃ ومشاہدہ کے بعد اس لیے اہل لغت کہتے ہیں کہ یہ مشاہدہ سے مشتق ہے۔

الشہادۃ والمشاہدۃ والشہود ھو الرویۃ۔ تفسیر کبیر دوم صفحہ ۹
شہادت، مشاہدہ اور شہود دیکھنے کا نام ہے (خواہ قلب سے ہو یا آنکھ سے)
والترکیب للحضور اما بالذات او بالتصور۔ (بیضاوی شریف ص ۴۵)

شہادت کی ترکیب ہی حضور کے لیے ہے بالذات بالعلم۔

اور خیر الانبیاء میں تو مفردات راغب کے حوالہ سے معلوم ہی ہو چکا ہے کہ الشہادۃ والشہود. ھو الحضور مع المشاہدۃ اما بالبصر و اما بالبصیرۃ۔ شہادت اور شہود کے معنی مشاہدہ کے ساتھ حاضر ہونا یہ مشاہدہ خواہ آنکھوں سے ہو خواہ بصیرت سے اور اتنا تو لغت کی ہر کتاب میں مل جائے گا کہ الشہادۃ خبر قاطع ،شہادت خبر قاطع کا نام ہے اور کسی چیز میں قطعیت کے دو ہی طریقے ہیں یا مشاہدہ۔ یا ایسے صادق القول کا خبر دینا جو واقعہ اپنی آنکھوں سے دیکھے ہو۔ بہر حال جہاں تک شہادت کا تعلق ہے بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کا ثبوت مشاہدہ کے بعد ہی ہو سکتا ہے اس لیے شاہد کے معنی خواہ حاضر ناظر ہونا خواہ گواہ۔ بہر حال حاضر ناظر ہونا ضروری ہے۔

شہادت بالتسامع: رہ گیا یہ سوال کہ علامہ نسفی نے فرمایا والشہادۃ قد تکون بلا مشاہدۃ کما فی الشہادۃ بالتسامع فی الاشیاء المعروفۃ تو ہم اس کا انکار نہیں کرتے تمام کتب فقہ میں یہ مسئلہ مصرح ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس صورت میں شہادت کا اطلاق حقیقت ہے یا مجاز، حقیقت تو ہے نہیں جیسا کہ کتب لغت اس کی شاہد عدل ہیں۔ اور ابھی ہم نے عنایہ وغیرہ کی عبارتیں نقل کی ہیں جن سے ظاہر ہے کہ شہادت میں مشاہدہ ضروری ہے بلکہ یہ اطلاق مجاز ہے حقیقت نہیں، اسی واسطے فقہائے کرام اس کو خلاف قیاس فرماتے ہیں، اور فرماتے

ہیں کہ شہادت بالتسامع حفظ حقوق کے ماتحت ضرورۃً جائز رکھی گئی ہے، پس جب یہ اطلاق مجاز ہوا تو یہ کہنا کہ شہادت میں مشاہدہ ضروری نہیں جہالت ہے۔ اور مدارک کی عبارت پیش کرنا جہالت در جہالت کیونکہ یہ ایسے ہی ہوگا جیسے کوئی کہے اسد کے لیے حیوان مفترس ہونا ضروری نہیں بلکہ اسد کبھی حیوان ناطق بھی ہوتا ہے جیسے بولتے ہیں زید اسد اس کا میں اسد کا اطلاق زید پر ہوا جو حیوان ناطق ہے۔

اور فاضل اپنی کم نگاہی سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں بہت دور کی کوڑی لایا۔

اس زلف پہ پھبتی شب دیجور کی سوجھی   اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی

امت کی شہادت: اسی طرح امت مسلمہ جو گزشتہ امتوں کے بارے میں بیان دے گی وہ شہادت علی الشہادۃ ہوگا۔ جیسا کہ جب ان سے سوال کیا جائے گا کہ تم نے کس طرح یہ شہادت دی تو کہیں گے باخبار القران علیٰ لسان نبیک الصادق جس سے خود ہمارے ہی دعوے کی تصدیق ہوتی ہے کہ شہادت کے لیے دیکھنا ضروری ہے جبھی تو امت محمدی سے سوال ہوا کہ آخر گواہی کیسے دے رہے ہو جب تم اس وقت تھے نہیں، پس جس طرح ان کی شہادت علی الشہادت ہے، اسی طرح پر لفظ شاہد کا اطلاق بھی مجازاً ہوا ہے، اور ان کو حاضر ناظر کہنا درست نہیں۔

شہادت توحید: لیکن فاضل رحمانی شہادت علی الشہادت کے طلسم زار میں ایسا پھنسے کہ رہائی ممکن نہیں۔ فرماتے ہیں شہادت کے لیے دیکھنا ضروری ہے تو ہر مسلمان کلمہ توحید کی شہادت کیسے دیتا ہے، لیکن اس سادہ لوح کو معلوم نہیں کہ یہ بھی شہادت علی الشہادت ہے وہ بھی اس پایہ کی کہ اگر کوئی آدمی یہ کہے کہ میں حضور کے نہیں بلکہ اپنی معرفت اور علم سے اللہ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہوں تو یہ گواہی بارگاہ الٰہی میں نامقبول ہوگی۔

رہ گیا یہ سوال کہ شہادت علی الشہادۃ پر لفظ شہادت کا اطلاق ہوتا ہے۔ ہمارے لیے کچھ مضر نہیں کیونکہ حضور کی شہادت کو بھی شہادت علی الشہادت ثابت کرنے کے لیے مخالف کو دلیل کی ضرورت پڑے گی اور یہ ان کے بس کی بات نہیں۔

تنبیہہ: یہ واضح رہے کہ مشاہدہ باب شہادت میں اپنے وسیع معنی میں مستعمل ہوتا ہے مثلاً ایک شخص نکاح کے ایجاب وقبول کی گواہی دیتا ہے، یہ خبر بھی مشاہدہ میں داخل ہے، لیکن رویت عین یہاں بالکل نہیں، کیونکہ اس کا تعلق آنکھ سے ہے ہی نہیں بلکہ کان سے ہے، یونہی مبصرات کے علاوہ دیگر محسوسات کی گواہی انھیں حواس کے واسطہ سے ہوگی۔ بایں ہمہ وہ تمام قسمیں مشاہدات میں داخل ہیں، اور اس کی اعلیٰ قسم ہیں، یونہی دنیا کی گزشتہ یا آئندہ وہ اشیاء جن کا تعلق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ظاہری آنکھوں سے نہیں ہے اس کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جس واسطے سے ہوا ہو سب مشاہدات میں داخل ہیں۔

شہادت کی وسعت: یہ ثابت ہو جانے کے بعد کہ شہادت کے لیے مشاہدہ ضروری ہے۔ یہ دیکھنا ہے کہ حضور کی شہادت کن کن لوگوں پر ہوگی۔ جلالین، تفسیر ابن عباس، بیضاوی، ابوسعود، تفسیر کشاف وغیرہا میں پہلی آیت کے تحت میں یہ لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے مزکی اور معدل ہیں۔

دوسری آیت سورۂ نساء کے تحت مدارک وخازن میں ہے۔

جئنابک یا محمد علیٰ ہؤلاء شہیدا الذین خوطبوا بالقران وسمعو القران بما عملوا۔

ہم آپ کو اے نبی ان گواہوں پر گواہ بنائیں گے جن کا قرآن مخاطب کرنے والا ہے۔ اور جنھوں نے قرآن سنا اور عمل کیا۔

تفسیر کشاف میں ہے۔

جئنابک علیٰ ہؤلاء المنکرین شہیدا۔

ہم نے آپ کو منکرین پر گواہ بنایا

بیضاوی میں ہے۔

تشہد علیٰ صدق ہولاء الشہداء لعلمک بعقائدہم واستجماع شرعک مجامع قواعدہم قیل لہؤلاء اشارۃ الی الکفرۃ قیل الی المومنین۔

آپ ان گواہوں کے صدق پر گواہی دیں گے کیونکہ آپ کو ان کے عقائد کا علم ہے اور آپ کی شریعت جامع ہے ان کے تمام قواعد کی ایک قول یہ ہے کہ ہولاء سے مراد کفار ہیں۔ اور کہا گیا کہ مومنین مراد ہیں۔

ان تفسیروں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مفسروں کے تین اقوال ہیں۔

(۱) آپ انبیاء پر شہادت دیں گے۔ (۲) کافروں پر شہادت دیں گے۔

(۳) مسلمانوں اور مومنوں پر شہادت دیں گے۔

تیسری آیت کے تحت جلالین میں ہے۔

شاہدا علیٰ من ارسلت علیہم۔

آپ شاہد ہوں گے ان لوگوں کے جن کے آپ رسول ہیں (ساری مخلوق)

تفسیر ابن عباس میں ہے۔

شاہد اعلیٰ امتک بالبلاغ۔

آپ شاہد ہوں گے اپنی امت پر تبلیغ رسالت کے

بیضاوی میں ہے۔

شاہد اعلیٰ من بعث بتصدیقہم و تکذیبہم و تجانہم و

صلاتهم۔

آپ شاہد ہوں گے ان لوگوں پر جن کی طرف مبعوث کیے گئے ان کی تصدیق وتکذیب اور نجات وصلاۃ کے لیے۔

تفسیر کبیر میں ہے۔

شاهد اعلیٰ الخلق یوم القیامة او شاهدا لا اله الا الله او شاهدا فی الدنیا بالجنة والنار و فی الأخرة بالطاعة والمعصیة والفلاح والفساد۔

آپ شاہد ہوں گے مخلوق پر قیامت کے دن۔ یا آپ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینے والے ہیں۔ یا دنیا میں جنت ونار کی شہادت دیتے ہیں اور آخرت میں طاعت وگناہ، فلاح وفساد کی شہادت دیں گے۔

تفسیر ابوسعود میں ہے۔

علیٰ من بعثت الیهم تراقب احوالهم و تشاهد اعمالهم وتعمل منهم الشهادة بما صدر عنهم من التصدیق والتکذیب وسائر ما هم علیه والهدی والضلال تودیها یوم القیامة۔

آپ شاہد ان لوگوں پر ہیں جن کی طرف مبعوث کیے گئے آپ ان کی کیفیات کے نگہبان، ان کے اعمال کا مشاہدہ کرنے والے اور آپ ان کی شہادت دیں گے وہ جو ان سے صادر ہوا، تصدیق سے تکذیب سے اور ہدایت وگمراہی (سب کی) شہادت قیامت کے دن دیں گے۔

مدارک وخازن میں ہے۔

شاهد للرسل بالتبلیغ و قیل شاهد اعلی الخلق کلهم۔

رسولوں کی تبلیغ وہدایت کی شہادت دیں گے اور ایک قول کہ ساری مخلوق پر

گواہ ہوں گے۔

مذکورہ بالا تشریح سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت میں صرف اس بات کا بیان ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں اپنی امت کی تصدیق اور تزکیہ فرمائیں گے۔ اور کہیں گے کہ میرے امتی سچے ہیں۔ جیسا کہ فاضل رحمانی کا بیان ہے لیکن صرف یہی آیت تو نہیں ہے کہ فاضل رحمانی کی بات مان لی جائے۔ اس ظالم نے تو یہ غضب کیا ہے کہ اور دیگر آیتوں کی تفسیر کر کے تفسیر بالرائے کا مرتکب ہوا ہے، کیونکہ دوسری آیت سے اتنی بات زائد ثابت ہوتی ہے کہ انبیاء پر بھی آپ گواہ ہوں گے اور دیگر اقوال کی بنا پر ساری مخلوق پر آپ شاہد ہوں گے۔ پھر اگر ان تفسیروں کی روشنی میں حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے یہ کہا کہ ساری مخلوق پر آپ کی شہادت ہوگی اور ہم بدلائل ثابت کر آئے ہیں کہ الشهادة هو الحضور مع المشاهدة اما بالبصر او بالبصیرة اس لیے اگر ان سب کے پاس حضور کا دعویٰ کیا تو کیا غضب کیا، لیکن فاضل رحمانی اپنی غلط کوشی ونادانی سے ہر جگہ متبدل ورکیک جیداری سے کام لیتے ہیں۔ اب یہ ناظرین کا کام ہے وہ یہ فیصلہ کریں کہ دزد بکف چراغ وہ ہیں یا دوسرا۔

بحث کا اعادہ: یہ یاد رہے کہ اب تک جو بحث کی گئی صرف اس شق پر کی گئی ہے کہ شاہدا کے معنی گواہ کے ہیں، اور گواہ کے لیے دیکھنا ضروری، لہذا آپ حاضر ہوئے، اور اگر شاہد اشہود کا اسم فاعل ہو تو اس کے ٹھیک معنی حاضر ناظر ہوئے، جیسا کہ اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ کیا ''بھیجا ہم نے آپ کو حاضر و ناظر'' اور صاحب مفردات راغب نے هو الحضور مع المشاهدہ سے کیا اور آیت کے اس معنی پر فاضل رحمانی نے سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہا کہ یہ لفظ متکثر المعنی ہے، گویا دبے لفظوں میں اس معنی کا بھی آپ کو اقرار ہے۔ اور دلالۃ النص سے نہیں اقتضاء النص سے ہی حضور کا حاضر وناظر ہونا تسلیم کر لیا۔ یہ عجیب بات ہے۔

ہونٹوں پہ ہنسی آنکھوں میں غضب اقرار بھی ہے انکار بھی ہے۔

حضور جسمی: یہاں ایک مغالطے کا ازالہ ضروری ہے۔ مولانا عتیق الرحمٰن نے خیر الانبیاء میں فرمایا ''گزشتہ امتوں کے حالات بچشم خود ملاحظہ نہ فرمایا ہوتا تو آپ سے جرح نہ ہوتی کہ آپ بغیر دیکھے کیسے گواہی دے رہے ہیں۔'' یہاں لفظ چشم کی آڑ لے کر فاضل رحمانی یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضور اپنے جسد عنصری کے ساتھ ہر جگہ اور ہر زمانے میں موجود ہیں۔

اس دھوکے کا بھی اصلی سبب یہی ہے کہ یہ شپرہ چشم حضور کے دیکھنے کو بھی اپنی طرح سمجھ رہا ہے حالانکہ اس سراپا اعجاز صلی اللہ علیہ وسلم کا دیکھنا ہماری طرح قطعاً نہیں ہے، ہم صرف سامنے کی چیز دیکھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں انی لاراکم وراء ظھری کما اری امامی میں تم کو پیچھے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے۔ حدیث تجلی لی کل شی میں گو تھوڑی ہی دیر کے لیے فاضل رحمانی بھی یہ مانتے ہیں کہ ساری کائنات حضور پر روشن ہوگئی خواہ گزشتہ ہو موجودہ یا آئندہ اور حضور نے ہر ایک کا عرفان بھی کیا، پھر کیا آپ اس سے یہ استدلال کریں گے کہ حضور ہر ہر شے کے پاس بجسدہ حاضر ہوں یونہی حدیث انی انظر الیھا و انا فی مقامی ھذا۔ میں بھی آپ کو یہ اقرار ہے کہ آپ کی یہ نظر قیام منبر تک ہی سہی حوض کوثر پر ہے۔ پھر کیا آپ کا خیال ہے کہ وہ نظر ہماری اور آپ کی طرح ہے۔ بندہ پرور اس مقدس وجود کے لیے رویت وعرفان کے وہ تمام اصول و قواعد جو عام انسانوں کے لیے ضروری ہے ان کے لیے ضروری نہیں، وہ بغیر گزشتہ زمانوں میں بجسدہ موجود ہوئے بھی ہر ایک چیز کا مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ اور یہ ملاحظہ گو ان ظاہری آنکھوں سے نہ ہو۔ مگر اتنی وضاحت رکھتا ہے کہ ساری دنیا کی نگاہیں مل کر بھی اتنا عرفان حاصل نہیں کر سکتی۔ تو اس کیفیت کے بیان کے لیے سوائے چشم دید اور مشاہدہ کے لیے اور کون سا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ اس کا یہ

مطلب قطعاً نہیں کہ ہم حضور جسمی کے گزشتہ زمانوں میں قائل ہوں، اور نہ اس کو آپ ہمارے بیان کردہ معنی حاضر و ناظر سے کسی طرح ثابت کر سکتے ہیں۔ فاضل رحمانی نے خواہ مخواہ قرآن عظیم کی ان آیتوں کو پیش کر کے جن میں حضور جسمی کی نفی ہے کتاب کے اوراق میں اضافہ کیا ہے۔

مزکی یا شاہد: گزشتہ اوراق سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ پہلی آیت میں علمائے تفسیر نے مزکی و معدل کا لفظ اور دوسری میں بعض نے استعمال کیا ہے اور تیسری میں حضور کو شاہد ہی لکھتے ہیں، جس سے فاضل رحمانی کی اس بانگ بے ہنگام کی وقعت ظاہر ہو جاتی ہے کہ امت کے بارے میں آپ صرف اجمالی بیان دیں گے کہ یہ قابل گواہی ہے۔ اور بس، لیکن ہم یہ چاہتے ہیں کہ مزکی و معدل ہونے کے معنی بھی بیان کرتے چلیں تاکہ رگ وہابیت کا کوئی تار باقی نہ رہے۔ علامہ بیضاوی کی تفسیر متعلقہ دوسری آیت تشھد علیٰ صدق ھؤلاء الشھداء پر امیر خطیب گازرونی حاشیہ تحریر فرماتے ہیں۔

اقول ھھنا شیئان الاول ما الفائدة فی جعل نبینا شھیدا علی الانبیاء مع کمالھم والثانی ان الشھادة علیٰ صدق الشھداء لا تعلق لھم للعلم بعقائد ھم و استجساع شرعه لجامع قواعد ھم بل مدارھا علیٰ ان یعلم ان ما یقولون فی شانه انه صادق والجواب عن الاول فائدة اظھار شرف نبینا علیٰ سائر الانبیاء و عن الثانی ان المزکی للشاھد بعینه یعتبر فی تصدیقه الخبر الباطنة و ھی ان یعلم باطن احوال الشاھد و ھذا ما قرر فی الفقھیات ولا یخفے ان المزکی اذا کان عالما بعقائد الشاھد و اعماله کان تزکیة اقوےٰ و اشد اعتبارا والعلم بعقائد ھم اشارة الی امور العقلیه و الاستجماع المذکور

الاعمال یعنی ان نبینا صلی اللہ علیہ وسلم عالم بعقائد الانبیاء و اعمالھم فلذا صار مزکیا لھم صلوات اللہ علیھم۔ (بیضاوی دوم ص ۸۸)

میں کہتا ہوں کہ یہاں دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ ہمارے نبی کو دیگر انبیاء پر گواہ بنانے میں فائدہ کیا ہے دوسرے گواہوں کے صدق پر شہادت علم عقائد اور محمدی شریعت کا دیگر شرائع کے جامع ہونے سے کوئی علاقہ نہیں۔ بلکہ صرف یہ جاننا چاہیے کہ یہ جو شہادت دے رہے ہیں اس میں سچے ہیں، پہلی بات کا جواب یہ ہے کہ اس میں ہمارے نبی کی شرافت وکرامت کا اظہار ہے دیگر انبیاء پر اور دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ شاہد بعینہ کے تزکیہ وتصدیق میں یہ بات ضروری ہے کہ مزکی شاہد کے حالات باطنی کا بھی مشاہدہ کرے، اور یہ بات اہل فقہ کے نزدیک ثابت ہو چکی ہے اور یہ بات واضح ہے کہ مزکی جب شاہد کے عقائد اور اعمال کو جانے گا تو اس کا تزکیہ اور زیادہ قوی اور معتبر ہوگا اور علم عقائد سے مراد امور عقلیہ ہیں اور استجماع مذکور سے مراد اعمال، مطلب یہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء کے عقائد کو بھی جانتے ہیں اور تمام اعمال کو بھی، اس لیے آپ ان تمام رسولوں کے مزکی ہو گئے۔ ان پر خدا کا سلام ہو۔

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مزکی ہونا تو شاہد سے بھی بڑا مرتبہ ہے اور شاہد سے بھی زیادہ علم وعرفان چاہتا ہے، اور ہمارے سادہ لوح مخالف اپنے زعم میں خوش ہیں کہ ہم نے شہادت کا انکار کر کے حضور کو حاضر وناظر ہونے نہیں دیا، یہ تو وہی ہوا۔

مچھلی سمجھ رہی ہے کہ لقمہ یہ تر ملا　　صیاد کہہ رہا ہے کہ کانٹا نکل گئی

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم: اس آیت سے خیر الانبیاء میں یوں

استدلال کیا گیا ہے کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اولیٰ کے معنی قریب تر کے لکھے ہیں۔ اس لیے حضور مومنین کی ہر آبادی خواہ وہ عالم بالا کی ہو یا عالم ادنی کی سبھی جگہ ہوئے۔ فاضل رحمانی اس پر دو اعتراض کرتے ہیں، اولاً تو یہ معنی عام تفاسیر میں نہیں ہے، ثانیاً اگر اس کے معنی شاہ صاحب کی تفسیر کی بنا پر قریب تر ہی مان لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ مسلمانوں کے پاس حضور ثابت ہوتا ہے، اور حنفی دونوں عالم میں حضور کے قائل ہیں۔

اولیٰ کے معنی ضروری قرب مکانی کے ہیں۔ اس کے علاوہ جس مجازی معنی میں مستعمل ہوگا، اس میں قرب کا معنی پایا جانا ضروری ہے، خواہ وہ قرب علمی ہو یا تصرفی ہو، یا مقام کے مناسب کوئی اور قریب ہو، جیسا کہ مجاز کے بارے میں یہ اصول طے ہو چکا ہے۔ اس لیے آیت مذکورہ میں دیگر تراجم کی بناء پر قرب مکانی نہ سہی قرب علمی یا تصرفی ضرور ہوگا اور اتنا ہمارے مدعیٰ کے لیے کافی ہے لیکن **والفضل ماشھدت بہ الاعداء** خود فاضل رحمانی سے ایک ایسا جملہ نکل گیا ہے جو ہمارے مدعی کو ثابت کرتا ہے، آپ لکھتے ہیں یعنی حضور مومنین پر ان کی جانوں سے زیادہ تصرف کا حق رکھتے ہیں، اور جب حضور کو آپ نے متصرف مان لیا تو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضور کو ہر ایک مومن کا واضح علم ہے، کیونکہ تصرف کے لیے تقدم علم ضروری ہے اس طرح فاضل رحمانی نے نادانستہ حضور علمی کو تسلیم کر لیا۔

رہ گیا آپ کا یہ اعتراض کہ دعویٰ عام اور دلیل خاص ہے۔ یہ غایت جہالت اور لاعلمی پر مبنی ہے کیونکہ مومنوں سے کائنات کا کوئی گوشہ خالی نہیں حتی کہ کافروں کے کندوں پر بھی کراماً کاتبین ہوتے ہیں جو مومن ہیں، اسی طرح عرش وفرش زمین و آسمان کا کون سا حصہ ہے جہاں جن وملک یا انسان نہیں۔

وما ارسلناک الا رحمة للعلمین: اس آیت سے نکتہ استدلال یہ تھا کہ سرکار مصطفٰے علیہ التحیۃ والثنا کو اس آیت میں خدا نے اپنی ذات کے علاوہ سارے عالم کے لیے رحمت بتلایا ہے، اس لیے آپ کا تعلق ہر ایک سے ہونا چاہیے لیکن اس پر یہ شبہہ ہو سکتا تھا کہ تعلق کے لیے یہ کیا ضروری ہے کہ آپ سب کے عالم بھی ہوں، اس لیے دوسری آیت وسعت رحمتی کل شی سے یہ ثابت کیا گیا کہ وہ رحمت سب کو گھیرے بھی ہے یہاں یہ خیال کرنا کہ حضور عالم کے لیے رحمت تو ہیں لیکن اللہ کی رحمت نہیں اور آیت میں رحمتی یعنی اللہ کی رحمت کا ذکر ہے، نری جہالت ہے، لیکن فاضل رحمانی کو اسی جہالت پر فخر ہے، یہاں بھی وہ اعتراض کرتے ہیں۔ دو۔

۱۔ قرآن میں چودہ معنی رحمت کے آئے ہیں جن میں کوئی معنی حضور کی ذات نہیں وہ معنی یہ ہیں اسلام، ایمان، جنت، بارش، نعمت، نبوت، قرآن، رزق، مدد، فتح، عافیت، کشائش، مغفرت، عصمت لہذا رحمتی سے مراد آیت و رحمتی وسعت کل شی میں حضور کی ذات نہیں ہو سکتی کہ رحمت کے یہ معنی نہیں۔

۲۔ اگر ہم رحمت کے معنی حضور کی ذات بھی لے لیں تو چونکہ دونوں آیتوں سے شکل اول بنتی ہے، اور یہ صحیح نتیجہ اس وقت دے گی، جب حد اوسط متکرر ہو، اور یہاں حد اوسط صغریٰ میں رحمت عالم ہے، اور کبریٰ میں اللہ کی رحمت لہذا یہ شکل صحیح نہیں اور نتیجہ بھی درست نہ ہوگا۔ بمصداق

آنکھ والے ترے جلووں کا تماشا دیکھیں
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

فاضل رحمانی نے یہاں اپنی فقدان بصیرت کا ثبوت دیا ہے، ورنہ جو شخص کسی طرح یہ معلوم کر سکتا ہے کہ پورے قرآن میں چودہ جگہوں پر چودہ معانی کے لیے

لفظ رحمت کا استعمال ہوا ہے، وہ اس پندرھویں جگہ کو چھوڑ دے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت نکلتی ہو۔

نور گیتی فروز چشمہ حور — زشت باشد بچشم موشک کور

کیا زیر بحث آیت و ما ارسلنک الا رحمة للعلمین میں حضور کی ذات اقدس پر رحمت کا اطلاق نہیں ہوا ہے، اگر ہوا ہے اور ضرور ہوا ہے پھر دیدہ و دانستہ اس سے اعراض کر جانا صریح بددیانتی نہیں تو اور کیا ہے؟ اس لیے ایمانداری سے کام لیتے ہوئے ان چودہ معانی پر ایک اور کا اضافہ کیجیے اور دیکھیے کہ ان میں کون اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ وسعت رحمتی کل شی کے تحت آسکے۔

اسلام کبھی بھی ہر شئے کو گھیرے نہیں ہے، یونہی ایمان کی دولت سے لاتعداد اشیاء محروم ہیں۔ یہ تو سبھی جانتے ہیں جنت کا دروازہ کافروں کے لیے بند ہی رہے گا، بارش بھی آسمان پر نہیں ہوتی نعمت ایسا لفظ ہے جو رحمت کے ہم معنی ہے، نبوت کے اہل معدود حضرات ہیں، اور قرآن کے گھیرنے کے معنی اگر یہ ہوں کہ اس میں ہر شے کا بیان ہے تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت علمی اور حضور ثابت ورنہ احاطہ ممنوع، رزق غیر مرزوق کو گھیر نہیں سکتا، مدد مغضوب علیہم کی نہیں ہو سکتی، عافیت سے پریشان حالوں کا کاشانہ خالی ہے، مودت کی اہل کتنی چیزیں نہیں ہیں، کشائش کا دامن بھی سارے عالم کو گھیر نہیں سکتا۔ مغفرت سے مشرکین قطعاً تہی دامن ہیں۔ عصمت وحفاظت بھی بے شمار اشیاء کے لیے نہیں، پھر وہ رحمت کونسی ہے جو معنی مطابقی کے ساتھ سب کو گھیرے ہو۔ ہم چیلنج کرتے ہیں فاضل رحمانی کو کہ وہ ثابت کریں ان چودہ معانی میں کسی ایسے معانی کو جو سارے عالم کو گھیرے ہو آپ نے رزق مراد لیا ہے، لیکن سوچنا چاہیے تھا کہ رزق کے احاطے سے نباتات جمادات خارج ہیں، کیونکہ رزق اس چیز کو کہتے ہیں جس سے

حیوان انتفاع حاصل کر سکے۔

اگر کوئی رحمت سارے عالم کو گھیر سکتی ہے تو وہ ذات گرامی ہے سلطان دارین صلی اللہ علیہ وسلم کی جو سارے عالم کے لیے رحمت ہیں، اسی لیے صاحب مواقف حضرت مولانا العلام امیر عبدالقادر جزائری رحمۃ اللہ علیہ موقف نواسی میں فرماتے ہیں۔

فان حقیقة صلی الله علیه وسلم هو الرحمة التی وسعت کل شی۔

حقیقت مصطفویہ ہی وہ رحمت ہے جو سارے عالم کو گھیرے ہے۔

فاضل رحمانی کا خیال ہے کہ اس دلیل میں حد اوسط متکرر نہیں لیکن کیا دنیا کا کوئی انسان یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ حضور عالم کے لیے رحمت تو ہیں مگر اللہ کی رحمت نہیں۔ حضور خدا کی رحمت ہیں، اور ضرور ہیں پھر فاضل رحمانی کس منہ سے کہتے ہیں کہ حد اوسط متکرر نہیں۔ حضور رحمت عالم ہونے کے ساتھ ہی خدا کی بھی رحمت، اور خدا کی رحمت عالم کو گھیرے ہے لہذا حضور سب کو گھیرے ہیں۔ ہم نے ان دونوں آیتوں کو منطقی استدلال کی شکل میں پیش نہیں کیا تھا، لیکن آپ نے اس کو تسلیم کر کے اپنے کو پابند بنا لیا ہے، لہذا اس کا نتیجہ بھی آپ کو تسلیم کرنا ہوگا، آپ خواہ مخواہ منطقی بننے کی کوشش کرتے ہیں۔

میرے خیال میں خود اپنا ہی پیش کردہ وہ شعر۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

بار بار پڑھ کر اپنے سینے پہ دم کیجیے۔ اس مالیخولیا سے آپ کو نجات مل جائے گی۔

احادیث

احادیث پر بھی فاضل رحمانی نے عجیب بے ہنگم اور لایعنی تبصرے کیے ہیں، ذیل میں نمونۃً چند احادیث کو پیش کیا جا رہا ہے۔ جس سے فاضل رحمانی کے علمی افلاس وسفلہ پن کا ثبوت ملتا ہے۔

فتجلى لی کل شی و عرفت : اس حدیث کی شرح میں مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں ہے۔

فعلمت ای سبب وصول ذالک الفیض ما فی السموات والارض عبادة عن سعة علمه وقال ابن حجر جمیع الکائنات التی فی السموات بل و ما فوقها و جمیع ما فی الارض السبع.

پس جان لیا میں نے اس وصول فیض کے سبب سے وہ سب کچھ جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے یہ تعبیر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت علم کی۔ ابن حجر کا قول ہے کہ جو آسمان کے اوپر ہے اور اس میں ہے، وہ سب کائنات اور ساتوں زمین میں ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں۔

پس دانستم هرچه درز مینها و هرچه در آسمانها بود، عبارت است از حصول تمامه علوم کلی و جزئی۔

پس جان لیا میں نے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے، یہ عبارت ہے حصول سے تمام علوم کلی وجزئی کے۔

اور علامہ طیبی کا بھی یہی خیال ہے، مذکورہ تصریحات علماء کی روشنی میں رویت کا مطلب یہی ہوا کہ حضور کو ایک رات خواب میں ایک خاص قسم کا وصول

فیض ہوا، جس کے سبب آپ نے سارے عالم کو دیکھا، جانا، پہچانا، یہ وصول فیض اور حصول علم کلی و جزئی صرف خواب کی حالت تک رہا، اور آپ جب بیدار ہوئے، تو معاذ اللہ وہ سارا علم و عرفان آپ سے چھین لیا گیا۔ یہ دعویٰ انتہائی جی داری اور بے پناہ جہالت ہے، کیونکہ حدیث کے کسی لفظ سے نہ تو یہ معنی مترشح ہوتا ہے، نہ ہی کسی معتبر حدیث داں عالم نے اس کے یہ معنی بتائے، لیکن برا ہو فاضل رحمانی کا جنھوں نے عداوت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نشہ میں حدیث کے یہ معنی گڑھے اور اس کو بڑے طمطراق سے بیان کیا، افسوس۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

آپ لکھتے ہیں ''چونکہ حضور اس واقعہ کو خواب کا بیان فرما رہے ہیں جو ایک خاص وقت ہے لہذا یہ قضیہ وقتیہ ہوا، مطلب یہ ہوا کہ اس خاص وقت میں یہ بات تھی کہ قدرت نے اپنا ہاتھ حضور کے سینہ پر رکھا تجلی ہوئی، سب روشن ہو گیا خواب کے بعد نہ وہ ہاتھ رکھنا نہ وہ روشنی نہ عرفاں''۔ عیاذاً باللہ اگر یہ خاص وقت کا عذر لنگ قابل اعتبار ہو تو ایک شخص بڑی آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ ہمارے مخالف علامہ عبد الرؤف نرے جاہل، پکے بدھو، گھامڑ ہیں، اور ان کی فضیلت علمی کی ساری سندیں اور عالم تعلیم کی ساری کوششیں، بیکار، حرف غلط اور نقش بر آب ہیں، کیونکہ اپنے ماں کے شکم سے تو تمام علم لے کر آئے نہیں، لامحالہ ان کے جس استاد نے جب بھی ان پر ہاتھ رکھ کر یا ڈنڈا رکھ کے جس طرح بھی تعلیم دی ہوگی، وہ کوئی نہ کوئی خاص وقت ضرور ہوگا لہذا یہ قضیہ (دلی یا کسی جگہ سنہ فلاں میں عبد الرؤف خاں نے پڑھا) وقتیہ ہوگا۔ اور وقت خاص گزرنے کے بعد نہ تعلیم نہ تعلم، ہمارے مولانا ویسے ہی رہے جیسے گئے تھے۔ چلو اللہ اللہ خیر صلا، شاید آپ ہی کے لیے سعدی شیرازی نے کہا تھا۔

سگ بد ریائے ہفت گانہ بشو چونکہ ترشد پلید تر باشد
خر عیسیٰ گرش بمکہ برند چوں بیاید ہنوز خر باشد

واہ مولانا واہ بارہ برس تک دلی رہے بھاڑ ہی جھونکا کیے۔

اس حدیث میں مستند علمائے حدیث کے خلاف اتنی بڑی جہالت کا مایہ خمیر یہ ہے کہ وہابیوں نے غلطی سے خدا کے لیے بھی اپنے ہی جیسا ہاتھ سمجھ لیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ آدمیوں جیسا ہاتھ کسی کے سینہ سے ہمیشہ چپکا نہیں رہ سکتا۔ اسی لیے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے، تو بقول فاضل رحمانی خدا کا ہاتھ بھی آپ کے سینہ سے جدا ہو چکا تھا۔ اور حضور نے خواب میں جو کچھ جانا پہچانا تھا سب بھول چکے تھے۔ ورنہ اس تشبیہ کا کیا مطلب کہ خواب میں حضور کے سینے پر خدا کا دست قدرت رکھنا ایسا ہی ہے جیسے بیڑی کی روشنی، وہ اسی وقت اجالا دیتی ہے جب پیچھے والا ڈھکن بھی اس میں لگا ہو، جہاں وہ ڈھکن جدا، روشنی بھی غائب، بخلاف اس کے علمائے اسلام کا یہ خیال ہے کہ ''ہاتھ رکھنے سے مراد'' وصول فیض ہے، یعنی عالم خواب میں خدا کی طرف سے فیض پہنچا۔ اور آپ نے احاطہ علوم کلی و جزئی کیا سب کچھ آپ پر روشن ہو گیا۔

فان من جودک الدنیا وضرتھا
ومن علومک علم اللوح والقلم

ایک دلچسپ گرفت: یہاں فاضل رحمانی نے ایک بڑی دلچسپ قلابازی کھائی ہے یہ امر تو واضح ہے کہ آپ اسی حضور و علم کو جس کے ہم قائل حضور کے لیے ہیں خدا کی صفت خاصہ قرار دیتے ہیں، اور آیت لیس کمثلہ شی سے اس صفت خاصہ کی نفی غیر خدا سے کرتے ہیں، فتجلی لی کل شی سے اسی کو ہم نے حضور کے لیے ثابت بھی کیا، اور فاضل رحمانی اسی کو گو حالت خواب ہی میں، گو

بطریق معجزہ ہی، گو تھوڑی ہی دیر تک حضور کے لیے ثابت مانتے ہیں، اور اس کے بعد زوال کے قائل ہیں، سوال یہ ہے کہ کیا چند منٹ کے لیے ہی خدا کی کسی صفت خاص کو کسی مخلوق کے لیے ثابت ماننا شرک نہیں۔ کیا ایک آدھ گھنٹے کے لیے کوئی شخص معبود ہو سکتا ہے، گو بطور معجزہ ہی سہی، اگر نہیں تو آپ نے بطور معجزہ عالم خواب میں علم الٰہی (بقول آپ کے) حضور کے لیے ثابت مان کر شرک کیا یا نہیں، اور ہم کو مشرک کہتے کہتے خود مشرک ہوئے کہ نہیں۔

یوں نظر دوڑے نہ برچھی تان کر اپنا بیگانہ ذرا پہچان کر

رفع لی الدنیا فانا انظر الیها والی ماهو کائن فیها :اس حدیث کے بارے میں فاضل رحمانی نے صرف یہ کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ فاضل مذکور مشکوۃ شریف کا حوالہ بڑے طمطراق سے دیتے ہیں، لیکن آپ کی حیلہ جو آنکھ یہودیوں کی طرح ہمیشہ ایسے حوالے کھا جاتی ہے جو آپ کے مفید نہ ہوں، اسی میں آپ کو یہ صحیح حدیث نظر نہ آئی، جو حدیث مذکور کے متابع ہے، اور اس کو صحت کے درجہ تک پہنچا دیتی ہے۔

ان الله قد ذوی لی الارض فرأیت مشارقها و مغاربها لاتسئلونی عن شی الااخبر تکم: بے شک خدا نے میرے لیے زمین کو لپیٹ دیا کہ میں نے اس کے ہر ہر حصے کو دیکھا۔ اس حدیث سے استدلال یہ تھا کہ حضور فرماتے ہیں۔ جو تم پوچھو گے بتاؤں گا، عربی میں نکرہ تحت نفی مفید استغراق ہے، اس لیے حضور نے اپنے اس قول میں ہر شئے کے بتانے کا دعوی کیا۔ اگر آپ کو علم نہ ہوتا تو حالت غضب میں ہی سہی آپ خلاف واقع دعوی نہ کرتے۔

میاں رحمانی نے بڑی کوشش اس بات کی کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت غضب میں یہ قول فرمایا تھا، اس لیے معاذ اللہ! یہ خلاف واقع بات آپ

کے منہ سے نکل گئی۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ حضور (خاک بدہن گستاخ) کیا حالت غضب میں بھی کسی جھوٹی بات کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟ تو پوری تاریخ اسلام ہمیں اس کی شہادت دیتی نظر آتی ہے کہ حضور نے کبھی حالت غضب میں بھی خلاف واقع بات نہ کی۔

عن عبد الله بن عمر وقال کنت اکتب کل شی اسمعه من رسول الله صلی الله علیه وسلم ارید حفظه فنهتنی القریش وقالوا اتکتب کل شی و رسول الله صلی الله علیه وسلم بشر یتکلم فی الغضب والرضا فامسکت عن الکتاب فذکرت لرسول الله صلی الله علیه وسلم فاوما باصبعه الی فیه فقال اکتب فوالذی نفسی بیده ما یخرج منه الا الحق. (ابوداؤد جلد۲ ص۱۶۴)

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں ہر اس بات کو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلتی لکھ لیتا کہ یاد کروں گا قریش نے مجھے منع کیا کہ تم ہر بات لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی ہیں جو کبھی غصہ میں کلام کرتے ہیں اور کبھی خوشی میں، تو میں یہ سن کر رک گیا اور لکھنا چھوڑ دیا، پھر حضور سے اس کا تذکرہ کیا پس آپ نے اپنی مبارک انگلیوں سے اپنے پاک منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا لکھ لیا کرو، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اس منہ سے تو حق ہی نکلتا ہے۔

علامہ رحمانی کہتے ہیں۔

''سوال سے منع کرنے کے لیے حالت غضب میں آپ نے سلونی سلونی فرمایا۔ جس کا مطلب کثرت سوال سے روکنا تھا۔ لہذا کثرت سوال کا جواز نکلا ہی نہیں کہ کثرت اخبار ثابت ہو، اور اس سے کثرت علم پر استدلال کیا جائے۔''

ہم کہتے ہیں کہ عدم اخبار عدم علم کو مستلزم ہی نہیں، پھر آپ نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ ہم کثرت اخبار سے کثرت علم ثابت کر رہے ہیں، قبلہ ہمارا استدلال لاتسئلونی عن شیء الا انبأتکم سے ہے، سوال یہ ہے کہ یہ جملہ حضور نے علم ہونے پر کہا یا بغیر علم کے؟ اور گو حالت غضب میں ہی سہی، وہ صدیق و امین جھوٹ نہیں بول سکتا، اس لیے یہ ادعاء پر بنائے علم ہے، اور دعویٰ ہر شے کے علم کا ہے لہذا کثرت علم ثابت، اس لیے عدم اجازت سوال کی یہ ساری موشگافیاں بقول آپ کے پادر ہوا ہیں اور آپ ان پر بھروسہ کرنے والے۔

ہائے جب صیاد نے پھونکا نشیمن کو میرے جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

فاضل رحمانی ترقی کر کے کہتے ہیں، اگر ہم یہ استدلال صحیح مان لیں تو یہ قضیہ مشروط ہوگا، اور حضور کا یہ اخبار قیام منبر تک کے لیے، اس لیے آپ کا یہ اخبار اتنی ہی دیر ہوگا جتنی دیر آپ منبر پر رہے۔

ہم نہیں سمجھ سکتے کہ آپ کی مراد اس تقریر سے کیا ہے۔ اگر آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ قیام منبر تک اخبار تو قیام منبر تک علم، اور جب اخبار ختم تو علم ختم اگر یہ صحیح ہے تو غالباً معاذ اللہ خدا کو بھی آپ ان علوم سے جاہل مانتے ہوں گے جن کی خبر قرآن میں اس نے دی ہے کہ اخبار ختم ہوتے ہی ان کا علم بھی ختم ہوگیا علاوہ ازیں اگر قیام منبر تک اخبار محدود ہے تو علم کو آپ کیسے محدود کر رہے ہیں اس کے ثبوت کے لیے آپ کو کوئی اور دلیل لانی ہوگی، یہاں پھر وہی سوال ہے کہ کیا آپ تھوڑی دیر کے لیے حضور کو حاضر ناظر مانتے ہیں کوئی حرج تصور نہیں کرتے۔

یخبر کم بما مضیٰ وما ھو کائن: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور ماکان و مایکون کی خبر دیتے ہیں۔ فاضل رحمانی کو اس پر یہ اعتراض ہے کہ۔

مامضیٰ میں اور ماکان میں لفظ ما عام نہیں ہے، کیونکہ اگر عام مان لیا جائے تو لازم آئے گا کہ صحابہ کرام بھی اس علم میں آپ کے شریک ہوں، اور ان کو بھی حاضر ناظر کہا جائے، نیز آیت وعلمک مالم تکن تعلم میں بھی اگر ما عام ہو تو اس آیت میں جو بندوں کے لیے ہے یعلمکم مالم تکونوا تعلمون میں بھی ما عام ہوگا۔ اور اس تقریر پر حضور اور سارے امتی حاضر ناظر ہوں گے۔

یہ کتنی بڑی بد دیانتی ہے کہ وہ بات جس کے ہم قائل نہیں اس کو ہمارے سر تھوپا جائے، ہم نے یہ کبھی دعویٰ نہیں کیا کہ ما صرف عموم کے لیے ہی آتا ہے۔ ہاں ہمارا یہ دعویٰ ضرور ہے کہ آیت و علمک مالم تکن تعلم اور حدیث ما مضیٰ و ما ھو کائن میں ما عموم کے لیے ہے، کیونکہ ما کے بارے میں یہ اصول طے ہے کہ اصل وضع میں عموم کے لیے ہے، اور اس سے پھیرنے کے لیے قرینۂ صارفہ کی ضرورت ہے۔ اگر آیت و یعلمکم مالم تکونوا تعلمون میں امت کے اس اجماعی مسئلے کی وجہ سے ما عام نہیں ہے تو آیت و علمک مالم تکن تعلم میں اصل معنی سے پھیرنے والی کون سی چیز ہے، آپ دیکھتے نہیں ان اللّٰہ بکل شی علیم میں لفظ کل کے استغراق میں خدا بھی داخل ہے حالانکہ ان اللّٰہ علیٰ کل شی قدیر سے خارج ہے۔

حدیث پر آپ کا یہ اعتراض کہ لازم آئے گا کہ صحابہ کرام اور انھوں نے جن جن کو بتایا سب حاضر ناظر ہو جائیں۔ کامل عیاری اور حدیث سے عدم واقفیت او جہالت پر مبنی ہے، عیاری تو یہ کہ بڑی چالاکی سے آپ نے صحابہ کرام کا لفظ استعمال کیا ہے، تا کہ عوام سمجھیں کہ تمام صحابہ کرام حاضر ناظر ہوگئے، اور اگر واقعی کم کی ضمیر سے جمیع صحابہ کا استغراق مراد لیا ہے تو ہم کو آپ کے اس فراخدلی پر یہ مثل یاد آتی ہے۔ میٹھا میٹھا ہپ ہپ۔ کڑوا کڑوا۔ تھو تھو، کیونکہ کہاں تو ما کے عموم

سے انکاراور کہاں ضمیر خطاب کولفظ استغراق بناڈالا۔اوراگر بعض صحابہ مراد ہیں تو ان کوعلم ماکان ومایکون ہے اس سے کس کوانکار ہے، یہ حدیث صحیح کا مضمون ہے۔

عن عمر قال قام فینا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مقاما، فاخبرنا عن بدأ الخلق حتی دخل اهل الجنة منازلهم و اهل النار منازلهم، حفظ ذالک من حفظ ونسیه من نسیه، (رواہ البخاری مشکوٰۃ ص ۵۰۶)

ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتدائے آفرینش کے حالات بیان کرتے ہوئے یہاں تک بیان کیا کہ جنت والے اپنی جگہ اور دوزخ والے اپنی جگہ پہنچ گئے، (یعنی ازل سے ابد تک سب بیان کیا) جس نے یادرکھا، یادرکھا۔ جوبھول گیا بھول گیا۔

عن عمرو بن اخطب الانصاری قال صلی بنا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوم الفجر وصعد علی المنبر فخطبنا حتی حضرت الظهر فنزل فصلی ثم صعد المنبر فخطبنا حتی حضرت العصر ثم نزل فصلی ثم صعد المنبر حتی غربت الشمس فاخبرنا بما هو کائن الی یوم القیامة فاعلمنا احفظنا۔ (رواہ مسلم مشکوٰۃ ص ۵۴۳)

ایک دن حضور نے ہم کونماز صبح پڑھائی پھر منبر پر جاکر ظہر تک بیان کرتے رہے پھراتر کرنماز ظہر پڑھائی اور منبر پر جاکر عصر تک بیان کرتے رہے۔اتر کر عصر پڑھی، پھر منبر پر جاکر غروب آفتاب تک بیان کیا اور پورے دن میں قیامت تک ہونے والی سب باتیں بیان کردیں۔اور آج ان باتوں کوسب سے زیادہ یاد رکھنے والا وہی سب سے بڑا عالم ہے۔

رہ گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے علم کے برابر ہونے کا سوال یہ

ایک عام سرمایہ جہالت ہے جو حضور کے علم پر بھی وارد کیا جاتا ہے کہ اگر حضور ماکان ومایکون کے عالم ہوں تو لازم آئے گا کہ آپ کا علم خدا کے علم کے برابر ہو جائے۔اب ان گم کردگان راہ کو کون بتائے کہ ماکان ومایکون کے علاوہ اور کتنے علوم ہیں جن کو حضور جانتے ہیں اور آپ نے ان کو صحابہ کرام کو نہیں بتایا۔یونہی حضور کے سارے علوم کے بعد بھی ذات الٰہی کے لیے اتنا علم بچ رہتا ہے جس کے مقابلہ میں حضور کا کل علم ذرے کے کروڑویں حصے کے برابر بھی نہیں۔

اختصار

یہاں تک ہم نے جن باتوں کو اہم سمجھا ہے ان کا جواب ذرا تفصیل سے دیا ہے، اور اس کے علاوہ فاضل رحمانی نے جو کچھ کہا ہے، جاہلانہ معارضوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ اگر جلد دوم کی ساری بحث کا تجزیہ کیا جائے تو ہم کو دو قسم کے معارضے ملتے ہیں۔

(۱) وہ آیات واحادیث جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ مثلاً:

آیات:

(۱) قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب.

(۲) قل لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ.

(۳) لو کنت اعلم الغیب لا ستکثرت من الخیر.

(۱) اے حبیب کہہ دو کہ نہ تو میں اپنے پاس خزائن الٰہی ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں، نہ عالم غیب ہونے کا قول کرتا ہوں۔

(۲) اے حبیب کہہ دو کہ آسمان وزمین میں سوائے خدا کے کوئی غیب نہیں جانتا۔

(۳) اگر میں غیب جانتا تو بہت ہی بھلائی جمع کر لیتا۔

حدیث

(۱) انک لا تدری ما احدثوا بعدک. (مشکوۃ ص ۴۸۸)

(۲) فی خمس لا یعلمھن الا اللہ. (مشکوۃ ص ۱۱)

آپ نہیں جانتے؟ کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا۔

(۳) وہ واقعات جن سے وہابی منطق میں عدم علم کا ثبوت ہوتا ہے۔ مثلاً اگر حضور حاضر وناظر تھے تو حضرت حمزہ شہید رضی اللہ عنہ کو وحشی کے حملہ سے کیوں نہ بچالیا، یا خود حضرت عائشہ کی برأت کیوں نہ ظاہر فرمائی۔ وحی الٰہی کا انتظار کیوں کیا۔ وغیرہ وغیرہ

خیر الانبیاء میں فاضل مولف نے ان تو ہمات فاسدہ کے اجمالی اور تفصیلی دونوں جواب اتنے مثالی دیئے ہیں کہ مزید تشریح اور وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں اور فاضل رحمانی اگر آدمی ہوتے تو شرم وحیا سے کام لیتے۔ اور جیسے پانچ سال صبر کیا اور صبر کرتے، بات آئی گئی، ہو گئی تھی، لیکن ان کو کچھ اور ید اللھی طمانچے کھانے تھے اس لیے بول اٹھے اور۔

بے حیا باش ہر چہ خواہی کن، پر عملدرآمد شروع کر دیا۔

ہم نے حتی الامکان بحث کو سمیٹنے کے لیے ساری ہفوات کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، اور غیر ضروری متعلقات سے قصداً اغماض کر کے صرف مجموعی جواب پر اکتفا کیا ہے، کیونکہ ہمارا جاہل مخالف غیر ضروری تفصیل میں پڑ کر اصل مقصد پر پردہ ڈالنا چاہتا ہے۔

آیات کے مقابلہ میں آیات: مذکورہ بالا آیتوں کے مقابلہ میں مندرجہ ذیل آیتیں قابل ملاحظہ ہیں۔

وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما۔ (پ۵ آیت ۱۱۳)

آپ کو خدا نے وہ سب کچھ سکھایا جو آپ نہ جانتے تھے، اور آپ پر خدا کا بڑا فضل ہے۔

ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شی۔ (سورہ نحل: ۸۹)

اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب نازل کی جس میں ہر شی کا واضح بیان ہے۔

عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضیٰ من رسول۔ (سورہ جن: ۲۶)

خدا عالم الغیب ہے، اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسول کے۔

لا یحیطون بشی من علمہ الا بماشاء۔ (سورہ بقرہ: ۱۵۵)

اس کے علم کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ چاہے۔

ما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء۔ (سورہ آل عمران: ۱۷۹)

خدا تم کو غیب پر مطلع نہیں کرتا، لیکن جس رسول کو چاہتا ہے، چن لیتا ہے۔

یہ امر بالکل واضح ہے کہ مذکورہ بالا آیتوں میں جس طرح علم غیب کی نفی ہے۔ ان آیتوں میں اس کا ثبوت ہے، اصول تطبیق کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ پہلی آیتوں میں جس غیب کی نفی ہو وہ اس کے علاوہ ہو، جو دوسری آیتوں میں حضور کے لیے ثابت ہو، اس ۱؎ امر میں ''اہل سنت'' اور ''وہابیہ'' دونوں متفق ہیں، جہاں ثبوت ہے وہاں بعض مراد ہیں اور جہاں نفی ہے وہاں کل، کیونکہ کسی سنی عالم کے قول یا تحریر سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی سنی عالم علم خدا اور علم نبی کو برابر کہتا ہو۔

جہاں جہاں بھی ''اہلسنت'' نے حضور کے لیے علم غیب کا دعویٰ کیا ہے وہ جمیع ما کان و ما یکون تمام اشیاء یا بالفاظ دیگر ابتداء آفرینش سے لے کر قیامت تک

۱؎ وہابیہ کے اقوال اس سلسلہ میں مختلف اور متعارض رہے ہیں کبھی مطلقاً علم غیب کی نفی کرتے ہیں اور کبھی بعض علم غیب ثابت کرتے ہیں۔ منہ ۱۲

ہے، پھر کون بے وقوف کہہ سکتا ہے کہ تمام اشیاء کا علم بالفاظ دیگر کل علم الٰہی کا بعض نہیں ہے۔ ۱؎

ما بہ النزاع: اصل جھگڑا یہ ہے کہ اہل سنت اس بعض کو جس کا ثبوت قرآن سے ہے اتنا وسیع مانتے ہیں کہ کونین کی ساری وسعت اس میں سما جائے اور

۱؎ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ فاضل رحمانی نے اپنی نادانی سے مولانا عتیق الرحمٰن صاحب پر اعتراض کیا ہے کہ کہیں حضور کو جمیع ما کان و ما یکون کا علم مانتے ہیں اور کہیں بعض، گویا ان بے دال کے بودم کے نزدیک علم جمیع اشیاء اور علم بعض میں منافات ہے اور ان کو خبر نہیں کہ علم جمیع انباء یا علم ما کان و ما یکون اور علم کل بعض ہی ہے علم الٰہی کا کیونکہ علم الٰہی غیر متناہی اور علم ما کان و ما یکون متناہی، اور متناہی غیر متناہی کا بعض ہی ہوتا ہے۔ دیکھو امام رازی تفسیر کبیر میں تحت آیۃ و احاط بما لدھم و احصیٰ کل شی عددا کے فرماتے ہیں۔ قلنا لا شک ان احصاء العدد انمایکون فی المتناھی، فاما لفظۃ کل شی فانھا لا تدل علیٰ کونہ غیر متناہ لان الشئی عندنا ھو الموجودات و الموجودات متناھیۃ فی العدد، احصاء فی العدد متناہی میں ہوتا ہے، اور لفظ کل شئی متناہی ہے کیونکہ موجودات ہیں، اور موجودات متناہی ہیں، پھر یا تو علم الٰہی کو متناہی مانو یا علم کل شی کو علم الٰہی کا بعض، بندہ پرور۔

ہنوز طفلی و از نوش و نیش بے خبری
چہ علم خویش کہ از جہل خوش بے خبری

ہم آپ کو آگاہ کرتے ہیں کہ علم کل یا علم بعض ایک ہی چیز ہے، جو حضور کی صفت ہے۔

اس کی ایک سرحد وہاں سے شروع ہوتی ہے جہاں سے وجود کی ابتداء ہوتی ہے اور دوسری سرحد وہاں ختم ہوتی ہے جب اس کائنات کی عمر ختم ہوتی ہے، برخلاف اس کے اہل نجد ووہابیت ان چند جزئیات کا علم مانتے ہیں، جن کا ذکر حدیث کی کتابوں میں ہے، یا کچھ اس کے علاوہ بھی، باقی (معاذ اللہ) حضور کو اپنے خاتمے کی خبر نہیں، دیوار کے پیچھے کا علم نہیں، اپنی ازواج کی پاک دامنی کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں، آپ کے امتی جو کچھ کریں خواہ نیک خواہ بد اس سے آپ کو کچھ مطلب نہیں (وغیر ذالک من الخرافات) مزید برآں وہ چند باتیں بھی اب غیب نہیں رہ گئیں، کیونکہ جو چیز بتا دی جائے وہ غیب نہیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرے سے غیب کا علم ہی نہیں۔

مقام غور: علمائے اہل سنت کا قول ہے کہ صرف اتنا کہہ دینے سے کہ حضور کو چند باتوں کا علم تھا۔ تطبیق تام نہیں ہو جاتی، اس لیے کہ جن آیات سے ثبوت علم ہے ان میں تبیانا لکل شی اور علمک مالم تکن تعلم آیا ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس بعض کو اتنی وسعت دی جائے کہ تمام اشیاء ان میں آجائیں، رہ گیا اس پر یہ سوال کہ لازم آئے گا کہ خدا اور نبی کا علم برابر ہو جائے، تو یہ فقدان بصیرت کی پیداوار ہے، کیونکہ بے شمار فرق خدا اور بندے میں موجود ہیں۔ بندے کا علم متناہی کہ ابتدائے آفرینش سے انتہائے دنیا تک ہے، اور خدا کا علم غیر متناہی، جس کی کوئی ابتدا اور انتہا نہیں، خدا کا علم قدیم، بندے کا علم حادث، بندے کا علم عطائی، خدا کا علم ذاتی، بندے کا علم حصولی کہ پہلے نہ تھا غیر سے حاصل کیا اور حصول کے بعد بھی ذہول ممکن۔ خدا کا علم حضوری کہ طرفۃ عین کے لیے بھی اس کے علم سے کوئی چیز غائب نہیں۔ پھر ان تمام امتیازات کے باوجود کون بے وقوف ہوگا، جو خدا اور بندے کا علم یکساں اور برابر بتائے گا، اس لیے علم ماکان و

مانیکون ماننے پر بھی کوئی استحالہ لازم نہیں آتا۔

غیب تعلیم کے بعد بھی غیب ہی رہتا ہے: ہاں یہ خیال کہ تعلیم کے بعد علم غیب شہادت ہو جاتا ہے، غیب نہیں رہتا، اندھے کی لاٹھی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، کیونکہ اس کی تائید آیت، یا حدیث یا لغت وغیرہ سے نہیں ہوتی، برخلاف اس کے قرآن بار بار انھیں واقعات کو جن کی تعلیم کر چکا ہے من انباء الغیب نوحیه الیک کہہ کر اعلان کرتا ہے کہ تعلیم کے بعد بھی وہ غیب ہی رہتا ہے۔

علم غیب اور معجزہ میں منافات نہیں: علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، النبی ھو المطلع علی الغیب، نبی مطلع علی الغیب کو کہتے ہیں اور لغت میں نبی کے یہی معنی ہیں، ان امور کی روشنی میں یہ خیال کتنا احمقانہ ہے کہ بتادینے کے بعد غیب نہیں رہ جاتا، اور اس سے بھی بڑی جہالت یہ ہے کہ حضور نے جن امور کی خبر دی وہ علم غیب نہیں بلکہ از قسم معجزہ ہے گویا علم غیب اور معجزہ میں منافات ہے کہ کوئی معجزہ علم غیب نہیں ہو سکتا اور کوئی غیب معجزہ نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ ہر خرق عادت جس کا ظہور نبی سے ہو لغۃً معجزہ ہے، اور غیب کی خبریں دینا ضرور خرق عادت ہے ہم فاضل رحمانی کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کہیں سے بھی خرق عادت یا معجزہ اور علم غیب میں منافات ثابت کریں اور اپنے مولوی ہونے کی لاج رکھ لیں ورنہ سوچ سمجھ کر بولنے اور لکھنے کی عادت ڈالیں!

اول اندیش وآں گہے گفتار   پائے پیش آمدست پس دیوار

علم غیب کی یہ بحث ناقص رہ جائے گی اگر فاضل رحمانی کی ان وحشت اثر دار فتگیوں کا حال مذکور نہ ہوگا۔ جو انتہائی پاگل پنے میں ان سے سرزد ہوگئی ہیں۔ تردید حاضر ناظر ص ۲۳ پر لکھتے ہیں، نبی صاحب نبوت کو کہتے ہیں، جس کے معنی ہیں غیب کی خبر دینا، اس کے بعد حوالہ نقل کر کے لکھتے ہیں پس نبی کے معنی ہوئے غیب کی خبر دینے والا۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

آیات کی بحث

مذکورہ بالا اصول کو مدنظر رکھ کر مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے بھی ان آیتوں

اب تعریف ملاحظہ ہو، تفسیر کبیر میں ہے قول جمهور المفسرين ان الغيب هو الذي يكون غائبا عن الحاسة اور بیضاوی میں ہے الخفی الذی لا یقضیه بداهة العقل، فاضل رحمانی کی اتنی عبارت جو دیکھے گا اس سے یہی مطلب نکالے گا کہ نبی غیب کی خبر دینے والا اور غیب کا عالم ہے نیز یہ بھی کہ غیب اسی کو کہتے ہیں جو حاسہ سے غائب ہو اور جس کو بداہۃ عقل نہ جان پائے۔

یہاں تک بات صحیح کی لیکن اس کے فوراً ہی بعد بے ایمانی کی رگ جو پھڑکی تو اپنی طرف سے ایسا اضافہ کیا جو ان کی نقل کردہ تصریحات کے خلاف ہے، فرماتے ہیں ''جو بتانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں'' اس عبارت میں اور اس سے پہلی عبارت اور حوالوں میں صاف تعارض موجود ہے کہ پہلی عبارت سے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ نبی غیب کی خبر دیتا ہے اور اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نبی کو جو چیز بتانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں ہے پھر نبی غیب کی خبر کیسے دے گا، نیز اوپر کے حوالوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ غیب ہر وہ چیز ہے جو عالم سے غائب ہو۔ اور بداہۃ عقل جس کو نہ معلوم کر سکے، اور عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ کوئی چیز اگرچہ عقل سے نہ معلوم ہو اور اگرچہ غائب عن الحاسۃ ہو بالفاظ دیگر بھلے ہی غیب کی تعریف اس پر صادق آتی ہو، لیکن جہاں خدا نے بذریعہ وحی اس کی تعلیم دی وہ غیب نہیں رہی، اب اس کا فیصلہ ہم علامہ رحمانی ہی پر چھوڑتے ہیں کہ امام رازی اور بیضاوی کی تعریف صحیح ہے یا آپ کی؟ آپ نے اپنی متاخر الذکر عبارت کے ثبوت میں قرآن کی آیت سے بھی کھیلنے کی جرأت کی ہے اور عالم بے خبری میں اس تعارض کو اور سنگین بنا دیا، فرماتے ہیں عالم الغيب فلا يظهر على غيبه احدا الا من ارتضىٰ من رسول خدا معلوم اس آیت سے اس امر پر کس طرح استدلال کیا جاسکتا ہے کہ جو بتانے سے معلوم ہو۔ (بقیہ اگلے صفحے پر)

میں جہاں بظاہر علم غیب کی نفی نکلتی ہے، مذکورہ بالا تطبیق اور بعض دیگر تاویلات جو

وہ غیب نہیں بلکہ اس سے تو یہی واضح ہے کہ خدا اپنے ہی غیب پر انبیاء کو مطلع کرتا ہے۔ تفسیر بیضاوی سورۃ الجن میں ہے فلا يظهر على الغيب المخصوص به عليه الا من ارتضىٰ بعلم بعضه حتى يكون له معجزة۔ خدا اپنے مخصوص غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا، مخصوص رسولوں کے سوا کہ بطور معجزہ ان کو بعض کی اطلاع دیتا ہے اور اگر بالفرض فاضل رحمانی کا یہ استدلال مان بھی لیا جائے تو ان کو ان دو باتوں میں سے ایک کو صحیح ماننا ہوگا، اور دوسری کو غلط یا تو یہ کہیں کہ نبی غیب کی خبر نہیں دیتا یا یہ کہیں کہ جو بتانے سے معلوم ہوتا ہے وہ بھی غیب ہے اور یہ دونوں ان کے لیے زہر ہے۔

دو گونہ رنج وعذاب است جان مجنوں را

پھر اس سے بھی زیادہ تعجب انگیز بات یہ ہے کہ تفسیر کبیر کے حوالہ سے جمہور کی زبانی تعریف نقل کر کے اس کے برخلاف ایک اور تفسیر آپ نے نقل کی ہے فرماتے ہیں الغيب مالم يقم عليه دليل ولا اطلع عليه مخلوق، غیب وہ جس پر نہ کوئی دلیل قائم ہو، اور جس کو کوئی مخلوق نہ جانتا ہو، ان دونوں تعریفوں میں جو تعارض ہے وہ بھی فاضل رحمانی کی جان کو رو رہا ہے، عجیب مذاق ہے۔

تعارض کے پیچھے تناقض کا شور
تناقض کی دم میں تعارض کی ڈور

حقیقت یہ ہے کہ علم غیب کی دو قسمیں ہیں مالا دلیل علیہ اور ما دلیل علیہ، چنانچہ فاضل رحمانی نے تفسیر کبیر سے غیب کی جو تعریف نقل کی ہے اس کے آگے ہی یہ ٹکڑا تھا ثم هذا الغيب ينقسم الى ما عليه دليل و الى مادليل عليه یعنی غیب کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جو بتائی جائیں اور ایک وہ جو خدا کسی کو نہیں بتاتا لیکن چونکہ اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ جو غیب بتانے سے معلوم ہو وہ بھی

علمائے تفسیر نے بیان کی تھیں، ''خیر الانبیاء'' میں تحریر فرمایا۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ ان تمام آیتوں میں جہاں علم کی غیر خدا سے نفی ہے۔ ''ذاتی علم''

مراد ہے، اور بعض جگہیں ایسی ہیں جہاں حضور نے تواضعاً اپنے سے علم غیب کی نفی کی ہے، اور کچھ مقامات سے عدم علم کا ثبوت ہوتا ہی نہیں، بلکہ عدم دعویٰ اور عدم قول اور نہ تو عدم دعوی مفید عدم علم ہے، نہ عدم قول اور ساتھ ہی ان کتابوں کے حوالے بھی دے دیئے تھے، جہاں سے ان کو نقل کیا تھا، اگر ان تاویلات میں کوئی سقم تھا تو ان مفسرین کی بھی کوتاہی تھی لیکن فاضل رحمانی نے اپنی جہالت کے زعم میں لایعنی اعتراض سے صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالے ہیں، ہم ذیل میں فاضل مذکور کے اعتراضات اور ان کے جوابات نیز جہاں سے یہ تاویلات نقل کی گئی تھیں، ان کے حوالے لکھتے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ہمارے مخالف نے اپنی جہالت سے تفسیروں کا بھی مذاق اڑانے کی کوشش کی ہے۔

ذاتی اور عطائی: فاضل رحمانی کو ذاتی اور عطائی کے فرق پر یہ اعتراض

(بقیہ) غیب ہی ہے اس لیے خیر الانبیاء میں پوری عبارت ہونے کے باوجود اس کو ایسا ہضم کر گئے کہ ہفتوں کے بھوکے ہوں۔ لیکن یہ نگلی ہوئی ہڈی آنت میں پھنس گئی، اور باہم دو تعریفوں میں تعارض ہو گیا۔ حالانکہ اگر تفسیر کبیر کی پوری عبارت نقل کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ دوسری عبارت اس غیب کی ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، اس غیب کی نہیں جس پر دلیل ہو جو انبیاء اور اولیاء کا حصہ ہے اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ غیب کی ایک قسم وہ بھی ہے جو بتانے ہی سے معلوم ہوتی ہے۔ اور یہ ہوائی قطعاً جھوٹ ہے ''جو بتانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں''۔ وہابیہ خذلہم اللہ جب تمام حربوں سے عاجز آجاتے ہیں تو عوام کو گمراہ کرنے کے لیے کہہ دیتے ہیں، ''جو بتانے سے معلوم ہو وہ غیب نہیں''۔

ہے کہ تفریق بے معنی ہے کیونکہ آیت **لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر و ما مسنی السوء** کے معنی اس تقدیر پر یہ ہوں گے اگر میں علم غیب ذاتی جانتا تو بھلائی جمع کرتا، اور مجھ کو برائی نہ پہنچتی، حالانکہ کسب خیر اور عدم مسیس ضرر کے لیے مطلقاً علم کی ضرورت ہے، علم ذاتی اور عطائی کو اس میں کچھ دخل نہیں، کیونکہ جس طرح ایک شخص بوعلی سینا کی کتاب کا ذاتی علم رکھ کر مرض کو دفع کر سکتا ہے اسی طرح عطائی رکھنے والا بھی، اس سے معلوم ہوا کہ ذاتی اور عطائی کی تفریق بے کار ہے۔

ایں گل دیگر شگفت: یہ بحث فاضل رحمانی کی بے نور آنکھوں کو کچھ ایسی بھائی کہ اپنی کتاب میں بار بار اس کا اعادہ کیا ہے، اور ایک جگہ تو ترنگ میں آکر فرماتے ہیں کہ اسی طرح تم پوجا بھی کرو اور کہہ دو کہ حضور الہ اور معبود بالعطاء اور ان کی خدائی عطائی ہے۔ اب تک تو یہ سنا تھا کہ وہابیوں کا خدا جھوٹ ہی بول سکتا ہے، لیکن آج سے معلوم ہوا کہ ان کا خدا اپنی خدائی بھی دوسروں کو دے سکتا ہے۔ سبحان اللہ یہ علم اور تحقیق مسائل کا حوصلہ، آپ کو اتنا بھی پتہ نہیں کہ معبود بالعطاء ممکن ہو گا، اور جو ممکن ہے وہ معبود نہیں، یا بالفاظ دیگر خدا کا اپنی خدائی دوسروں کو دینا محال ہے، وہ اپنی خدائی کسی کو دے ہی نہیں سکتا، اس لیے بالذات اور بالعطاء کی بحث وہاں پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ بندہ پرور کچھ دن اور پڑھیے۔

بہرحال فاضل رحمانی کو ذاتی اور عطائی کے فرق سے انکار ہے، برخلاف اس کے علامہ ''خفاجی'' شرح شفاء میں، علامہ مناوی شرح جامع صغیر میں، ''شیخ ابن قاضی'' جامع الفصول میں، علامہ بیضاوی اپنی تفسیر میں، شیخ محمد شنوانی حاشیہ مختصر ابن جمرہ میں، امام رازی اپنی تفسیر میں اور علامہ نیشاپوری اپنی تفسیر میں تصریح کرتے ہیں کہ۔

فیہ دلالۃ علیٰ ان الغیب باستقلال لا یعلمہ الا اللہ ۔(والفظ نیشاپوری)

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ غیب کا علم ذاتی سوائے خدا کے نہیں۔

لیکن فاضل رحمانی کو ان تفسیروں اور اقوال کی کیا پرواہ، ان کو تو اپنی ابن سینا والی اچھوتی دلیل اور مثال پر ناز ہے، اس لیے ہم اس کی بھی خبر لیتے ہیں۔ معلوم نہیں ان کے دماغ میں گودا ہی نہیں یا دانستہ عقل وہاں کوچ کر جاتی ہے، جہاں ان کی طرف پانی مرتا ہے، کیونکہ خود انھیں کے قول کے مطابق ابن سینا کی کتاب سے فائدہ حاصل کرنا اور مرض سے بچنا، اگر ان کے علم ذاتی پر موقوف نہیں تو کسب خیر اور عدم مسیس ضرر کا علم غیب ذاتی پر موقوف نہ ہونا کہاں سے نکل آیا، کیونکہ خود انھیں کا قول ہے۔ الجزئی لا یکون کاسبا ولا مکتسبا نیز یہ شاہکار جہالت بھی قابل ملاحظہ ہے، کہ مرض کے علم اور ابن سینا کی کتاب کے پیدائشی علم کو علم ذاتی بنا ڈالا، حالانکہ کسی مخلوق کو کسی بھی چیز کا علم ذاتی نہیں ہو سکتا، اور ان کی اس تقریر پر تو تمام الہامات علم ذاتی ہو گئے اناللہ وانا الیہ راجعون۔

گر ہمیں مکتب وہمیں ملا کار طفلاں خراب خواہد شد

آیت میں علم ذاتی ہی مراد ہے: حقیقت یہ ہے کہ اگر ذرا بھی دقت نظر سے کام لیا جائے تو یہ امر واضح ہو جائے گا کہ کسب خیر اور عدم مسیس ضرر کا لزوم علم ذاتی کے ساتھ ہی ہے علم عطائی کے ساتھ ہرگز نہیں، کیونکہ علم عطائی تو ایسا ہے کہ کہیں اس کے مقتضا پر عمل ہوتا ہے اور کہیں نہیں، لیکن علم ذاتی ہی وہ شے ہے جس کے مقتضی ہی پر ہمیشہ عمل ہوتا ہے، بندوں کے تمام علوم عطائی ہیں، ایک شخص کے راستہ میں سانپ تھا، اس کو علم نہ تھا، کسی نے بتایا وہ یہاں بچ گیا۔ یہاں علم

عطائی کے مقتضی پر عمل ہوا۔ دوسرے شخص کو جلاد باندھ کر بادشاہ کے حکم سے قتل گاہ کی طرف لے چلا باوجودیکہ اس کو اپنے قتل ہونے کا علم وقوعہ سے پہلے ہی ہے اور بسا اوقات مہینوں پہلے بھی اس کا علم حاصل ہوتا ہے لیکن وہ اس علم کی بناء پر قتل ہونے سے نہیں بچ سکتا، یہاں علم عطائی کے مقتضی پر عمل نہیں ہوا۔ بخلاف اس کے ذاتی علم ہر شئے کا صرف خدا کو ہے، اس لیے کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی امر میں (معاذاللہ) خدا کو ضرر پہنچا، یا اس کا کوئی کام خیر سے خالی ہوا بنا بریں یہ دعویٰ بالکل صحیح ہے کہ کسب خیر اور عدم مسیس ضرر علم ذاتی ہی کو لازم ہے، اس لیے آیت میں علم ذاتی کی ہی نفی ہے۔ ورنہ ''لو'' کی شرط و جزا میں لزوم باقی نہ رہے گا، جو ضروری ہے۔

اعجاز و بلاغت اور ذاتی و عطائی: فاضل رحمانی کی یہ جہالت بھی خوب رہی کہ آیت میں علم ذاتی مراد لینے سے قرآن کے اعجاز و بلاغت میں فرق پڑ جائے گا، کیونکہ خازن میں اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ کفار نے آپ سے کہا الا یخبرک ربک بالسعر الرخیص من قبل ان یغلو و بالارض التی ترید ان تجدب فترحل الی ماقد اخصب (یعنی آپ کا پروردگار کیوں آپ کو چیزوں کا بھاؤ بڑھنے سے پہلے اور خشکی آنے سے پہلے اطلاع نہیں دیتا کہ آپ وہاں سے کوچ کر جائیں) اس کے جواب میں یہ فرمانا کہ میں غیب ذاتی نہیں جانتا نہایت مہمل ہے کیونکہ کفار کا سوال علم ذاتی کے بارے میں تھا ہی نہیں وہ تو مطلقاً علم سے سوال کرتے تھے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرآن عظیم فاضل جھنڈے نگری سے پوچھ پوچھ کر نازل ہوتا تھا، کہ دیکھئے آپ کے خودساختہ معیار بلاغت پر پورا اترتا ہے یا نہیں اولاً فاضل رحمانی کی اس تقریر کا دارومدار اس بات پر ہے کہ یقینی طور پر یہ ثابت ہو

جائے کہ اس آیت کی شان نزول کافروں کا مذکورہ بالا سوال ہے حالانکہ فاضل رحمانی نے مذکورہ شان نزول کی کوئی سند پیش نہیں کی ہے۔ اور جب تک یہ ثابت نہ کردیں ہماری توجیہ پر اعجاز بلاغت کی حیثیت سے اعتراض بالکل بے معنی اور انتہائی جہالت ہوگا۔

چاہ کن را چاہ درپیش: اور اگر ہم اس شان نزول کو جوں کا توں تسلیم بھی کرلیں تو فاضل رحمانی کی الٹی آنتیں گلے آجائیں گی، اور جان بچانا مشکل ہو جائے گا، کیونکہ سوال کے الفاظ یہ ہیں، الا یخبرک ربک اے رسول آپ کو آپ کا رب کیوں نہیں بتاتا، جواب یہ ہے کہ اگر میں غیب جانتا تو بھلائی جمع کر لیتا، ظاہر ہے کہ اس سوال وجواب میں کوئی مطابقت نہیں، اس طرح جو دلدل آپ نے ہمارے لیے تیار کیا تھا خود ہی اس میں کمر تک پھنس گئے۔

ثبوت بلاغت: اور اگر آپ کو بلاغت ہی کا شوق ہے تو سنئے، کفار نے حضور کی غیب دانی پر طنز کیا کہ اگر آپ غیب جانتے ہیں تو اتنی بات خدا سے کیوں نہیں پوچھ لیتے کہ کب بھاؤ سستا ہوگا اور کب مہنگا، کہاں فراخ سالی ہوگی اور کہاں قحط پڑے گا، تاکہ تم اوروں کی طرح ان حادثات کے وقت مصیبت میں نہ رہو، تمھارے غیب جاننے کا کیا فائدہ، تم جو عالم ہو اور ہم جاہل ہیں، دونوں نفع ونقصان میں بسا اوقات برابر ہوتے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ آپ غیب جانتے ہی نہیں، خواہ مخواہ آسمانی خبروں کا دعویٰ کرتے ہیں، کفار کا حضور کے علم پر یہ اعتراض اسی قسم کا ہے جیسا آج کل کے وہابی کرتے ہیں، کہ اگر حضور عالم غیب تھے تو وہ فلاں مصیبت سے کیوں نہیں بچے، اس پر حضور نے قرآن کے الفاظ میں جواب دیا کہ یہ ملازمہ تو صرف علم ذاتی کو حاصل ہے کہ کبھی کسب خیر اور عدم مسیس ضرر سے جدا نہیں ہوتا، اور میں علم ذاتی کا مدعی نہیں، میں تو علم عطائی کا دعویٰ کرتا

ہوں، جو قضا وقدر کے تابع ہے، اس لیے تمھارا میرے علم پر اعتراض بے جا ہے، ہاں اگر یہ خبریں ذاتی طور پر جانتا تو البتہ بھلائی جمع کرلیتا، اور ہر ضرر سے بچتا۔

ایک اور سوال کا جواب: یوں ہی قیامت کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ قتادہ کے قول کی بنا پر قریش اپنی رشتہ داری کا واسطہ دے کر قیامت کا وقت پوچھنا چاہتے تھے، حضور نے جواب دیا کہ اس کا علم ذاتی تو خدا ہی کے پاس ہے، جو اس میں تصرف کرسکتا ہے کہ بتلا دے، ہم زیادہ سے زیادہ اس کے امین اور تابع فرمان ہیں، اور جب حضور نے علم ذاتی کو خدا کی طرف منسوب فرمایا تو گویا آپ نے یہ بھی فرمادیا کہ جانتے ہوئے بھی تم کو قیامت کی خبر نہیں دے سکتا، کیونکہ صاحب علم عطائی بغیر عطا کنندہ کے حکم کے اوروں کو نہیں بتایا کرتا۔ پس یہیں سے یہ سوال بھی ختم ہوگیا کہ جب کفار کے جواب میں حضور نے یہ کہا کہ مجھ کو ذاتی علم نہیں تو کفار پلٹ کر یہ کہہ سکتے تھے کہ ہم کو ذاتی عطائی سے بحث نہیں ہم کو تو قیامت کا علم چاہیے، کیونکہ علم ذاتی کا انکار ہی تعلیم سے معذوری ظاہر کرنا ہے۔

دوسرا جواب: اور بالفرض مان لیں کہ جواب سوال میں مطابقت نہیں لیکن اس سے کلام الٰہی کی بلاغت میں فرق نہ سمجھے گا، مگر وہ جس کی آنکھ پر وہابیت کا دبیز پردہ پڑگیا ہو، کیونکہ علم بلاغت کی پہلی درسی کتاب تلخیص المفتاح اور اس کی شرح مختصر المعانی میں ہے۔

تلقی السائل بغیر ما یطلب بتنزیل سوالہ منزلۃ غیرہ ای غیر ذلک السوال تنبیھا للسائل علیٰ انہ ای ذلک الغیر اولیٰ بحالہ او المھم کقولہ تعالیٰ یسئلونک عن الاھلۃ الخ۔

اور سائل کو اس کے سوال کے خلاف جواب دینا اس کے سوال کو دوسری چیز کے قائم مقام کرتے ہوئے، سائل کو تنبیہ کرنے کے لیے، کہ وہ غیر ہی اس کے

لائق ہے، یا اہم، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں چاند کی حقیقت پوچھنے والوں کے جواب میں اس کے فوائد گنائے۔

جس سے معلوم ہوا کہ کبھی سوال کے خلاف جواب دے دیا جاتا ہے جو سائل کے مناسب اور اہم ہوتا ہے، بہت ممکن ہے کہ قرآن نے علم ذاتی کی نفی ہی یہاں اہم اور سائل کے مناسب حال قرار دی ہو، کیونکہ کفار، کاہنوں وغیرہ کے لیے علم ذاتی ہی کے قائل تھے، بہرحال علم ذاتی کی نفی ماننے پر بھی بلاغت قرآن میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تواضع کا مطلب: مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کی اس تاویل کا جواب دیتے ہوئے کہ بعض آیتوں میں تواضعاً علم کی نفی کی گئی ہے، فاضل رحمانی کہتے ہیں کہ۔

(۱) آیت قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب کے تحت علامہ خازن نے یہ لکھا ہے ان چیزوں کی نفی حضور نے اپنی ذات سے تواضعاً کی ہے، جیسا کہ خیر الانبیاء میں تحریر ہے، اگر حضور سے علم کی نفی تواضعاً کا یہ مطلب ہو کہ عالم تو تھے مگر ازراہ تواضع اپنی ذات سے علم کو دور فرمایا، تو یہ لازم آئے گا کہ فرشتہ ہونے کی نفی بھی حضور نے تواضعاً ہی کر دی ہو، اور حقیقت میں آپ فرشتہ ہوں، حالانکہ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔

(۲) نیز یہ جواب کفار کے چیلنج کے مقابلہ میں ہے۔ پس یہ بات قطعاً سمجھ میں آنے والی نہیں، ہم تو بار بار آپ کی غیرت اور علم کو چیلنج کریں اور آپ انکساری اور تواضع سے ہماری بات کا جواب نہ دیں، بلکہ اپنے عجز کا اعتراف کریں، یہی موقع تو اسلام کی شوکت ظاہر کرنے کا تھا۔

یہ بحث بڑی طویل ہے کہ اگر کسی آیت کی مختلف ٹکڑوں کی اگر کوئی عام تاویل

کی جائے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ہر ٹکڑے میں کامل یکسانیت اور ہم آہنگی ضروری ہے یا نہیں اور علامہ خازن نے آیت لا اعلم الغیب میں اگر غیب وغیرہ کی نفی تواضعاً کی، اور اس تواضع کا مطلب غیب میں یہ لینے پر کہ علم تھا مگر نفی کی، دیگر ٹکڑوں میں بھی یہی لینا پڑے گا یا نہیں؟ اس لیے طویل راستے سے قطع نظر کر کے علامہ خازن کی عبارت سے یہ بصراحت ثابت کرتے ہیں کہ انھوں نے علم غیب کی تواضعاً نفی کے بھی یہی معنی لیے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب تھا، لیکن تواضعاً نفی کی۔

آیت ''ولو کنت اعلم الغیب'' کے ماتحت بیان فرماتے ہیں۔

فان قلت قد اخبر صلی اللہ علیہ وسلم عن المغیبات و قدجاء احادیث بذلک وھو من اعظم معجزاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فکیف الجمع بینہ و بین قولہ لو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر، قلت یحتمل ان یکون قال ذلک علیٰ سبیل التواضع والادب۔

اگر تم اعتراض کرو کہ حضور نے غیب کی خبر دی، پھر اس آیت اور ان احادیث میں جس میں اخبار بالغیب ہے تطبیق کیسے ممکن ہے، جواب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ حضور نے ادباً اور تواضعاً کہا ہو۔

یہاں اس اعتراض کا جواب دے رہے ہیں کہ حضور غیب جانتے ہیں پھر کیوں قرآن نے آپ سے غیب کی نفی کی، اور یہ اعتراض اس بات کو مان کر کیا گیا ہے کہ حضور کو علم غیب تھا، اور علامہ نے اس اصل کو تسلیم کر کے ہی جواب دیا ہے، اس لیے تواضعاً نفی علم کا مطلب ہی یہ ہوگا کہ علم غیب جانتے ہوئے ہی نفی کی ہے، اب فاضل رحمانی کو اختیار ہے کہ اس تصریح کے بعد بھی انکار ہی کرتے چلے جائیں، یا کچھ بھی شرم و حیا کا لحاظ کریں، اور اعتراف کریں کہ تواضعاً علم کی نفی کا

مطلب علامہ خازن کے نزدیک انکار بر بنائے علم ہی ہے۔

نامعقول اپچ: یونہی چیلنج کے موقع پر تواضعاً علم سے انکار کو بھی نازیبا کہہ کر انکار کرنا فاضل رحمانی کی نامعقول اپچ ہے، اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ جب چیلنج کیا جائے، اس وقت بہر نوع جواب دینا ضروری ہے، اگر قدرت کے باوجود جواب نہ دیا تو نازیبا ہے، لیکن اس اندھے کو یہ نہ معلوم ہوا کہ بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی، کیونکہ خود اسی فاضل کے قول کے مطابق کفار نے حضور سے یہ سوال کیا الا یخبرک ربک یہ سوال حضور کے واسطے سے خدا سے ہی تھا کہ تمھارا رب تم کو آئندہ باتوں کی اطلاع کیوں نہیں دیتا۔ کم از کم خدا کے بارے میں یہ تو سبھی مانتے ہیں کہ خدا حضور کو آئندہ کی خبروں کے بتانے پر قادر ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ کفار کے اس چیلنج کے جواب میں خدا بھی وہی نازیبا (معاذ اللہ) بات کرتا ہے کہ چیلنج کے موقع پر قدرت کے باوجود حضور کو آئندہ کی خبروں کا علم نہیں دیتا، بلکہ اور اس بات کا اعتراف کرواتا ہے کہ ہم کو علم نہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ سب جاہلانہ اور دماغی عیاشیاں ہیں، اور ہر معقول بات کے جواب میں فاضل رحمانی کی طرح نامعقول باتیں کہی جاسکتی ہیں، نامعقولیت کا دروازہ تو کبھی بھی بند نہیں ہو سکتا۔

عدم دعوی اور عدم قول: مولانا عتیق الرحمن صاحب کی اس تاویل (کہ آیت لا اقول لکم میں قول اور دعوی کی نفی کی گئی ہے نہ علم کی) پر فاضل رحمانی کی خامہ فرسائی کا خلاصہ یہ ہے کہ ''حضور کہتے ہیں نہ تو میں کسی غیب دانی کا قول کرتا ہوں، نہ خزائن اللہ کے مالک ہونے کا''۔ پس ہم کو بھی لازم ہے کہ ایسا قول نہ کریں۔

یہاں قابل لحاظ بات یہ ہے کہ عدم دعوی، عدم علم اور وجود علم دونوں ہی

شکلوں میں ہوسکتا ہے، لیکن اگر صرف یہی آیت ہوتی تو عدم دعوی بر بنائے عدم علم مان کر ہم فاضل رحمانی کی یہ بزرگانہ نصیحت تسلیم کر لیتے، کہ ہم بھی آپ کے لیے علم غیب کا دعوی نہ کریں اور جب اس کے مقابلہ وما هو علی الغیب بضنین، نزلنا علیک تبیانا لکل شی بھی موجود ہے، اور جب قرآن بار بار آپ کو صاحب علم غیب کہتا ہے تو پھر اس کے علاوہ اور چارہ کار کیا رہ جاتا ہے عدم دعوی بر بنائے انکسار ہے، مگر فاضل رحمانی تو اس قدر عقل سے اندھے ہیں اور ان کا یہ اندھا پن اتنا کارآمد ہے کہ جہاں ان پر زد پڑی، آنکھیں چوپٹ ہوگئیں، اور جہاں کوئی مفید بات نظر آئی تو آسمان تک نظر آنے لگا، ورنہ یہ بات بڑی واضح ہے کہ علم غیب کا ثبوت جن آیتوں سے ہوتا ہے یہ آیات بظاہر اس کے خلاف ہیں، اور اس ظاہری تعارض کو دفع کرنے کے لیے علماء نے مختلف تاویلیں کی ہیں، جن میں ایک یہ بھی ہے، اس آیت میں عدم دعوی اور دوسرے میں ثبوت اور عدم دعوی ثبوت کے منافی نہیں ہے یہ کوئی الگ مستقل دلیل نہیں کہ اس میں احتمال پیدا کر دینے سے ہمارا استدلال ہی ختم ہوجائے استدلال تو آیات مثبتہ سے ہے،

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا: فاضل رحمانی کو اس بات کا اعتراف ہے کہ آیت لا اعلم الغیب دعوی علم غیب کے معارضہ کے طور پر پیش کی گئی تھی، تردید ص ۶۱ اور ص ۷ میں اقرار کرتے ہیں کہ آیت مذکورہ میں ''حضور سے جس علم کی نفی ہے، وہ رفع ایجاب کلی یعنی ایسا علم ہے کہ اس سے غیب کا کوئی فرد خارج نہ ہو۔ اور جن آیتوں میں ثبوت علم ہے وہاں بعض مراد ہے، اور کل کی نفی بعض کے ایجاب کے منافی نہیں، اس لیے دونوں آیتوں میں کوئی اختلاف نہیں''۔

فاضل رحمانی کے مذکورہ بالا دونوں اعتراضوں سے دو باتیں واضح ہوئیں،

علمائے اہل سنت کے دعویٰ علم غیب کے مقابلہ میں آیت لا اعلم الغیب پیش کی گئی ہے، اور اس آیت میں بعض علم کی نفی نہیں ہے بلکہ کل علم کی نفی ہے اگر بعض علم کا ثبوت کہا جائے تو آیت سے استدلال عدم علم پر غلط ہوگا، اور گزشتہ صفحات میں ہم یہ واضح کر آئے ہیں کہ علمائے اہل سنت بعض علم غیب کے ثبوت کے ہی قائل ہیں ہاں وہ بعض اتنا وسیع ہے کہ ابتدائے آفرینش سے اختتام دنیا تک اس میں آجائے، لیکن ہے تو بعض ہی، پھر فاضل رحمانی یہ اقرار کرتے ہوئے بھی (کہ آیت سے بعض علم کی نفی پر استدلال نہیں ہوسکتا) کیوں استدلال کرتے ہیں۔

عندہ مفاتیح الغیب: فاضل رحمانی نے اس آیت کو بھی بڑے طمطراق سے پیش کیا ہے، فرماتے ہیں، اور صحیح بخاری سے اس کی تفسیر بھی نقل کرتے ہیں۔

''مفاتیح الغیب پانچ چیزیں ہیں، جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں، کل کا علم، جو رحم میں ہو اس کا علم، بارش کا علم، موت کا علم، قیامت کا علم، یہ تفسیر راجح ہے، یہ حضور سے مروی ہے، خازن نے سب سے پہلے لکھا ہے۔ (ملخصا)

وہ جو کسی نے کہا ہے ''دیوانہ بکار خویش ہوشیار'' اس کے پورے مصداق رحمانی میاں ہی ہیں، دیکھئے مطلب کی بات کے لیے تو آیت کی تفسیر بخاری سے تلاش کی اور جہاں اپنے خلاف دیکھا، اندھے بن گئے، اور اس حدیث کی شروح سے آنکھ بچالی، ورنہ وہ دیکھتے کہ اس حدیث کی شرح میں علامہ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں، وہ کہتے ہیں۔

مراد آنست کہ بے تعلیم الٰہی بحساب عقل ہیچ کس ایشاں را نہ داند۔ (اشعۃ اللمعات ص ۴۲)

مطلب یہ ہے کہ بے تعلیم الٰہی عقل کے حساب سے کوئی اس کو نہیں جانتا۔

جس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ان چیزوں کی نفی علم ذاتی کے طور پر ہے نیز

علامہ ملا علی قاری مرقات میں، امام قرطبی شرح صحیح مسلم میں، علامہ عینی، اور امام احمد قسطلانی نے شرح بخاری میں اس حدیث کی شرح میں فرمایا۔

لا مطمع لاحد فی علم ھذا لاشیاء بھذا الحدیث فمن ادعی شیٔ منھا غیر مستندا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدعواہ کاذب۔

کسی ایک کو بھی ان چیزوں کے علم کی طمع نہ ہو، جس کسی نے ان میں سے کسی کے علم کا دعویٰ بغیر حضور کی طرف نسبت کئے کیا، اس کا دعویٰ باطل ہے۔

کیا بتایا جائے۔

پڑھا علم دیں دین داری نہ آئی
بخار آیا ان کو بخاری نہ آئی

دیکھئے یہاں یہ جلیل القدر علماء رسول کریم ﷺ کے علاوہ دیگر آدمیوں کو بھی ان پانچ چیزوں کے علم کا دعویٰ کرنے کی اجازت دیتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ اس علم کی نسبت حضور کی طرف کرلو، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوا۔ دیکھئے آپ کی مستند تفسیروں سے ان پانچوں کا علم غیر خدا کے لیے ثابت ہو گیا، آپ تو فور تعجب سے پاگل ہو رہے ہوں گے۔ مگر کیا کیجئے گا، صبر کیجئے۔

دکھلائے جو فلک سو وہ ناچار دیکھنا

لاتدری ما احدثوا بعدک: فاضل جھنڈے نگری کا خیال ہے کہ بعض مکنونات کو حضور نہیں جانتے جب ہی تو قیامت میں بعض امتیوں کے متعلق حضور سے کہا جائے گا، لاتدری ما احدثوا بعدک آپ کے بعد ان لوگوں نے کیا کیا، آپ نہیں جانتے۔

مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے اس فاضل کی جہالت پر روشنی ڈالی تھی کہ

"حضور خود ہی بیان فرمار ہے ہیں کہ کل قیامت میں ایسا ہوگا۔ فرشتہ یوں کہیں گے میں یوں کہوں گا، پھر لاعلمی کہاں سے نکلی، وہ بات گڑھ سے؟" اس پر بڑا چک کر فاضل رحمانی کہتے ہیں کہ واہ جناب! ہمارا استدلال لاتدری سے تھا، گویا حضور ان واقعات کے لاکھ عالم سہی، لیکن ہم تو انکار کئے جائیں گے، کہ لاتدری کا لفظ دیکھ لیا، یہاں ہم کو پھر اس کامیاب کم نگاہی کی داد دینی پڑتی ہے کہ مطلب کی بات کیا سوجھ گئی، کہ لاتدری مگر ہم تو مولانا کے چودہ طبق روشن کر کے چھوڑیں گے۔

یہاں مندرجہ ذیل امور قابل تنقیح ہیں۔

۱۔ حضور کو علم تھا، یا نہیں ۲۔ اگر تھا تو لاتدری کیوں کہا گیا۔

حضور کو علم تھا: مسند بزار عن عبداللہ بن مسعود، مسند حایث، امام ترمذی، ابونعیم، امام عبداللہ بن مبارک نے حدیث تخریج کی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور پر اعمال امت پیش ہوتے ہیں۔

اعمال امت کی تفصیل: صحیح مسلم، امام احمد، سنن ابن ماجہ، ابوداؤد، ترمذی، طبرانی نے حدیث تخریج کی جس کا مضمون یہ کہ میری امت کے اعمال اچھے برے سبھی پیش آتے ہیں، یہاں تک تفصیل ہوتی ہے کہ مسجد سے کوڑا صاف کرنا بھی پیش ہوتا ہے۔

مرتد ہونے کا حال بھی دکھایا گیا: صحیح بخاری شریف کی حدیث ہے۔

بينما انا نائم فاذا ز مرة انا اعرفهم حتى خرج رجل بيني و بينهم فقال هلم قلت اين قال الى النار و اليه قلت ما شانهم قال انهم ارتدوا بعدك علىٰ ادبارهم القهقرى۔

اس بیچ میں کہ میں سویا تھا، دیکھا ایک جماعت جن کو میں پہنچانتا تھا، میرے

اور اس جماعت کے درمیان میں ایک آدمی حائل ہو گیا، اور کہا کہ چلو میں نے کہا ان کو کہاں لے جا رہے ہو کہا دوزخ میں نے پوچھا کیوں، کہا آپ کے بعد پیچھے پھر گئے مرتد ہو گئے۔

عمدۃ القاری و فتح الباری وغیرہ میں اس کا مطلب لکھا ہے۔

انه رأى فى المنام ما سيقع لهم فى الاخرة۔

خواب میں وہ بات دکھائی گئی، جو قیامت میں ہونے والی تھی۔

جس سے معلوم ہوا کہ مرتد ہو کر کل قیامت میں جو لوگ جہنم میں جائیں گے، وہ سب آپ کو دکھا دیئے گئے ہیں، پھر لاتدری کا کیا مطلب؟

لاتدری کا مطلب: یہی حدیث صحیح مسلم میں ان الفاظ میں مروی ہے۔ اما شعرت، کیا آپ کو پتہ نہیں؟ کہ ان لوگوں نے آپ کے بعد کیا کیا، نیز بروایت ابوہریرہ هل تدرى ما احدثوا بعدك جس کا ترجمہ ہوا آپ تو جانتے ہی ہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا کیا، جس طرح هل اتى على الانسان حين من الدهر میں، صحیح بخاری میں یہ حدیث بروایت اسماء ھل شعرت ہے اور کچھ روایتوں میں لاتدری بھی ہے، فاضل رحمانی کی کج نگاہوں نے صرف لاتدری دیکھا، ورنہ روایت کے دیگر طریقوں کو دیکھتے ہوئے اصول تطبیق پر یہاں بھی ہمزہ استفہام انکاری محذوف ماننا پڑے گا جیسا کہ آیت هذا ربی میں ہے، اور اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے، کہ کیا آپ کو پتہ نہیں یعنی ہے، ورنہ یہ تو آپ کو تسلیم ہی کرنا پڑے گا کہ بعض حدیثوں سے ثبوت علم ہے اور بعض سے نفی، اس لیے نفی والی حدیث ذہول پر مبنی ہے، تاکہ دونوں میں تطبیق ہو جائے، مگر آپ کو تو اپنے لاتدری کے غمزہ شاہدانہ سے ہی فرصت نہیں ملتی، اور آپ کو کون بتائے کہ۔

ترا کہ گفت کہ اے نازنیں زپردہ برآ
زغمزہ برصف مرداں ۔ شیرا فگن زن

واقعات کی بحث

واقعات کی ایک طویل فہرست ہے کہ اگر حضور کو علم تھا تو فلاں واقعہ میں کیونکر ایسا ہونے سے بچانہ لیا۔ ایسا کیوں نہ کیا، اور ایسا کیوں نہ کیا؟ اس پر مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے ایک بڑی دلچسپ گرفت کی تھی، کہ اگر اسی طرح حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم علم پر استدلال کیا جا سکتا ہے تو پھر خدائے ذوالجلال کے بارے میں تمھارا کیا خیال ہے کیا معاذ اللہ وہ بھی عالم نہ تھا، آخر اس نے اپنے نبی کی چہیتی بیوی کو ''تہمت افک'' سے کیوں نہ بچالیا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مہینوں ضیق میں رکھا جب کہ بارہا ان کی ذرا ذرا سی تکلیف پر قرآن فوراً ہی نازل کر دیا کرتا تھا، اس واقعہ میں تاخیر وحی کیوں ہوئی، یا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہادت سے کیوں نہ بچالیا، جب کہ ایک مسلمان سردار کا ایسے وقت میں زندہ رہنا بہر حال مفید تھا، معلوم ہوا کہ علم کے مقتضی پر بظاہر عمل نہ کرنا عدم علم کی دلیل نہیں۔

اس معارضے پر آپ سے کچھ بن نہ آئی، تو مولانا عتیق الرحمٰن صاحب کو برا بھلا کہہ کر یہ جواب دیا کہ خدا کی مشیت اور مصلحت ہی ایسی تھی، اور خدا سے اس کی مشیت کے بارے میں سوال نہیں ہو سکتا! کہ ایسا کیوں ہوا جبکہ دوسروں سے سوال ہو سکتا ہے، آیت لایسئل عما یفعل وھم یسئلون.

اللہ اللہ یہ منہ اور مسور کی دال قرآن شریف سمجھنے چلے ہیں، مولانا اردو ترجمہ دیکھ لینا اور بات ہے، اور فہم قرآن اور، سوال یہ ہے کہ آیت میں سوال سے کیا مراد ہے، سوال برائے علم یا برائے احتساب، اگر آپ سوال برائے علم مراد لیتے

ہیں، کہ جاننے کے لیے بھی نہیں پوچھ سکتے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا جواز پیدا کرو جو انھوں نے قرآن کے الفاظ میں اپنے رب سے کیا تھا رب ارنی کیف تحی الموتی یا حضرت نوح علیہ السلام کی یہ بات رب ان ابنی من اھلی (خدایا میرا لڑکا تو میرے اہل سے تھا) اور تو نے کہا کہ تیری اہل نجات یاب ہوگی۔

اور اگر سوال سے سوال احتساب و اعتراض مراد ہے تو یہ ٹھیک ہے کہ خدا کے افعال کا احتساب نہیں، دوسروں کا ہوگا، لیکن حضور کی شان میں اس آیت کا پڑھنا اولاً تو دائرہ محبت سے خارج، ثانیاً آپ اپنی اوقات تو دیکھئے پھر بعد میں حضور کے اعمال واحوال کا حساب کیجئے گا۔ قبلہ! شرک و بدعت کی مشین چلانا اور ہے، اور قرآن فہمی اور

آیت کا مطلب یہ ہے کہ خدا کا کوئی محاسب نہیں، کہ اس کے افعال پر اعتراض کر سکے، اور خدا سب سے حساب لے گا، اس آیت کو اس مبحث سے کیا علاقہ! کیا آپ اس آیت کی ناجائز آڑ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محاسب بننے کا خواب دیکھ رہے ہیں، کیوں نہ ہو آپ بھی تو انھیں میں سے ہیں جن کے لیے کہا گیا ہے۔

ذکر رد کے ، فضل کاٹے، نقص کا جویاں رہے
پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

اصل مسئلہ کی وضاحت: سوچنا چاہیے کہ بقول فاضل رحمانی واقعہ افک شہادت حمزہ، اور اس قسم کے دیگر تمام واقعات میں مشیت ایزدی تو یہی تھی کہ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنی دیر دکھ میں رہیں، حضرت حمزہ شہید ہوں، وغیرہ

وغیرہ۔ لیکن یہ عقل کے اندھے چاہتے ہیں کہ حضور خدا کی مشیت کی مخالفت کریں۔ اگر عالم تھے تو بتا دینا چاہیے تھا۔ یہ یاد رکھو کہ خدا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے عالم نہیں بنایا کہ وہ رموز الٰہی جان کر اس کی مرضی کے خلاف کریں، نہ کسی وارفتہ دنیا کو حضور سے اس قسم کی توقع رکھنا چاہیے۔

اس لیے ان تمام واقعات وحوادث میں جہاں تمھاری عقل مقتضائے علم پر علم نہ کرنے کی کوئی صحیح توجیہ نہ ڈھونڈھ پائے یہ سمجھ لو کہ خدا کی مرضی یہی تھی، اور جس طرح خدا عالم ہونے کے باوجود اپنی مرضی کے خلاف نہیں کرتا، حضور سے بھی علم کے باوجود امید نہ رکھو، کہ وہ خدا کی مشیت کے خلاف لب بھی ہلائیں گے، جیسے ایک داروغہ بالائی حکم کی وجہ سے مجبور ہے کہ اپنے بھائی کو اس کی گرفتاری کے وارنٹ کی خبر نہ دے، بلکہ خود ہی اسے گرفتار بھی کرے، حالانکہ اس کو اس کی خبر پہلے سے ہے، اور بھائی ہونے کی حیثیت سے اس کے دل میں بچانے کا جذبہ بھی ہوتا ہے۔

خاتمہ

اس رسالہ میں ہر ممکن اختصار کو مدنظر رکھ کر اصل مسئلہ ''حاضر ناظر'' پر قرار واقعی روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی۔ جس کا خلاصہ ایک نظر میں یہ ہے کہ حضور کا بیک وقت کئی جگہ ہونا، یا سارے عالم کی خبر رکھنا کسی طرح شرعاً ناممکن نہیں، نہ شرک لازم آتا ہے، کیونکہ ایسا ہی (عطائی) حضور اور قدرت، اگر خدا کے لیے مان لیا جائے تو خدا خدا نہ رہ جائے۔

اس سلسلہ میں خیر الانبیاء کے دعاوی مجموعی حیثیت سے حق و درست ہیں اور

مولوی عبدالرؤف یا ان کے ابنائے جنس اس سلسلہ میں جو جو حماقتیں کرتے اور مجنونانہ بڑھ ہانکتے ہیں، ان کا دماغ بفضل ایزدی ہر وقت درست کیا جا سکتا ہے، اور وقت کے سب سے بڑے خبطی الحواس اپنی اکلوتی من بھاتی دلیل، اور بے معنی اڑن کھائیوں کی عبرت ناک خستگی کو دیکھیں اور عبرت حاصل کریں کہ۔

اے روبہک چرا نہ نشستی بجائے خویش
باشیر پنجہ کردی و دیدی سزائے خویش

☆☆☆

ادارہ کی ایک اہم پیشکش

غیر مقلدین کو دعوت انصاف

(۴ جلد مطبوعہ) صفحات 1136 ہدیہ فی جلد 350 روپے

تالیف: محمد نعیم اللہ خاں قادری

(بی ایس سی۔ بی ایڈ / ایم اے اردو۔ پنجابی۔ تاریخ)

ملنے کا پتہ

فیضان مدینہ پبلیکیشنز جامع مسجد عمر روڈ کاموکے

شرک کے موضوع پر لاجواب کتاب

شرک کی حقیقت

تالیف: محمد نعیم اللہ خاں قادری

(بی ایس سی۔ بی ایڈ / ایم اے اردو۔ پنجابی۔ تاریخ)

ملنے کا پتہ:

فیضان مدینہ پبلیکیشنز جامع مسجد عمر روڈ کاموکے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

القول السدید فی بیان معنی الشاھد و الشھید

مسئلہ حاضر و ناظر

قرآن و حدیث اور اقوال ائمہ دین کی روشنی میں

تحریر

ملک المدرسین مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ
وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

یہ مقالہ مبارکہ ملک المدرسین، استاذ الاساتذہ مولانا علامہ عطا محمد چشتی گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ (ولادت ۱۹۱۶ء ______ وفات ۴/ذیقعدہ مطابق ۲۱/ فروری ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء) نے کئی سال قبل تحریر کیا تھا، اس کا عنوان ہے:

القول السدید فی بیان معنی الشاھد والشھید

اس میں انہوں نے قرآن وحدیث، لغت اور ائمہ مفسرین ومترجمین کے اقوال کی روشنی میں مسئلۂ حاضر وناظر بیان کیا ہے، اہل سنت وجماعت کے موقف کی وضاحت کے ساتھ مخالفین کے شبہات کا ازالہ بھی فرمایا ہے۔

حضرت ملک المدرسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس مسئلے میں اہل سنت وجماعت کا یہ عقیدہ تحریر فرمایا ہے اور اسی کو مختار قرار دیا ہے:

آپ کے حاضر ناظر ہونے کا یہی عقیدہ ہونا چاہیے کہ آپ اپنے مقام اعلیٰ وارفع میں تشریف فرما ہیں اور تمام عالم ہاتھ کی ہتھیلی کی طرح آپ کے سامنے ہے۔

حاضر ناظر کے مسئلہ میں یہ عقیدہ غلط ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات مقدسہ متعدد ہو جاتی ہے اور متعدد میں سے ہر ایک آپ کا عین ہے۔

راقم الحروف نے جو علمی اور عملی اعتبار سے کسی شمار میں نہیں اور حضرت ملک المدرسین کے ادنیٰ دریوزہ گروں میں سے ہے، اس موضوع پر ایک مقالہ لکھا ہے "الحبیب فی رحاب الحبیب حاضر" اس کا ترجمہ "روح اعظم کی کائنات میں جلوہ گری" کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس میں اس مسئلہ پر بھی گفتگو کی ہے کہ ایک شخص کا متعدد مقامات میں دیکھا جانا جائز ہی نہیں بلکہ بالفعل واقع ہے۔

اس کی چند صورتیں ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ حجابات اُٹھادے اور ایک شخص کو کئی جگہوں پر دیکھا جائے، باوجودیکہ وہ ایک ہی جگہ موجود ہو۔

۲- ایک شخص ایک ہی جگہ موجود ہو، لیکن اس کی تصویریں کئی جگہ دیکھی جائیں، جیسے ٹیلیویژن میں ہے۔

۳- اللہ تعالیٰ ایک شخص کے لیے متعدد مثالی اجسام تابع فرمان فرمادے اور ان میں ایک

ہی روح تصرف کرے، اس سے تکثر جزئی لازم نہیں آئے گا جو مناطقہ کے نزدیک محال ہے، کیونکہ وحدت اور تعدد کا مدار روح پر ہے اور وہ ایک ہے لہذا شخص بھی ایک ہو گا اگرچہ اجسام متعدد ہوں۔ ۱

حضرت قرہ مزنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کا بیٹا فوت ہو گیا، نبی اکرم ﷺ نے اسے فرمایا:

کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے؟ کہ تم جنت کے جس دروازے پر بھی جاؤ اسے انتظار کرتے ہوئے پاؤ۔

حضرت ملا علی قاری نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا:

اس میں اشارہ ہے کہ خلاف عادت متعدد مکتسب اجسام ہو سکتے ہیں، کیونکہ بیٹا جنت کے ہر دروازے میں موجود ہو گا۔ ۲

امام علامہ سیوطی، علامہ علاء الدین قونوی سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ محال نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کو دو یا اس سے زیادہ اجسام میں تصرف کی اجازت عطا فرما دے، اس قاعدے سے بہت سے مسائل کا استخراج کیا جا سکتا ہے اور بہت سے اشکالات حل ہو سکتے ہیں۔ ۳

علامہ الوسی بغدادی مختلف جگہوں میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

نبی اکرم ﷺ کی روح اقدس آپ کے جسد اکرم کے ساتھ متعلق ہونے کے باوجود متشکل ہو کر سامنے آجاتی ہے اور اس کی زیارت ہوتی ہے، جیسے بعض علماء نے فرمایا کہ جبریل امین علیہ السلام حضرت دحیہ کلبی کی صورت میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے باوجود سدرۃ المنتہیٰ سے جدا نہیں ہوتے تھے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی روح مبارک جسم مثالی سے متعلق ہو جاتی ہے، اور اس امر میں کوئی مانع نہیں ہے کہ ان گنت مثالی اجسام ہوں اور ہر ایک جسم کے ساتھ آپ کی روح اقدس متعلق ہو، یہ تعلق ایسے

۱۔ محمد عبد الحکیم شرف قادری، علامہ: من عقائد اہل السنۃ ص ۳۴۵
۲۔ علی بن سلطان محمد قاری، علامہ: مرقاۃ المفاتیح (ملتان) ۱۰۹/۴
۳۔ عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی، امام: الحاوی للفتاوی، ۲۱۹/۱

ہی ہو گا جیسے ایک روح کا تعلق ایک جسم کے اجزاء سے ہوتا ہے (ملخصاً) ۱

تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی تالیف "من عقائد اہل السنۃ" (ص ۳۴۵-۳۵۷)

اس گفتگو کا مقصد صرف اتنا ہے کہ اس مسئلے کا دوسرا پہلو بھی قارئین کرام کے سامنے پیش کر دیا جائے۔

قارئین کرام! ملک المدرسین حضرت علامہ مولانا عطا محمد چشتی گولڑوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کسی قدر تفصیلی حالات کا مطالعہ کرنے کے لیے راقم الحروف کی کتاب "نور نور چہرے" ملاحظہ فرمائیں۔ اس وقت راقم صرف چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہے:

۱۔ راقم نے درس نظامی کا اتنا کثیر الفیض مدرس نہیں دیکھا، ساٹھ سال کے قریب آپ نے مسند تدریس کو رونق بخشی اور اس وقت آپ کے بیسیوں شاگرد پاکستان اور بیرونی ممالک میں علوم دینیہ کی خدمت یعنی تدریس اور تبلیغ میں مصروف ہیں، پاکستان کے اکثر مدارس آپ کے شاگردوں اور ان کے شاگردوں کی بدولت آباد ہیں۔ آپ کے سلسلۂ تلامذہ کی چوتھی اور پانچویں کڑی بھی مصروف تدریس ہے۔

۲۔ آپ نے خالص مدرسانہ زندگی گزاری، یعنی نہ تو مسند مشیخت اور پیری سنبھالی اور نہ ہی خطابت کا میدان اپنایا، اس کے باوجود آپ کے شاگرد آپ سے والہانہ محبت و عقیدت رکھتے ہیں۔ یہ محبوبیت کسی دوسرے مدرس میں دکھائی نہیں دیتی۔

۳۔ انہیں جہاں اپنے پیر طریقت آفتاب گولڑہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی اور حضرت خواجہ پیر سید غلام محی الدین گولڑوی (بابو جی) رحمہما اللہ تعالیٰ سے بے پناہ عقیدت تھی وہاں اپنے اساتذہ حضرت مولانا یار محمد بندیالوی اور حضرت مولانا مہر محمد اچھروی رحمہما اللہ تعالیٰ سے بھی گہری عقیدت و محبت تھی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ملک المدرسین کو فیض و برکت کا دریا اور شاگردوں کا محبوب ترین استاد بنا دیا۔

آج کے طلباء کے لیے ملک المدرسین کا پیغام یہ ہے کہ عقیدت و محبت کا مرکز صرف پیر و مرشد ہی نہیں بلکہ استاذ اور ولی نعمت بھی ہونا چاہیے، تب ہی اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم شامل حال ہوتا ہے اور سرکار دو عالم ﷺ کی نگاہ عنایت انسان کو میسر ہوتی ہے۔

۱۱ر رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ — **محمد عبد الحکیم شرف قادری**

۱۰ر دسمبر ۱۹۹۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لأهله والصلوٰة والسلام على أهلهما أمّا بعد!

بندہ فقیر پر تفسیر عطا محمد چشتی گولڑوی بعد از السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اہل سنت و جماعت کی خدمت میں عرض کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے حبیب لبیب، سرور دو عالم سرکار مدینہ ﷺ کو قرآن پاک میں "شہید" اور "شاہد" فرمایا ہے۔

آیات ملاحظہ ہوں:

۱- قولہٗ تعالیٰ ویکون الرسول علیکم شہیدا "(سورہ بقرہ ۲/۱۴۳)
اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ۔

۲- وقولہ تعالیٰ فکیف اذا جئنا من کل اُمّۃ بشہید و جئنا بك على هٰؤلاء شهيدا "(سورہ النساء ۴/۴۱)
تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ و نگہبان بنا کر لائیں۔

۳- وقولہ تعالیٰ یاایہا النبی انّا ارسلنك شاهدا "(سورہ احزاب ۳۳/۴۵)
اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا۔

بندہ اس مضمون میں یہ بیان کرے گا کہ شہید اور شاہد کا لغت میں کیا معنی ہے؟ اور مستند مفسرین اور محدثین نے اس سے کیا مراد لیا ہے؟ اور آنحضرت ﷺ کو شہید اور شاہد کس معنی میں فرمایا گیا ہے؟۔

مفردات امام راغب میں ہے:

"الشهود والشهادة الحضور مع المشاهدة إمّا بالبصر أو بالبصيرة"
یعنی شہود اور شہادت میں شاہد اور شہید کا حاضر ہونا اور دیکھنا ضروری ہے خواہ آنکھ سے دیکھنا ہو یا دل سے۔

یہ شہادت اور شہود کا اصلی معنی ہے، آگے چل کر اسی مفردات میں فرمایا:

"والشهادة قول صادر عن علم حصل بمشاهدة بصيرةٍ أو بصر"
یعنی شہادت اس قول کو کہا جاتا ہے کہ کہنے والے کو اس کا پورا علم ہو اور وہ علم نظر عقل یا آنکھ کی نظر سے حاصل ہو۔

ان عبارات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ شاہد اور شہید کے لئے لغت کے لحاظ سے حاضر اور محضور (محضور اس کو کہتے ہیں جس کے سامنے کوئی اور حاضر ہو) کے لئے ناظر ہونا ضروری ہے۔

بیضاوی شریف میں تحت قولہ تعالیٰ (وادعوا شهداء كم الآية) مذکور ہے:

"الشهداء جمع شهيد بمعنى الحاضر أو القائم بالشهادة أو الناصر أو الامام و كأنّهُ يحضر النوادى ويبرم بمحضره الامور إذ التركيب للحضور إما بالذات أو بالتصور ومنه قيل للمقتول فى سبيل الله شهيد لانه حضر ما كان يرجوه أو الملئكة حضروه"

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ شہداء شہید کی جمع ہے اور شہید کا اصلی اور لغوی معنی حاضر ہے اور جہاں بھی یہ ترکیب آئے گی، یعنی پہلے شین ہو اس کے بعد ھا ہو اور اس کے بعد دال ہو تو اس میں حضور والا معنی لازماً معتبر ہوگا۔

علامہ عبدالحکیم فاضل لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بیضاوی کے حاشیہ میں اسکی چند مثالیں دی ہیں جن میں یہ مادہ پایا جاتا ہے۔

" كالشهادة مصدر شهد كعلم و كرم والشهود مصدر شهدهٗ كسمعهٗ شهودا حضرهٗ والمشاهدة بمعنى المعاينة للحضور"

یعنی ان تمام مثالوں میں حضور والا معنی ہے اور مشاہدۃ میں دیکھنا بھی ضروری ہے جیسے قائم بالشہادۃ جس سے مراد کسی واقعہ کا گواہ ہے اور ناصر جس سے مراد مددگار ہے اور امام جس سے مراد مسلمانوں کا خلیفہ ہے، علامہ بیضاوی نے ان پر بھی لفظ شہید کا اطلاق کیا ہے، حالانکہ بظاہر ان میں حضور والا معنی نہیں پایا جاتا اس لئے علامہ بیضاوی

نے مذکورہ بالا عبارت میں تصریح فرمادی کہ ان تینوں یعنی گواہ اور مددگار اور امام میں بھی حضور والا معنی پایا جاتا ہے، کیونکہ گواہ اور مددگار تو مجلسوں میں حاضر ہوتے ہیں اور امام کے روبرو اور اس کے حضور میں مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں۔

اس عبارت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ شاھد اور شھید کے لئے حاضر اور محضور (محضور اس کو کہتے ہیں جس کے سامنے کوئی اور حاضر ہو) کا ناظر ہونا ضروری ہے۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہو جائے اس کو بھی شھید کہتے ہیں، اس لئے علامہ بیضاوی نے فرمایا کہ یہاں بھی حضور والا معنی پایا جاتا ہے، کیونکہ مقتول فی سبیل اللہ جس اجر اور ثواب کی امید رکھتا تھا اس اجر اور ثواب کو وہ حاضر ہو گیا یا فرشتے اس مقتول کے پاس حاضر ہو جاتے ہیں۔

اسی قسم کا مضمون مفردات امام راغب میں بھی ہے ملاحظہ ہو:-

"والشھید ھو المحتضر فتسمیتہٗ بذلک لحضور الملائکۃ ایّاہ اولا نھم یشھدون فی تلک الحالۃ ما أعد لھم من النعیم أولأنّھم تشھد أرواحھم عنداللہ"

یعنی مقتول فی سبیل اللہ کو جو شھید کہا جاتا ہے اس کی تین وجھیں ہیں وجہ اوّل فرشتے شھید کے پاس حاضر ہوتے ہیں، اس صورت میں شھید بمعنی مشھود ہوگا۔ وجہ دوم اور سوم یہ ہے کہ مقتول فی سبیل اللہ اپنے ثواب اور اجر کو حاضر ہوتا ہے یا ان کی روحیں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوتی ہیں، ان دونوں وجھوں میں شھید بمعنی شاھد اور حاضر ہوگا۔

مفردات امام راغب میں ہے:-

قولہٗ تعالیٰ سائق و شھید أی من شھد لہٗ أو علیہ - و کذا قولہٗ تعالیٰ "فکیف إذا جئنا من کل امّۃ بشھید و جئنا بک علیٰ ھؤلاء شھیدا"

یعنی شھید اس کو کہتے ہیں جو کسی دوسرے کے حق میں گواہی دے یا کسی دوسرے کے خلاف گواہی دے - اور آیت مذکورہ میں شھید سے یہی مراد ہے یعنی آنحضرت ﷺ مؤمنوں کے حق میں گواہی دیں گے اور کفار کے خلاف-

شاہد اور شہید کے متعلق ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو حاشیہ جامی میں ہے:

فاعلم أن الاشتقاق نزع لفظ من آخر بشروط أربعۃ-

أحدھا: أن یکون اللفظان متناسبین معنی بان یکونا مشترکین فی الدلالۃ علی أصل المعنی وبہ احترز عن الألفاظ المشارکۃ فی اللفظ کالذھب بمعنی ما یقابل الفضّۃ وذھب الذی ماض من الذھاب فلا یقال إن أحدھما مشتق من الآخر لعدم اشتراکھما فی الدلالۃ علی المعنی الأصلی-

ثانیھا: أن یکونامتناسبین ترکیباً بأن یشتملا علی الحروف الاصلیّۃ وبھذا احترز عن الألفاظ المترادفۃ کالذئب والسرحان لفقدان التناسب فی الترکیب-

ثالثھا: أن یکونا متغایرین فی الصیغۃ وبہ احترز عن مصدر أرید بہ المفعول کضَربِ الامیرأی مضرو بہ و مصدر مستعمل فی معناہ الأصلی فلا یقال إن احدھما مشتق من الآخر لا تحاد الصیغۃ-

رابعھا: أن یکون المشتق زائد ا علی المشتق منہ بشیء من المعنیٰ واحترز بہ عن نحو شاھد و شھید فان القیود المذکورۃ متحققۃ فیھما غیر أن واحداً منھما لا یدل علی معنیً زائد لأن معنا ھما واحد وھو الحاضر -

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ صرفیوں کی اصطلاح میں اشتقاق کا معنی یہ ہے کہ ایک لفظ کو دوسرے سے نکالنا اور جہاں اشتقاق ہوگا، وہاں ایک مشتق ہوگا اور دوسرا مشتق منہ، مشتق کو مشتق منہ سے نکالا جاتا ہے اور اس کی چار شرطیں ہیں، شرط اوّل دونوں لفظ معنی اصلی میں متناسب اور مشترک ہوں، اس شرط کے لحاظ سے لفظ ذَھب (بمعنی سونا) لفظ ذَھبَ سے مشتق نہیں ہے اگرچہ ذَھب کی شکل مصدر کی ہے اور ذَھبَ فعل ماضی ہے، کیونکہ اصلی معنی میں ان کے درمیان اشتراک نہیں ہے، اس لئے کہ ذَھب کا معنی سونا ہے جو چاندی کے مقابل ہے اور ذَھبَ فعل ماضی ہے اس کا معنی ہے چلا گیا اور یہ ذَھاب سے مشتق ہے-

شرط دوم یہ ہے کہ مشتق اور مشتق منہ کے اصلی حروف متناسب ہوں اس

شرط کے لحاظ سے لفظ سرحان لفظ ذئب سے مشتق نہیں ہے اگرچہ لفظ ذئب کی شکل مصدر کی اور لفظ سرحان کی شکل صفت مشبّہ کی ہے، اور ان دونوں کا معنی ایک ہے یعنی ذئب اور سرحان بھیڑیئے کو کہتے ہیں لیکن حروف اصلیہ میں کوئی مناسبت نہیں ہے۔ ذئب کے حروف اصلی ذال اور ہمزہ اور باء ہیں اور سرحان کے حروف اصلی سین اور راء اور حاء ہیں۔

شرط سوم: مشتق اور مشتق منہ شکل اور ھیئت میں متغائر ہوں اس شرط کے لحاظ سے لفظ ضَربُ بمعنی مضروب جیساکہ ضَربُ الامیر میں ہے یعنی مضروب الامیر لفظ ضَربُ بمعنی مصدر سے مشتق نہیں ہے، کیونکہ دونوں کی شکل اور ھیئت ایک ہے۔

شرط چہارم: مشتق، مشتق منہ سے معنی کے لحاظ سے زائد ہو اس شرط کے لحاظ سے شاھد اور شھید میں اشتقاق نہیں ہے، اگرچہ پہلی تینوں شرطیں ان میں پائی گئی ہیں لیکن چوتھی شرط نہیں پائی گئی، کیونکہ دونوں کا معنی حاضر ہے اور کسی کا معنی دوسرے سے زائد نہیں ہے۔

اس طویل اقتباس سے بندہ کی غرض صرف یہ ہے کہ شاھد اور شھید کے معنی میں باعتبار لغت کے حضور معتبر ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ پر حاشیہ جامی میں ہے

(والشھود. بمعنی الحضور) شھود کا معنی حاضر ہونا ہے

اس مختصر تحقیق کی روشنی میں اب یہ دیکھنا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو قرآن پاک میں جو شاہد اور شہید فرمایا گیا ہے اس سے کون سا معنی مراد ہے؟ تو محققین مترجمین نے یا تو یہاں حاضر ناظر کا معنی مراد لیا ہے یاقائم بالشھادۃ، یعنی گواہ مراد لیا ہے۔حوالہ ملاحظہ ہو:

تفسیر عزیزی میں قولہ تعالیٰ (ویکون الرّسول علیکم شھیدا) کے ماتحت آیت کا یہ مطلب بیان کیا گیا ہے:

(یعنی وباشد رسول شما ﷺ بر شما گواہ زیرا کہ او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر متدین

بدین خود کہ در کدام درجہ از دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او چیست و حجابے کہ بدان از ترقی محجوب ماندہ است کدام است پس او می شناسد گناہاں شمارا و درجات ایمان شمارا و اعمال نیک وبد شمارا و اخلاص و نفاق شمار او لھذا شھادت او در دنیا بہ حکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل ست و آنچہ از فضائل و مناقب حاضران زمان خود مثل صحابہ و ازواج و اھل بیت یا غائبان از زمان خود مثل اویس و صلہ و مھدی و مقتول دجال یا از معائب و مثالب حاضران و غائبان می فرماید اعتقاد بر آن واجب است و از این است کہ در روایات آمدہ کہ ہر نبی را بر اعمال امتیان خود مطلع می سازند کہ فلانے امروز چنین میکند و فلانے چناں تا روز قیامت ادائے شھادت توانند کرد)

خلاصہ فارسی عبارت کا یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ بالا کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ تمھارا رسول تم پر گواہ ہوگا۔اس ترجمہ پر کئی اشکال ہو سکتے تھے جن کا ازالہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے طویل عبارت میں کر دیا ہے۔

اشکال اول۔گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ موقع پر حاضر ہو اور جس چیز کی گواہی دے رہا ہے اس کا تعلق اگر دیکھنے سے ہے تو اس واقعہ کا دیکھنا بھی گواہ کے لئے ضروری ہے، تو آنحضرت ﷺ کے لئے یہ دونوں چیزیں کیسے ثابت ہوئیں؟ تاکہ آپ گواہ بنیں، تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ کیا کہ آنحضرت ﷺ اپنے نور نبوت کے ذریعہ مومنوں اور کافروں کے اعمال اور عقائد پر مطلع ہیں اور ہر دین دار کے دینی درجہ کو بھی جانتے ہیں کہ وہ کس درجہ میں ہے؟ مثال کے طور پر لاکھوں کروڑوں اولیاء کرام دنیا میں آئے ہیں اور قیامت تک آتے رہیں گے اور ہر ایک کی ہر دن سلوک میں ترقی ہوتی ہے، تو آنحضرت ﷺ ان تمام اولیاء کرام کی ہر ایک دن کی ترقی کو بھی نور نبوت سے پہچانتے ہیں، کیونکہ اگر ہر دن کی ترقی آپ کو معلوم نہ ہو تو ہر دیندار کا درجہ دین کس طرح معلوم ہوگا اور بعض اولیائے کرام کو سلوک کے راستے میں کسی وجہ سے حجاب اور پردہ آجاتا ہے اور ترقی رک جاتی ہے، آنحضرت ﷺ ہر ایک کے حجاب کو پہچانتے ہیں اور ہر دین دار کی حقیقت ایمانی کو بھی پہچانتے ہیں کہ اُس کا ایمان کس قسم کا ہے؟ نیز اعمال نیک وبد اور درجات ایمان اور اخلاص و نفاق کو بھی پہچانتے ہیں،

اشکال اول کا ازالہ اس طرح ہوا کہ آپ نور نبوت سے ان تمام اشیاء کو دیکھ رہے ہیں۔

اشکال دوم۔ یہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ ساری اطلاع بذریعہ وحی ہوتی ہوگی، اس لئے شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان سب اشیاء پر اطلاع نور نبوت کے ذریعہ ہے

اشکال سوم۔ یہ ہوتا تھا کہ شاید یہ اطلاع دائمی نہیں ہے، بلکہ گاہے گاہے ہوتی ہے تو اس کا ازالہ فرمایا کہ یہ اطلاع نور نبوت سے ہوتی ہے، چونکہ نور نبوت دائمی ہے کبھی آپ سے منفک نہیں ہو سکتا لہذا یہ اطلاع بھی دائمی ہے۔

اشکال چہارم۔ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ آیت شریفہ میں چونکہ (علیکم) کا لفظ ہے جس میں ضمیر خطاب ہے، تو شاید اپنے زمانے کے لوگوں کے احوال پر تو مطلع ہیں، لیکن بعد والے لوگوں کے حالات مذکورہ بالا کی اطلاع نہیں ہے، تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حاضران زمانہ مقدس اور غائبان زمانہ سب کے احوال نیک وبد پر مطلع ہیں۔

اشکال پنجم۔ چونکہ آیت مذکورہ بالا میں جس شہادت کا ذکر ہے وہ اخروی شہادت ہے تو شاید دنیا میں آپ کی شہادت مقبول نہیں ہے تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس شبہ کا ازالہ کیا کہ دنیا وآخرت دونوں میں آپ کی شہادت مقبول ہے۔

اشکال ششم۔ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید امت کے احوال پر مطلع ہونا یہ آنحضرت ﷺ کا خاصہ ہے، جو دوسرے انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام میں نہیں پایا جاتا تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ کیا کہ ہر نبی اپنی امت والوں کے اعمال اور احوال پر مطلع ہوتا ہے۔

اشکال ہفتم۔ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ شاید امت کے احوال، فرشتے آپکو بتلاتے ہونگے اور بغیر فرشتوں کے آپ کو احوال امت پر اطلاع نہیں ہوتی ہوگی۔ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ازالہ فرمادیا کہ یہ اطلاع نور نبوت کے ذریعے سے ہے تو اگرچہ فرشتے بھی اعمال پیش کرتے ہیں۔ لیکن آپ سرور دو عالم ﷺ اس اطلاع کے محتاج نہیں ہیں، بلکہ بغیر واسطہ فرشتوں کے نور نبوت سے بھی مطلع ہیں۔

یہاں ایک خاص نکتہ بھی جاننا ضروری ہے کہ ایک جاننا ہوتا ہے جو کہ علم کا ترجمہ ہے اور ایک پہچاننا ہوتا ہے جو کہ معرفت کا ترجمہ ہے۔ تو اس عبارت میں قبلہ

شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے (میشناسد) کا لفظ استعمال کیا ہے، نہ کہ میداند کا اور معرفت حواس کے ذریعہ ہوتی ہے، تو معلوم ہوا کہ یہ ساری اطلاع بذریعہ حواس ہے اور نور نبوت تمام حواس میں متجلی ہوتا ہے۔

اشکال ہشتم۔ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ آنحضرت ﷺ صرف امت کے احوال نیک وبد پر مطلع ہیں اور نیک وبد اعمال کرنے والوں کو نہیں پہچانتے مثال کے طور پر آپ یہ تو پہچانتے ہیں کہ آج فلاں فلاں اعمال نیک وبد ہوئے ہیں، لیکن یہ نہیں پہچانتے کہ یہ اعمال کس کس نے کئے ہیں؟ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ازالہ کر دیا۔ (کہ فلانے امروز چنین میکرد وفلانے چناں تا روز قیامت) یعنی ہر ایک نیک وبد اعمال کرنے والے کو بھی پہچانتے ہیں۔

اشکال نہم۔ یہ وہم ہو سکتا تھا کہ ہر نبی کی ذمہ داری اس وقت تک ہوتی ہے کہ وہ اپنی امت میں ظاہری حیات کے ساتھ موجود ہو اور جب نبی اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کا قول بیان میں فرمایا ہے "وکنت شھیدا ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیھم" یعنی میری ذمہ داری اس وقت تک تھی جب تک میں ان میں موجود تھا۔ لہذا انصاریٰ نے مجھے اور میری والدہ کو الٰہ بنا لیا ہے یہ میرے اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچنے کے بعد ہے، لہذا اس امر کی مجھ سے پرسش سمجھ میں نہیں آتی، اس جگہ یہ اشکال ہوتا ہے کہ جب نبی اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے تو اس کے لئے امت کے احوال پر اطلاع کیوں ضروری ہے؟ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ہر نبی کی شہادت دو قسم کی ہے دنیاوی اور اُخروی۔

دنیاوی شہادت کے لئے ضروری ہے کہ جب تک نبی اپنی امت میں ہے تو اس کے تمام احوال پر مطلع ہو۔ اور اُخروی شہادت کے لئے یہ ضروری ہے کہ نبی کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی امت کے احوال پر اپنے نور نبوت کے ساتھ مطلع رہے شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس اشکال کا ازالہ ان الفاظ سے کیا ہے۔

(لہذا شہادۃ اُو در دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول وواجب العمل است تا

روز قیامت ادائے شہادت توانند کرد)

— حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو آیت مذکورہ بالا کا ترجمہ فرمایا اور اس کی تشریح کی اسکے بیان میں طوالت ہوگئی ہے، بندہ اس طوالت پر معذرت خواہ ہے بات اس پر چلی ہوئی تھی کہ قرآن پاک میں آنحضرت ﷺ کو شہید اور شاہد فرمایا گیا ہے تو اس کا ترجمہ محققین مترجمین نے کیا کیا ہے؟ تو شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کا ترجمہ گواہ کیا ہے

یہاں پر یہ جاننا ضروری ہے کہ اس ترجمہ سے حاضر و ناظر کی نفی نہیں ہوتی کیونکہ گواہ کے لئے حضور اور مشاہدہ ضروری ہے۔

اب دوسرا ترجمہ ملاحظہ ہو اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ آیت مذکورہ بالا کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں۔

(اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ)

یہاں بھی شہید کا معنی گواہ کیا گیا ہے۔ اس ترجمہ میں فاضل بریلوی نے کئی اور علمی اشارے بھی کئے ہیں۔

اول یہاں اشکال ہوتا ہے کہ (علیکم) یہ جار مجرور شہیداً کے متعلق ہے اور شہادۃ کا صلہ علیٰ ہو تو ضرر کا معنی دیتا ہے تو فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے ترجمہ میں اشارہ فرمایا کہ لفظ (علیکم) شہید کا صلہ نہیں ہے بلکہ رقیب کا صلہ ہے جس کا معنی نگہبان ہے اور یہاں شہید رقیب کے معنی کو متضمن ہے۔

دوم فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے ترجمہ میں (یہ رسول) فرما کر اشارہ کر دیا ہے کہ الرسول سے معین رسول مراد ہیں جو کہ محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں، فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کے ترجمہ کی یہ خصوصیت ہے کہ نفس ترجمہ میں ان اشکالات کو رفع فرما دیتے ہیں جن کو مفسرین نے طویل عبارات میں حل کیا ہے۔

اب ری آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو:

قولہٗ تعالیٰ (فكيف إذا جئنا من كل أمة بشهيد وجئنا بك على هؤلاء شهيدا)

فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز اس کا ترجمہ یوں بیان فرماتے ہیں:

(اور کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں)

اس ترجمہ میں بھی فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے دونوں جگہ پر شہید کا معنی گواہ کیا ہے۔

اب تیسری آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

قولہٗ تعالیٰ (يأيها النبي إنا أرسلنك شاهدا۔ الآية)

فاضل بریلوی رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:

(اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بے شک ہم نے تمہیں بھیجا حاضر و ناظر)

اس ترجمہ میں شاہد کا معنی حاضر و ناظر کیا گیا ہے جیسا کہ مفردات راغب کے حوالہ سے بندہ پہلے ذکر کر چکا ہے، دوبارہ مفردات کی عبارت ملاحظہ ہو۔

(الشهود والشهادة الحضور مع المشاهدة)

یعنی شاہد، شہود سے مشتق ہے یا شہادۃ سے اور ہر ایک کا معنی ہے حضور اور مشاہدہ حضور کے معنی کے لحاظ سے شاہد کا معنی حاضر ہو گیا، مشاہدہ کے معنی کے لحاظ سے شاہد کا معنی ناظر ہو گیا۔

یہاں تک بندہ نے لغت اور صرف و نحو اور محققین مترجمین کی عبارت سے یہ ثابت کیا ہے کہ شہید اور شاہد کا معنی قرآن پاک میں حاضر اور ناظر ہے۔ اب اس پر اور دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

صاحب روح المعانی نے مذکورہ بالا تیسری آیت کی تفسیر میں فرمایا:

(على من بُعثتَ إليهم تراقب أحوالهم و تشاهد أعمالهم و تتحمل عنهم الشهادة بما صدر عنهم من التصديق والتكذيب وسائر ما هم عليه من الهُدى والضلال وتؤديها يوم القيامة أداءً مقبولاً في مالهم وما عليهم)

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ آیت مذکورہ میں صرف (شاہدا) کا ذکر ہے اور ان لوگوں کا ذکر نہیں ہے جن کے متعلق گواہی دینی ہے، اس لئے صاحب روح المعانی نے

فرمایا کہ آپ گواہی ان لوگوں پر دیں گے جن کی طرف آپ مبعوث کئے گئے ہیں اور ان کے احوال کی حفاظت اور اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور جو ان لوگوں سے تصدیق یا تکذیب صادر ہوئی اُس کی شہادت کے حامل ہیں اور اسی طرح امت کی ہدایت اور ضلالت پر بھی قیامت کے دن شہادت دیں گے اور وہ شہادت مقبول ہو گی خواہ امت کے نفع کے لئے ہو یا نقصان کے لئے۔

اب علامہ الوسی کی عبارت کے چند نکات ملاحظہ فرمائیں۔

اوّل۔ عبارت میں احوال و اعمال دونوں کا ذکر ہے احوال کا تعلق دل سے ہے اور اعمال کا جوارح یعنی ہاتھ پاؤں سے، تو معلوم ہوا کہ امت کے دل کے احوال اور اعضاء کے اعمال سب پر آپ کو اطلاع ہے۔

دوم۔ علامہ الوسی نے (تشاهد اعمالهم) فرما کر تصریح کر دی کہ آپ اس لئے شاہد ہیں کہ امت کے اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں۔ یہاں علامہ نے شاہد بمعنی ناظر کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

سوم۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت دو قسم ہے۔ ایک امت دعوت یعنی جن کی طرف نبی مبعوث کیا جاتا ہے، خواہ وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ دوم امت اجابت یعنی وہ لوگ جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لائے، تو عبارت مذکورہ بالا میں علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح کر دی کہ جس امت کے احوال و اعمال کا مشاہدہ فرماتے ہیں اور جن کے احوال و اعمال پر گواہی دیں گے وہ امتِ دعوت ہے نہ کہ صرف امتِ اجابت اور اس کی دلیل یہ ہے کہ علامہ نے اس امت کو ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ (علی من بعثت الیهم) یعنی اس امت سے مراد وہ ہیں جن کی طرف آپ مبعوث کئے گئے ہیں اور اسی کو امت دعوت کہتے ہیں، نیز علامہ مذکور نے احوال اور اعمال کی تفسیر تصدیق اور تکذیب اور ھدیٰ اور ضلالۃ سے کی ہے تو اس سے بھی معلوم ہو گیا کہ مؤمنوں اور کافروں سب کے احوال و اعمال کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس پر قیامت کے دن گواہی دیں گے تو اس سے بھی پتہ چلا کہ امت سے مراد امتِ دعوت ہے۔

اس تفسیر کے اخیر میں صاحب روح المعانی نے سادات صوفیہ کا اس بارے

میں مذہب نقل کیا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو:

(واشار بعض السادة الصوفية إلىٰ أن الله تعالىٰ قد أطلعه ﷺ على اعمال العباد فنظر إليها ولذلك أطلق عليه عليه الصلوٰة والسلام شاهدا)

ان سادات صوفیہ کا یہ مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو تمام بندوں کے تمام اعمال پر مطلع فرما دیا ہے اور آپ نے ان سب کی طرف نظر فرمائی اور دیکھا ہے اسی لئے قرآن پاک میں آپ پر شاہد کا اطلاق کیا گیا ہے۔

اب اس عبارت کے بھی چند فوائد ملاحظہ ہوں۔

اوّل۔ مفسر نے اپنی تفسیر میں (اعمال العباد) کا ذکر فرمایا ہے جس کا معنی تمام بندوں کے تمام اعمال ہیں۔ خواہ مؤمن ہوں خواہ کافر، تو معلوم ہوا کہ آپ کو مومنوں اور کافروں سب کے احوال و اعمال پر اطلاع ہے۔

دوم۔ صوفیہ نے شاہد کی یہ وجہ ذکر کی ہے کہ آپ ان اعمال کی طرف ناظر ہیں، تو معلوم ہوا صوفیہ کے نزدیک اس آیت میں شاہد کا معنی ناظر ہے اور علامہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو صوفیہ کا مذہب نقل کیا ہے وہ بالکل مفسر کی اپنی تفسیر کے مطابق ہے جس کا ذکر ابھی کیا جا چکا ہے نیز یہ ساری تقریر اس تفسیر کے بالکل مطابق ہے جو تفسیر عزیزی سے بندہ ابتداء میں نقل کر چکا ہے۔

صاحب روح المعانی نے اپنی سابقہ عبارت میں جن بعض صوفیہ کا ذکر کیا ہے مفسر ان میں سے ایک مثال پیش کرتا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو۔

(قال مولانا جلال الدين الرومي قدس سره العزيز في مثنويه)

در نظر بودش مقامات العباد ، زیں سبب نامش خدا شاہد نہاد

یعنی مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مثنوی میں فرمایا کہ چونکہ تمام بندوں کے تمام درجات آپ کی نظر میں ہیں، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام قرآن پاک میں شاہد فرمایا۔ اس شعر میں لفظ (مقامات العباد) اس پر دال ہے کہ مؤمن کافر کی کوئی تخصیص نہیں اور احوال و اعمال کی بھی کوئی تخصیص نہیں، سب کے احوال و اعمال آپ کی نظر میں ہیں، نیز اس شعر میں بھی شاہد نام کی یہ وجہ بیان کی گئی ہے کہ مقامات العباد

(بندوں کے مقامات) آپ کی نظر میں ہیں تو معلوم ہوا کہ علامہ رومی کے نزدیک بھی شاہد کا معنی ناظر ہے۔

نیز اس شعر میں ایک اور خاص نکتہ کی طرف اشارہ ہے، وہ یہ کہ لفظ (بود) ماضی کا صیغہ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ماضی میں مقامات العباد آپ کی نظر میں تھے، یعنی جبکہ عباد اور ان کے اعمال وجود میں بھی نہیں آئے تھے، اس وقت بھی آپ کی نظر سے پوشیدہ نہیں تھے، یعنی جب بندہ کوئی عمل کرتا ہے تو صرف اسی وقت آنحضرت ﷺ کو اس کا علم نہیں ہوتا بلکہ عمل کرنے سے پہلے بھی مقامات العباد آپ کی نظر میں ہیں۔

ان سب عبارات سے بندہ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کو حاضر وناظر کہنا جائز ہے، جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

اس پر مزید دلائل ملاحظہ ہوں۔

شفاء قاضی عیاض اور اس کی شرح ملا علی قاری میں ہے۔

(وقال عمرو بن دینار) هو ابو محمد مولی قیس، مکی امام یروی عن ابن عباس وابن عمرو جابر و عنه شعبة و سفیانان و حمادان وهو عالم حجة أخرج له الائمة الستة (فی قوله) ای الله سبحانه (فاذا دخلتم بیوتا بضم الباء و کسرها (فسلموا علی انفسکم) ای علی أهلیکم (تحیة من عندالله مبارکة طیبة) (قال) ای ابن دینار وهو من کبار التابعین المکیین وفقهائهم (إن لم یکن فی البیت أحد فقل السلام علی النبی ورحمة الله وبرکاته) ای لان روحه علیه السلام حاضر فی بیوت أهل الاسلام)

اس عربی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرو بن دینار جو کہ تابعی اور ابن عباس اور ابن عمر اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے شاگرد ہیں اور بڑے بڑے ائمہ صحاح ستہ کے مصنفین ان سے روایت کرتے ہیں اور مکہ شریف کے تابعین اور فقہاء سے درجہ کے لحاظ سے بڑے ہیں۔ مذکورہ بالا آیت (فاذا دخلتم بیوتا فسلموا علی أنفسکم) کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ جب تم اپنے گھروں میں جاؤ تو اپنے اہل و عیال کو سلام کرو اور اگر گھر میں کوئی نہ ہو تو یہ کہو کہ السلام علی النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

علامہ علی قاری اس سلام کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روح تمام مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہوتی ہے، لہذا یہ سلام اس روح پر ہے۔

اس عبارت میں علامہ علی قاری نے آنحضرت ﷺ پر لفظ (حاضر) کا اطلاق کیا ہے۔ جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ آپ حاضر ہیں۔

اس عبارت سے بندہ صرف یہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ علمائے محدثین نے آپ کو حاضر کہا ہے اور حاضر کا آپ پر اطلاق کیا ہے، جو کہ شاہد اور شہید کا معنی ہے۔ جس کی تحقیق گزر گئی ہے۔

اگرچہ اس عبارت سے جو بندہ کا مقصد ہے وہ تو پورا ہو گیا، لیکن بعض منکرین خلط مبحث کے لئے اس عبارت کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ عبارت میں تو بیوت اہل اسلام کی تخصیص ہے پھر ہر جگہ حاضر ہونا کیسا ثابت ہے؟ جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں تو اس سوال کے چند جواب ملاحظہ ہوں:

جواب اول: اس عبارت میں بیوت اہل اسلام کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔ کیونکہ آیت شریف میں بیوت کا ذکر ہے اور دخلتم میں مخاطبین مسلمان ہیں اور چونکہ تفسیر آیت مذکورہ کی ہو رہی ہے اس وجہ سے بیوت اہل اسلام کا ذکر کیا گیا ہے۔

جواب دوم: اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو قرآن پاک میں شاہد اور شہید فرمایا اور جس کا معنی بندہ حاضر اور ناظر ثابت کر چکا ہے، اس میں کسی زمان اور مکان کی تخصیص نہیں ہے، تو کسی مصنف کی عبارت میں تخصیص قرآن پاک کے عموم کو باطل نہیں کر سکتی، لہذا بیوت اہل اسلام کی تخصیص اتفاقی ہی ہو گی۔

جواب سوم: شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ العزیز التحیات کے اس جملہ (السلام علیك أیها النبی ورحمة الله وبرکاته) کی تشریح میں فرماتے ہیں:

بعضے از عرفاء گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ است در ذرائر موجودات و افراد ممکنات پس آنحضرت ﷺ در ذات مصلیاں موجود و حاضر است پس مصلی باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود، تا بانوار قرب و اسرار معرفت متنور و فائز گردد)

اس عبارت میں شیخ محقق نے عرفاء کا یہ مذہب نقل فرمایا کہ تمام موجودات و ممکنات میں حقیقت محمدیہ کا سریان ہے اور وہ سب میں موجود اور حاضر ہے، تو نماز پڑھنے والے کو اس حضور سے غافل نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس کا تصور کرنا چاہئے، تاکہ اس قرب اور معرفت سے وہ منتور اور بہرہ ور ہو جائے، شیخ کی اس عبارت سے کئی امور ثابت ہوئے - اوّل :آپ پر حاضر کا اطلاق جائز ہے - دوم :آپ تمام موجودات و ممکنات میں موجود و حاضر ہیں، تو ثابت ہوا کہ علی قاری کی عبارت میں بیوت اہل الاسلام کی قید اتفاقی ہے - سوم : جو شخص اس شہود کا منکر ہے اس کو انوار قرب اور معرفت سے کوئی حصہ نہیں ہے -

یہاں تک اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ حاضر ہیں اور قرآن پاک اور علمائے امت نے آپ کو حاضر کہا ہے، اب آپ کے ناظر ہونے پر مزید دلائل ملاحظہ ہوں-

مواہب لدنیہ میں ہے :

(أخرج الطبراني عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما قال قال رسول الله ﷺ إن الله قد رفع لي الدنيا فأنا أنظر إليها وإلى ما هو كائن فيها إلى يوم القيامة كأنّما أنظر إلى كفّي هذه)

خلاصہ ترجمہ حدیث شریف کا یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو میرے سامنے رکھ دیا ہے اور میں اس کی طرف اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے دیکھ رہا ہوں جیسا کہ میں اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں-

اب اس حدیث کے فوائد ملاحظہ ہوں - اوّل - تمام دنیا اور جو کچھ اس میں ہونے والا ہے قیامت تک آنحضرت ﷺ اس کو اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے کوئی آدمی اپنی ہتھیلی اپنے سامنے کر دے تو وہ آدمی اپنی ہتھیلی اور اس پر ہر چیز کو دیکھتا ہے - تو یہاں سے آپ کا ناظر ہونا ثابت ہو گیا - دوم - علم بلاغت کا قاعدہ ہے کہ مقام جملہ فعلیہ کا ہو اور وہاں جملہ اسمیہ لایا جائے تو یہ دوام کا فائدہ دیتا ہے - اب اگر جملہ اسمیہ کی خبر اسم ہو تو دوام ثبات مراد لیا جاتا ہے اور اگر جملہ اسمیہ میں جو خبر ہے وہ فعل مضارع ہو تو

دوام تجدد مراد ہوتا ہے، دوام کی ان دونوں قسموں میں فرق بعد میں آئے گا، اس جگہ حدیث میں بھی مقام جملہ فعلیہ کا تھا لیکن جملہ اسمیہ لایا گیا ہے - جس کی خبر فعل مضارع ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ اوّل حدیث میں فرمایا گیا (قد رفع لي الدنيا) یہ جملہ فعلیہ ہے اس کا تقاضا یہ تھا کہ بعد میں یہ فرمایا جاتا (فنظرت إليها) لیکن اس کی جگہ فرمایا گیا (فأنا أنظر إليها) یہ جملہ اسمیہ ہے جس کی خبر فعل مضارع ہے جو کہ دوام تجدد کا فائدہ دیتا ہے، تو اس سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ میں ہمیشہ دنیا اور مافیہا کی طرف دیکھ رہا ہوں، اگر اس جملہ کی جگہ (فنظرت إليها) ہوتا تو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ آپ نے صرف ایک دفعہ ان کا ملاحظہ کیا ہے، ہمیشہ نہیں تو جملہ اسمیہ ذکر فرما کر اس وہم کو رفع کر دیا -

فائدہ سوم - آنحضرت ﷺ کائنات کے موجود ہونے سے پہلے اس کو ملاحظہ فرما رہے ہیں جیسا کہ مولانا روم کے شعر کی تشریح میں گذر چکا ہے شعر دوبارہ ملاحظہ ہو -

در نظر بودش مقامات العباد - زیں سبب نامش خدا شاہد نہاد

اب ذرا دوام ثبات اور دوام تجدد میں فرق ملاحظہ کریں -

دوام ثبات اس کو کہا جاتا ہے کہ کسی شے کا اس طرح دوام ہو کہ وہاں انقطاع بالفعل بالکل نہ ہو - اس کی پھر دو قسم ہیں - ایک قسم یہ ہے کہ انقطاع بالفعل تو نہیں ہے لیکن عقلاً انقطاع ممکن ہے، جیسے آسمانوں کی حرکت فلاسفہ کے نزدیک دائم اور ثابت ہے بالفعل انقطاع نہیں ہے، لیکن عقلاً انقطاع ممکن ہے، یعنی اگر آسمان حرکت نہ کرے تو اس میں کوئی عقلی استحالہ نہیں ہے - دوسری قسم دوام ثبات کی یہ ہے کہ بالفعل انقطاع نہیں ہے، اس کے باوجود انقطاع عقلاً محال ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی صفات کہ ان کا اللہ تعالیٰ سے نہ تو انقطاع بالفعل ہے اور نہ ہی انقطاع ممکن ہے بلکہ انقطاع محال یہ قسم یعنی دوام ثبات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے، کسی ممکن میں نہیں پائی جاتی خواہ وہ ممکن نبی ہو یا ولی یا فرشتہ وغیرہ -

یہاں تک دوام ثبات اور اس کی دو قسموں کا ذکر آ گیا ہے - اب دوام تجدد کا معنی ملاحظہ ہو -

دوام تجدد یہ ہے کہ کسی چیز کا دوام تو ہو، لیکن یہ دوام وقفہ وقفہ سے ہو اور

درمیان میں کچھ دیر کے لئے انقطاع بھی ہوتا رہے، یہ دوام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مختص ہے اور اللہ تعالیٰ میں ہر گز نہیں پایا جاتا، بلکہ اللہ تعالیٰ میں یہ دوام تجدد محال ہے، اس دوام تجدد کی ایک مثال ملاحظہ ہو، مثلاً ہمارے محاورہ میں کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی ہمیشہ گندم کی روٹی اور گوشت کھاتا ہے، تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہوتا کہ وہ ہر وقت کھاتا ہی رہتا ہے، بلکہ یہ مطلب ہوتا ہے کہ ایک وقت میں کھاتا ہے پھر کھانا منقطع کر دیتا ہے پھر دوسرے وقت میں روٹی اور گوشت کھاتا ہے، تو آنحضرت ﷺ نے جو حدیث مذکور بالا میں یہ فرمایا (فانا أنظر إليها والى ماهو كائن فيها إلى يوم القيامة الحديث) تو اس حدیث شریف میں اسی دوام تجدد کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور حقیقت بھی اسی طرح ہے کہ جب سرور دو عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتے ہیں تو کسی چیز کی طرف التفات نہیں ہوتا، حتیٰ کہ اپنے بدن شریف کی طرف بھی توجہ نہیں ہوتی یہی اس مشہور حدیث شریف کا مطلب ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

(لی مع الله وقت لا يسعنى فيه ملك مقرب ولا نبى مرسل او كما قال عليه الصلوٰة والسلام)

یہاں ایک اور نکتہ بھی ملاحظہ ہو: میرے حضرت جناب سیدی مولائی حضرت اعلیٰ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی قدس سرہ العزیز نے اپنی بعض تصنیفات میں فرمایا ہے کہ دوام ثبات اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے، اس دوام ثبات سے وہی مراد ہے جس کا انقطاع محال ہے۔

بعض ناواقف لوگوں کو اس عبارت سے دھوکہ ہوتا ہے کہ جب دوام ثبات اللہ تعالیٰ جل شانہ کا خاصہ ہے، تو نبی علیہ السلام میں کیسا دوام پایا جا سکتا ہے؟ اس کا جواب واضح ہے کہ نبی علیہ السلام کے علم میں دوام تجدد ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں دوام ثبات ہے جس کا انقطاع اور انفکاک محال ہے۔ بندہ نے یہ نکتہ اس لئے ذکر کیا ہے کہ ایک مولوی صاحب نے حضرت اعلیٰ رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت پر اعتراض کیا تھا اور بندہ نے اسکا یہی جواب دیا۔ بندہ حدیث شریف طبرانی کے (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) فوائد بیان کر رہا تھا اس ضمن میں فائدہ سوم میں ذرا طوالت ہو گئی ہے۔

اب حدیث شریف کا فائدہ چہارم ملاحظہ ہو۔

فائدہ چہارم: سرکار مدینہ ﷺ نے اس حدیث شریف میں فرمایا (كأنما انظر الى كفى هذه) اس سے معلوم ہوا کہ تمام کائنات قیامت تک آنحضرت ﷺ کے سامنے اس طرح ہے جیسے کہ کسی کے سامنے ہتھیلی ہو، جس ذات کے سامنے ساری دنیا ہتھیلی کی طرح ہو، اس کو نہ تو کسی طرف آنے جانے کی ضرورت ہے اور نہ متعدد ہونے کی ضرورت ہے، بلکہ وہ ایک جگہ ہی تشریف فرما ہو کر سارے عالم کا مشاہدہ فرماتے ہیں، تو آپ کے حاضر ناظر ہونے کا یہی عقیدہ ہونا چاہئے کہ آپ اپنے مقام اعلیٰ اور ارفع میں تشریف فرما ہیں اور تمام عالم ہتھیلی کی طرح آپ کے سامنے حاضر ہے۔

حاضر ناظر کے مسئلہ میں یہ عقیدہ غلط ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ذات مقدسہ متعدد ہو جاتی ہے اور متعدد میں سے ہر ایک آپ کا عین ہے، اس عقیدہ میں کئی قباحتیں ہیں، ایک تو یہ کہ مستند کتب میں تصریح ہے کہ تعدد مغائرت کو مستلزم ہے اور اتحاد اور تعدد دونوں اکٹھے متصور نہیں ہو سکتے، تو اب خرابی یہ لازم آئے گی کہ خاتم النبیین متعدد اور مغائر ہو گئے حالانکہ، خاتم النبیین صرف ایک جزئی حقیقی ہے جس کا نام محمد ﷺ ہے۔

دوسری خرابی یہ ہوگی کہ ایک عورت کے بہت سے خاوند ہو گئے۔

تیسری خرابی یہ ہوگی کہ تکثر جزئی لازم آئے گا جو کہ عقلاً محال ہے۔

چوتھی خرابی یہ ہوگی کہ منکرین حاضر ناظر یہ گستاخی کرتے ہیں کہ جب آپ ہر جگہ حاضر ناظر ہیں تو جس جگہ ہم کھڑے ہیں یہ بھی تو ایک جگہ ہے اور یہاں بھی آپ حاضر ہوں گے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، کیونکہ اس جگہ پر تو ہمارے قدم ہیں، نیز بیت الخلاء بھی تو ایک جگہ ہے یہاں بھی آپ حاضر ہوں گے؟ نعوذ باللہ من هذه الخرافات تو بندہ نے جو حاضر و ناظر کی حدیث شریف کے مطابق تحقیق کی ہے، اس سے ان خرافات کا قلع قمع ہو جاتا ہے، دیوبندی مکتب فکر کے عالم مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اپنے ایک رسالہ میں مجلس میلاد سرکار دو عالم ﷺ کے جلوہ افروز ہونے پر ایک منطقی اعتراض کیا ہے اس کا جواب بھی مذکورہ بالا حدیث شریف سے واضح ہو گیا

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا سوال یہ ہے کہ اہل سنت کا جو یہ عقید؛

ہے کہ آنحضرت ﷺ مجلس میلاد میں تشریف فرما ہوتے ہیں تو آیا ہر مجلس میں تشریف فرما ہوتے ہیں یا بعض میں؟ پہلی صورت میں تکثر جزئی لازم آئے گا اور دوسری صورت میں ترجیح بلا مرجح اور دونوں باطل ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آپ سب مجالس میں تشریف فرما ہوتے ہیں اور تکثر جزئی لازم نہیں آتا کیونکہ تمام مجالس میلاد آپ کے سامنے ہتھیلی کی طرح حاضر ہیں لہذا تعدد کی ضرورت نہیں ہے۔ مولوی اشرف علی تھانوی صاحب پر لازم تھا کہ پہلے اہل سنت کا عقیدہ معلوم کرتے اور اس کے بعد اس پر اعتراض کرتے جیسا کہ مناظرہ کا طریقہ ہے۔

مجلس میلاد میں جو لوگ حاضر ہوتے ہیں وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، لیکن آنحضرت ﷺ جو سب کو دیکھ رہے ہیں تو وہ زیادہ قریب ہیں، بہ نسبت حاضرین کے جو ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں، کیونکہ آپ کا ملاحظہ فرمانا اسی طرح ہے جیسا ہتھیلی کی طرف دیکھنا ہو، تو ہر بندے کی ہتھیلی دوسرے بندے کے لحاظ سے زیادہ قریب ہے، تو جس ذات کا دیکھنا حاضرین مجلس سے زیادہ قریب ہو اس کو متعدد ہونے کی کیا ضرورت ہے؟

یہاں بندہ نے حاضر و ناظر کی ذرا تفصیل بیان کر دی ہے تاکہ اہل سنت کو صحیح عقیدہ معلوم ہو، یہاں ضمناً ایک اور فائدہ بھی ملاحظہ ہو کہ ایک تکثر جزئی ہے، یہ عقلاً محال ہے اور دوسرا تمثل جزئی ہے اور یہ جائز ہے، تمثل جزئی کا یہ مطلب ہے کہ جزئی حقیقی صرف ایک ہے اور اسکی مثالیں متعدد ہیں جو کہ اس کے مغائر ہیں چونکہ ان کے درمیان نہایت درجہ کی مشابہت ہے، اس لئے دیکھنے والا ہر ایک مثال کو یہ سمجھتا ہے کہ وہی جزئی حقیقی ہے، یہ چیز بندہ نے اس لئے ذکر کی ہے کہ بعض اولیائے کرام کے متعلق کتابوں میں آیا ہے وہ ایک وقت میں متعدد جگہ پر دیکھے گئے، چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کتب فقہ میں ہے کہ انہوں نے حج کا زاد سفر کسی محتاج کو عطا کر دیا اور خود حج پر نہیں گئے تھے، لیکن لوگوں نے مکہ مکرمہ میں ان کو حج میں شامل دیکھا تو یہ تمثل جزئی ہے، یعنی حضرت شیخ تو گھر میں ہی تشریف فرما تھے اور

حج پر نہیں گئے، لیکن فرشتے نے ان کی شکل میں حج ادا کیا۔

فائدہ پنجم: قرآن کریم میں ہے قولہ تعالیٰ (ملک الموت الذی وکل بکم) یعنی ایک فرشتہ ملک الموت ہے جو ارواح کے قبض کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ ساری زمین ملک الموت کے سامنے اس طرح ہے جیسے ایک آدمی کے سامنے تھالی پڑی ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک الموت جو ایک وقت میں کئی ارواح مختلف جگہوں سے قبض کرتا ہے تو اس کو بھی متعدد ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ایک جگہ بیٹھے سب جگہ سے ارواح کو قبض کر لیتا ہے، غور فرمائیں کہ آنحضرت ﷺ کا علمی رتبہ ملک الموت سے زیادہ ہے اسی لئے حدیث شریف میں فرق کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ تمام کائنات قیامت تک آپ کے سامنے ہتھیلی کی طرح ہے اور ساری زمین ملک الموت کے سامنے تھالی کی طرح ہے اور تھالی کی سطح ہتھیلی کی سطح سے فراخ ہوتی ہے، تو ساری زمین ملک الموت کے سامنے ذرا وسیع معلوم ہوتی ہے اور تمام کائنات کی وسعت نبی اکرم ﷺ کے سامنے اس سے کم ہے۔

قبل ازیں ابتداء میں شاہد اور شہید کی تحقیق میں گزر چکا ہے کہ تمام امت کے احوال اور اعمال کا آنحضرت ﷺ مشاہدہ فرماتے ہیں اور ان احوال و اعمال پر آپ کو اطلاع ہے اور صرف آپ احوال و اعمال پر ہی مطلع نہیں ہیں، بلکہ عاملین یعنی عمل کرنے والوں کو بھی جانتے ہیں جب ہی تو قیامت میں گواہی دیں گے، کیونکہ اگر شاہد، عامل کو نہیں جانتا تو اس پر کیسے گواہی دے سکتا ہے؟ اور یہ بھی گزر چکا ہے کہ وہ عاملین خواہ آپ کے زمانہ میں تھے یا قیامت تک جو آنے والے ہیں، سب پر آپ کو اطلاع ہے اور اس مسئلہ کو علماء کی اصطلاح میں (عرض اعمال) کا مسئلہ کہا جاتا ہے اور یہ مسئلہ بڑا معرکۃ الآراء ہے۔

بندہ نے اوپر ذکر کیا ہے کہ یہ اہل سنت کا مذہب ہے اور جو لوگ اس کے منکر ہیں تو ان کے کئی گروہ ہیں ایک گروہ تو وہ ہے جو سرے سے عرض اعمال کا منکر ہے اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تھے ان کے احوال و اعمال پر تو آپ کو اطلاع ہے، لیکن آپ کے بعد والے زمانہ کے لوگوں کی آپ کو اطلاع نہیں ہے

ایک تیسرا گروہ ہے جس کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کے احوال واعمال پر تو آپ کو اطلاع ہے اور کفار و منافقین کے احوال واعمال پر اطلاع نہیں ہے، ان لوگوں کو اپنے خیال پر دلائل قائم کرنے میں شدید دھوکے لگے ہیں، اگرچہ بعض ان میں سے اچھے خاصے مفسر اور محدث ہیں اس لئے عرض اعمال پر یہاں ایک اور حدیث شریف پیش کی جاتی ہے، اس حدیث شریف سے آپ کا حاضر ناظر ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے جو کہ بندہ کا اصلی مقصد ہے، یہ حدیث شریف علامہ ابن حجر عسقلانی نے شرح بخاری میں آیت مندرجہ ذیل کی تفسیر میں نقل کی ہے۔آیت شریفہ یہ ہے (فكيف اذا جئنا من كل أمة بشهيد و جئنا بك على هؤلاءِ شهيدا) اس آیت شریفہ کے تحت علامہ ابن حجر نے پہلے ایک حدیث نقل فرمائی ہے جس کے راوی محمد بن فضالہ ہیں اس حدیث شریف سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ ان لوگوں پر قیامت کے دن گواہی دیں گے جو آپ کے زمانہ میں تھے، اس اشکال کو رفع کرنے کے لیے علامہ ابن حجر نے ایک اور حدیث نقل فرمائی ہے حدیث شریف ملاحظہ ہو: (واخرج ابن المبارك في الزهد من طريق سعيد بن المسيب قال ليس من يوم إلا يعرض على النبي ﷺ امتهُ غدوةً و عشيةً فيعرفهم بسيماهم و أعمالهم فلذلك يشهد عليهم) یہاں تک حدیث شریف کے الفاظ ہیں۔اس کے بعد علامہ ابن حجر اپنی طرف سے ذکر فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو: (ففي هذا المرسل ما يرفع الاشكال الذى تضمنهُ حديث ابن فضالة) یعنی محمد ابن فضالہ کی گذشتہ حدیث سے جو یہ اشکال ہوتا تھا کہ آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد قیامت تک جو امت آنے والی ہے، ان پر آپ گواہ نہیں ہو نگے، اس دوسری حدیث سے جو کہ مرسل ہے وہ اشکال رفع ہو گیا، کیونکہ اس حدیث کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ ہر صبح شام ساری امت آپ پر پیش کی جاتی ہے اور آپ ہر ایک کو اس کی شکل وشباہت اور وضع قطع اور دوسری علامات سے، نیز ان کے اعمال سے پہچانتے ہیں، لہذا قیامت تک جو امت آنے والی ہے سب کے لیے شہید اور حاضر و ناظر ہیں۔

اب اس حدیث شریف کے چند فوائد ملاحظہ ہوں۔

اوّل - نبی اکرم ﷺ امت کے صرف اعمال پر ہی مطلع نہیں ہیں اور صرف اعمال کی وجہ سے ہی امت کو نہیں پہچانتے بلکہ شکل و شباہت اور علامات سے بھی ہر امتی کو پہچانتے ہیں اور قیامت میں ہر ایک کو پہچان کر اس کے اعمال پر گواہی دیں گے -

فائدہ دوم - اس حدیث شریف میں بھی یہ لفظ ہے (فیعرفھم) جو کہ معرفت سے مشتق ہے اور معرفت کا معنی پیچھے گذر چکا ہے کہ معرفت اس ادارک کو کہتے ہیں جو حواس کے ذریعہ سے حاصل ہو - اس جگہ (فیعلمھم) کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا، تاکہ یہ وہم نہ ہو کہ یہ معرفت وحی کے ذریعہ سے یا فرشتوں کی اطلاع کی وجہ سے ہوتی ہے، بلکہ یہ معرفت وحی اور ملائکہ کے واسطے کے بغیر حاصل ہوتی ہے، چونکہ معرفت حواس کے ذریعے سے ہوتی ہے، لہذا آپ کا ناظر ہونا بھی حواس کے ذریعے سے ثابت ہو گیا -

حاضر اور ناظر پر اور بھی دلائل ہیں جو کہ مواہب لدنیہ اور دیگر کتب سیرت میں مذکور ہیں، لیکن طوالت کے خوف سے بندہ اسی پر اکتفا کرتا ہے - اس کے بعد بندہ منکرین کے چند اشکالات نقل کرتا ہے، جو کہ آپ کے حاضر ناظر ہونے کے خلاف کیے جاتے ہیں -

اشکال اوّل: منکرین یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ بھی حاضر ناظر ہے اگر آپ بھی حاضر ناظر ہوں تو شرک لازم آئے گا، تو اس کے کئی جواب ہیں لیکن ان جوابات میں پورا غور کرنا پڑے گا تب سمجھ آئیں گے، کیونکہ اس میں علم لغت اور علم کلام کا بہت دخل ہے -

جواب اوّل: اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اسماء توقیفی اور شرع شریف پر موقوف ہیں - یعنی اللہ تعالیٰ پر اسی اسم کا اطلاق کر سکتے ہیں جو قرآن اور حدیث میں آیا ہے اور جو اسم قرآن و حدیث میں نہیں آیا اس اسم کا طلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں ہے - اللہ تعالیٰ کے جو اسماء قرآن و حدیث میں ہیں ان میں کہیں حاضر ناظر نہیں ہے تو اس صورت میں شرک کیسے لازم آئے گا؟

اس مسئلہ پر کتب کلام سے دلیل ملاحظہ ہو - فاضل لاہوری مولانا عبدالحکیم

سیالکوٹی رحمہ اللہ حاشیہ خیالی میں شرح مواقف سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(اعلم أنه لا كلام فى جواز إطلاق أسماء الاعلام الموضوعة فى اللغات له بل إنما النزاع فى الأسماء المأخوذة من الصفات والافعال فذهب المعتزلة والكرامية إلى أنه إذا دل العقل على اتصافه تعالىٰ بصفة وجودية او سلبية جاز أن يطلق عليه تعالىٰ اسم يدل على اتصافه تعالى بها سواء ورد بذلك إذن الشرع أولا و كذا الحال فى الأفعال وقال القاضى أبو بكر منا كل لفظ دل على معنى ثابت فيه جاز إطلاقه عليه بلا توقيف إذالم يكن موهما بما لا يليق بذاته تعالىٰ وقد يقال لابد مع نفى ذلك الايهام من الاشعار بالتعظيم حتى يصح الاطلاق بلا توقف و ذهب الشيخ و متابعوه إلى انه لابد من التوقيف وهو المختار وذلك الاحتياط احترازا عما يوهم باطلا،لعظم الخطر فى ذلك فلا يجوز الاكتفاء فى عدم إيهام الباطل بمبلغ إدراكنا بل لا بد من الاسناد إلى إذن الشرع كذا فى شرح المواقف)

خلاصہ اس طویل عبارت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء دو قسم کے ہیں اوّل عَلَم جو کہ ذات کے لئے موضوع ہے اور یہ عربی میں صرف لفظ اللہ ہے۔ دوم وہ اسماء جو صفات اور افعال سے مشتق ہیں، جیسا کہ علیم و قدیر و سمیع و بصیر وحی و متکلم و خالق ورازق و محیی و ممیت و معز و مذل۔ قسم اوّل یعنی عَلَم یہ شرع پر موقوف نہیں ہے ہر شخص اپنی لغت میں عَلَم وضع کر سکتا ہے، جیسے فارسی والے خدا کہتے ہیں اور انگریزی زبان میں گاڈ (God) اور جو دوسرے قسم کے اسماء صفات ہیں ان میں شیخ ابو الحسن اشعری جو کہ علم کلام میں اہل سنت کے امام ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ یہ اسماء توقیفی ہیں، یعنی سماع شرع پر موقوف ہیں، جن اسماء صفات کا ذکر قرآن و حدیث میں ہے صرف ان ہی کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہے، ہم اپنی طرف سے اپنے علم کے مطابق کسی نام کا اطلاق نہیں کر سکتے، کیونکہ ہم تو اپنے علم کے مطابق یہ خیال کریں گے کہ اس اسم میں کمال فضیلت ہے اور کسی باطل کا شبہ نہیں ہے لیکن ہو سکتا ہے کہ واقع میں ہم کو غلطی واقع ہو گئی ہو اور اس اسم میں سوء ادبی اور بطلان ہو۔

لہذا ہر اسم کے لئے اذن شرع ضروری ہے، بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ جو اسم شرع شریف میں وارد ہوا ہے اس کا مترادف اور ہم معنی اللہ تعالیٰ پر اطلاق کر سکتے ہیں۔ شیخ اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی غلط قرار دیا ہے کہ ترادف ہمارے علم کے مطابق ہوگا یعنی ہم سمجھتے ہیں کہ یہ دو لفظ مترادف ہیں، ہو سکتا ہے کہ مترادف نہ ہوں اور جس کو ہم مترادف سمجھ رہے ہوں اس میں کسی نقص کا وہم ہو اور یہ مقام بڑا عظیم الشان ہے، کیونکہ کلام اللہ تعالیٰ کے اسماء میں ہے جو کہ بہت ہی مبرا، منزہ، مقدس اعلیٰ ہے تو اس میں احتیاط یہی ہے، لہذا اللہ تعالیٰ کے اسماء میں اپنے علم پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔

کتب کلام میں اس کی کئی مثالیں دی گئی ہیں، مثلاً جواد اور سخی مترادف ہیں اور عالم اور عارف اور فقیہ اور عاقل یہ مترادف ہیں لیکن اللہ تعالیٰ پر ان میں سے صرف جواد اور عالم کا اطلاق جائز ہے جو کہ شرع شریف میں وارد ہے سخی اور عارف اور فقیہ اور عاقل کا اطلاق ناجائز ہے، اس پر مزید دلیل ملاحظہ ہو۔

(اذلانسلم أن الاذن بالشيئى إذن بمرادفه ولازمه لاحتمال أن يكون ذلك المرادف واللازم موهمين للنقص ولا يجوز الاكتفاء فى عدم إيهام الباطل بمبلغ إدراكنا لا حتمال عدم اطلاعنا على وجه إيهام فالتوقف واجب احتياطاً لعظم الخطر فى ذلك كما هو مذهب الشيخ الاشعرى وتابعيه)

اس عبارت میں فاضل محشی نے ان لوگوں کا رد کیا ہے جو مرادف کے اطلاق کے قائل ہیں۔ خلاصہ رد کا یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ایک شے کا اذن دیا ہے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے مترادف اور لازم کا بھی علم ہو، کیونکہ ترادف اور لزوم کا مدار ہمارے علم پر ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہمارے علم میں غلطی واقع ہوئی ہو اور واقع میں لزوم اور ترادف نہ ہو، کیونکہ کلام اللہ تعالیٰ کے اسماء مقدسہ میں ہے، لہذا احتیاط واجب اور ضروری ہے، البتہ قاضی ابو بکر باقلانی جو کہ علماء اہل سنت میں سے ہیں ان کا مذہب یہ ہے کہ اگر ہم سمجھتے ہیں کہ یہ معنی اللہ تعالیٰ میں پایا گیا ہے تو اس معنی پر جو لفظ

دال ہو اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کر سکتے ہیں، اگرچہ وہ لفظ شرع شریف میں وارد نہ ہو لیکن قاضی ابو بکر کے نزدیک اس لفظ کے اطلاق کے لئے دو شرطیں ہیں۔

اوّل یہ کہ اس میں کسی خرابی کا وہم نہ ہو۔

دوسرا یہ کہ وہ لفظ مُشعر بالتعظیم ہو یعنی اس سے تعظیم ظاہر ہوتی ہو۔

اس ساری تحقیق کے بعد یہ ثابت ہوا کہ حاضر ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز نہیں ہے، کیونکہ قرآن وحدیث میں کہیں اس لفظ کا اطلاق نہیں ہے اور اگر کوئی شخص یہ دعوی کرے کہ یہ ہر دو لفظ ان الفاظ کے مترادف ہیں جو شرع شریف میں وارد ہیں تو یہ قول بھی باطل ہے اس کی دلیل گزر چکی ہے لہذا شیخ اشعری رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق حاضر ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر ناجائز ٹھہرا۔ اور قاضی ابو بکر باقلانی کے مذہب پر بھی ناظر کا اطلاق منع ہے کیونکہ اس میں نقص کا وہم ہے اور یہ نقص بندہ دوسرے جواب میں تفصیل سے ذکر کرے گا۔

جواب دوم۔ یہاں بندہ ایک لغوی بحث پیش کرے گا جس سے ثابت ہوگا کہ ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر منع ہے اور اس میں نقص کا قوی وہم ہے۔

مقامات کے حاشیہ میں ہے:

(اعلم أن الرؤية إدراك المرئيّ والنظر هو الاقبال بالبصر نحو المرئيّ ولذلك قد ينظر ولا يراه ومنه لا يقال لله ناظر)

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ ایک رؤیت ہے اور دوسری نظر ہے رویت نظر کو لازم نہیں کیونکہ رؤیت کا معنی إدراك المرئيّ یعنی کسی شے کو دیکھ لینا اور نظر کا معنی ہماری زبان میں دیکھنا ہے اور ظاہر ہے کہ دیکھنے کو دیکھ لینا لازم نہیں ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے قد ينظر ولا يراه یعنی فلاں نے دیکھا تو تھا لیکن وہ شے نظر نہ آئی، اب اگر ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کریں گے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی بعض چیزوں کی طرف دیکھتا ہے، لیکن وہ چیز نظر نہیں آتی اور اس میں شدید قبح ہے نعوذ بالله من هذه القبائح۔ اس لئے محشی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ناظر نہ کہا جائے۔

قارئین! بندہ نے جو یہ حاشیہ مقامات کی عبارت نقل کی ہے یہ عبارت

علماء دیوبند کے سرخیل مولوی محمد ادریس کاندھلوی کی ہے تو معلوم ہوا کہ دیوبندی مکتب فکر کے نزدیک بھی اللہ تعالیٰ کو ناظر کہنا منع ہے۔

اب اس تحقیق سے ایک تو یہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا نام ناظر نہیں ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ قاضی ابو بکر باقلانی کے نزدیک بھی ناظر کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر منع ہے کیونکہ اس میں شدید نقص ہے۔

(فائدہ مہمة) یہاں یہ جاننا ضروری ہے کہ بندہ نے جو ذکر کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء توقیفی ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بعینہ ان اسماء کا شرع شریف میں وارد ہونا ضروری ہے، مثلاً اگر نظر یا ينظر شرع شریف میں آجائے اور اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اس سے ناظر کہنا جائز نہیں ہوگا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے (وعلم آدم الاسماء كلها) اب اس میں علّم کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے لیکن علامہ بیضاوی نے تصریح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو معلّم نہیں کہہ سکتے، بیضاوی کی عبارت ملاحظہ ہو۔ (وان التعليم يصح اسناده الى الله تعالىٰ وان لم يصح اطلاق المعلِم عليه) یعنی اگرچہ تعلیم کا اسناد اللہ تعالیٰ کی طرف صحیح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو معلم نہیں کہہ سکتے۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گاہے گاہے نفسِ فعل کے معنی میں کوئی نقصان نہیں ہوتا لیکن جب اس سے اسم مشتق کیا جاتا ہے تو اس میں نقصان آجاتا ہے۔

بندہ نے یہ اس لیے ذکر کیا ہے کہ بعض لوگ افعال کے اطلاق سے اسم کے اطلاق پر دلیل پکڑتے ہیں، یعنی اگر شرع شریف میں نَظَرَ، يَنظر واقع ہو تو اس سے ناظر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فاضل لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے حاشیہ خیالی میں فرمایا ہے (كون الماخذ صفة لله تعالىٰ لا يدل على صحة إطلاق المشتق على الله لأن الإطلاق موقوف على الإذن الشرعي) مطلب عبارت کا یہ ہے کہ اگر مصدر اللہ تعالیٰ کی صفت ہو تو ضروری نہیں کہ اس مصدر سے اسم کا صیغہ مشتق کر کے اللہ تعالیٰ پر اطلاق کیا جائے۔

جواب سوم۔ اگر بالفرض والتقدیر حاضر وناظر اللہ تعالیٰ کے اسماء سے ہو تو پھر جبکہ کئی دوسرے اسماء الٰہیۃ کا اطلاق نبی علیہ السلام پر ہوتا ہے تو اگر حاضر ناظر کا اطلاق

آپ پر ہو جائے تو اس میں کیا حرج ہے ؟ مثلاً شاہد و شہید و رؤف و رحیم ان چاروں کا اطلاق آنحضرت ﷺ پر آگیا ہے حالانکہ یہ اسماء الٰہیۃ میں سے ہیں -در اصل منکرین کو اللہ تعالیٰ کی صفات اور بندے کی صفات میں فرق کا علم نہیں ہے -اللہ تعالیٰ کے اسماء کا اطلاق جو بندے پر ہو جاتا ہے تو یہ صرف لفظی اشتراک ہے، ان کے معانی میں زمین آسمان سے زیادہ فرق ہے شاید منکرین اللہ تعالیٰ کی صفات اپنے جیسی سمجھتے ہیں، اس لئے ان کے پیٹ میں شرک کا درد اٹھتا ہے-

اللہ تعالیٰ اور بندے کی صفات کے درمیان فرق ملاحظہ ہو-

شرح عقائد میں ہے :

(لا يشبهه شيء اى لا يماثلهُ - أما إذا أريد بالمماثلة الا تحاد فى الحقيقة فظاهر أما اذا أريد بها كون الشيئَن بحيث يسد أحدهما مسد الآخر أى يصلح كل منهما لما يصلح له الآخر فلان شيئا من الموجودات لا يسدّ مسده فى شيء من الأوصاف فإن أوصافه من العلم والقدرة وغير ذلك أجل وأعلىٰ مما فى المخلوقات بحيث لا منا سبةَ بينهما قال فى البداية: إن العلم منّا موجود و عرض وعَلَمُ محدثٍ وجائز الوجود ويتجدد فى كل زمان فلوأثبتنا العلم صفة لله لكان موجودا وصفة قديمة و واجب الوجود و دائما من الأزل إلى الأبد فلا يماثل علم الخلق بوجه من الوجوه)

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل نہیں ہے، کیونکہ مثل کے دو ہی معنی ہیں یا تو مثل اس چیز کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقت میں متحد ہو اور ظاہر ہے کوئی موجود اللہ تعالیٰ کے ساتھ حقیقت میں متحد نہیں ہے اور مثل کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مثل وہ ہے کہ صفات میں اللہ تعالیٰ کے قائم مقام ہو سکے اور کوئی شے اپنی صفت کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی صفت کے قائم مقام نہیں ہو سکتی، مثلاً اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت اور مخلوق کے علم و قدرت میں بہت بڑا فرق ہے اور ان میں

کوئی مناسبت نہیں -مثلاً بندہ کا علم عرض ہے جو کہ محل کی طرف محتاج ہے اور حادث ہے یعنی پہلے معدوم تھا اور بعد میں موجود ہوا اور جائز الوجود ہے، یعنی اگر یہ علم نہ ہو تو کوئی خرابی لازم نہیں آتی اور اللہ تعالیٰ کا علم اس کی ایسی صفت ہے کہ قدیم ہے یعنی اس کی ابتداء نہیں اور واجب الوجود ہے یعنی علم کا ثبوت اللہ تعالیٰ کے لئے ضروری ہے اور انفکاک محال ہے اور ازل سے ابد تک دائم ہے، لہذا اسی وجہ سے بھی اللہ تعالیٰ کا علم مخلوق کے علم کی مثل نہیں ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات ہیں-

اشکال دوم -بندہ نے جو شاہد اور شہید کا معنی ذکر کیا ہے اس پر منکرین کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ آیت مذکورہ بالا (ویکون الرسول علیکم شهیدا) سے پہلے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے -(لتکونوا شهداء علی الناس) یعنی تم لوگوں پر قیامت میں گواہی دو گے، تو اگر شاہد اور شہید کا معنی حاضر کیا جائے تو ساری امت حاضر ناظر ہو جائے گی حالانکہ ایسا نہیں ہے اس سوال کے دو جواب ملاحظہ ہوں-

جواب اوّل - مذکورہ بالا سوال منکرین کا بہت مشہور سوال ہے اور اس سے عوام کو کافی دھوکہ لگتا ہے -اس لئے اس جواب کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جائے گا -اور اس پر غور لازمی ہے - تفصیل آیت کی یہ ہے کہ پہلی امتیں قیامت میں انکار کریں گی کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہیں آیا اور اس نے ہم کو کوئی تبلیغ نہیں کی اور اگلی امتوں کے رسول یہ فرمائیں گے کہ ہم ان کے پاس گئے اور ان کو تبلیغ کی تھی، تو اللہ تعالیٰ رسولوں سے اس دعویٰ پر گواہ طلب فرمائے گا، تو رسول کہیں گے کہ ہماری گواہ امت محمد ﷺ ہے، پھر یہ امت قیامت میں گواہی دے گی کہ انبیاء کرام علیہم السلام صحیح فرماتے ہیں کہ یہ نبی امتوں کے پاس گئے اور ان کو تبلیغ کی، اگلی امتیں اس امت پر اعتراض کریں گی کہ تم تو ہم سے بہت پیچھے پیدا ہوئے اور تم ہمارے زمانہ میں موجود نہیں تھے تو پھر تم ہم پر کس طرح گواہی دے سکتے ہو ؟ تو یہ امت جواب دے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف حضرت محمد ﷺ کو بھیجا اور ان پر اپنی کتاب نازل فرمائی، اس کتاب مقدس میں اللہ تعالیٰ نے ہم کو خبر دی کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اپنی امتوں کے پاس گئے اور ان کو تبلیغ فرمائی-

اس پر بیضاوی شریف کی عبارت ملاحظہ ہو۔

(روی أن الامم یوم القیامة یجحدون تبلیغ الأنبیاء علیهم السلام فیطالبهم اللّٰه تعالیٰ بیّنة التبلیغ و هو أعلم بهم إقامة للحجّةِ علی المنکرین فیؤتی بامّةِ محمد ﷺ فیشهدون فتقول الامم من این عرفتم؟ فیقولون علمنا ذلك باخبار اللّٰه تعالیٰ فی کتابه الناطق علی لسان نبیّهِ الصادق)

خلاصۂ ترجمہ یہ ہے کہ قیامت کے دن امتیں تبلیغ انبیاء کا انکار کریں گی، تو اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام سے تبلیغ پر گواہ طلب فرمائے گا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کو اس کا علم تھا، اس کے باوجود گواہ اس لئے طلب کیے جائیں گے تاکہ منکرین پر دلیل قائم ہو، پس امت محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو کر انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں گواہی دے گی، تو سابقہ امتیں اعتراض کریں گی کہ تم کو اس کا کیسے مشاہدہ حاصل ہوا؟ تو یہ امت جواب دے گی کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس کتاب کے ذریعہ سے خبر دی جو نبی صادق ﷺ پر نازل فرمائی، تو اس آیت میں بھی شہادت کا معنی حضور ہے کیونکہ حضور دو قسم ہے۔ اوّل حضور ذاتی اور دوم حضور علمی جیسا کہ علم کی تعریف کتب منطق میں ہے (العلم هو الحاضر عندالمدرك) تو نبی علیہ السلام کی شہادت میں حضور ذاتی ہے اور امت کی شہادت میں حضور علمی اور حاضر ناظر وہ ہے جس کے لئے حضور ذاتی ہو نہ کہ جس کے لئے حضور علمی ہو۔ اس پر دلیل ملاحظہ ہو۔

علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی حاشیۂ بیضاوی میں فرماتے ہیں:

(والمشاهدة بمعنی المعاینة للحضور إما بذاته و شخصه کما فی الامام والناصر وإما بعلمه کما فی القائم بالشهادة)

یعنی مشاہدہ کا معنی دیکھنا اور حضور ہے، یا تو یہ حضور بذاتہ اور بشخصہ ہو گا جیسا کہ امام اور ناصر ہوتا ہے کہ امام کے سامنے جب مقدمات کے فیصلے ہوتے ہیں۔ یا ناصر جب کسی کی مدد کرتا ہے تو یہ دونوں بذاتہ اور بشخصہ حاضر ہوتے ہیں اور جو آدمی عدالت میں گواہی دیتا ہے تو اسکو واقعہ کا حضور علمی ہوتا ہے، یعنی وہ واقعہ اس کے ذہن میں حاضر ہوتا ہے

اگرچہ گواہی دینے کے وقت واقعہ کے مقام پر بذاتہ اور بشخصہ حاضر نہیں ہوتا۔

اسی حاشیہ بیضاوی میں فاضل لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری جگہ فرمایا:

(وقد مرّ فی تفسیر قوله وادعوا شهداء کم أن التر کیب یدل علی الحضور إما ذاتا أوعلماً)

یعنی پہلے گذر چکا ہے کہ شہادت کی ترکیب حضور پر دلالت کرتی ہے اور حضور یا ذاتی ہوتا ہے یا علمی۔

علامہ بیضاوی نے (قولهٗ تعالیٰ فمن شهد منکم الشهر فلیصمه) کی تفسیر میں فرمایا:

(فمن حضر فی الشهر ولم یکن مسافرا فلیصم فیه وقیل فمن شهد منکم هلال الشهر فلیصم)

یعنی یہاں بھی شہادت کا معنی حضور ہے اور اس کے دو معنی ہیں۔ معنی اوّل۔ وہ شخص کہ رمضان میں اپنے گھر میں حاضر ہے اور مسافر نہیں ہے ۔ معنی دوم یہ کہ جو ہلال رمضان کو حاضر ہے یعنی جس نے چاند کو دیکھا ہے وہ روزہ رکھے پہلے معنی میں حضور ذاتی مراد ہے اور دوسرے معنی میں حضور علمی مراد ہے۔

دلیل ملاحظہ ہو۔ فاضل لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے حاشیہ میں فرماتے ہیں:

(فی القاموس شهدهٗ شهودا ای حضره وشهد اللّٰه انهٗ لا اله الا هو ای علم وقد مرّ فی تفسیر قوله تعالیٰ وادعوا شهداء کم أن التر کیب یدل علی الحضور إما ذاتا أو علماً)

خلاصہ عبارت کا یہ ہے کہ حضور دو قسم ہے۔ ذاتی اور علمی اور یہ جو فرمایا گیا ہے (شهد اللّٰه انه لا اله إلّا هو) یہاں حضور علمی مراد ہے۔

علامہ بیضاوی نے جو فمن شهد منکم الشهر کے دو معنی بیان کیے ہیں، ان میں فاضل لاہوری اپنے حاشیے میں فرق بیان کرتے ہیں:

(فالاول مبنیٌّ علی أن الشهود بمعنی الحضور ذاتا والوجه الثانی مبنی علی أنه بمعنی الحضور علمًا أی من علم هلال الشهر و تیقّن به)

ان تمام عبارات سے یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ حضور دو قسم ہے اوّل حضور

ذاتی جو کہ ویکون الرسول علیکم شهیدا میں مراد لیا گیا ہے اور دوسرا حضور علمی جو کہ لتکونوا شهداء علی الناس میں مراد لیا گیا ہے -لہذا دوسرا اشکال رفع ہو گیا یہاں تک دوسرے اشکال کا پہلا جواب ختم ہوا-اب دوسرا جواب شروع ہوتا ہے-

جواب دوم-یہ ایک مسلم قاعدہ اور قانون ہے کہ لفظ کا ایک معنی حقیقی ہوتا ہے اور ایک مجازی، ہر جگہ لفظ کا حقیقی معنی لیا جائے گا اور حقیقی معنی کے لئے کسی قرینہ کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ حقیقی معنی کے لئے قرینہ کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے، بلکہ معنی کا حقیقی ہونا ہی اس کے مراد ہونے کی دلیل ہوتی ہے اور جہاں حقیقی معنی نہیں بن سکتا تو وہاں معنی مجازی لیا جاتا ہے اور معنی مجازی کے لئے قرینہ کا ہونا ضروری ہے-آج کل ایک بری رسم چل نکلی ہے کہ جس جگہ لفظ کا حقیقی معنی نہیں بن سکتا، تو وہاں حقیقی معنی کا انکار ہی کر دیا جاتا ہے-اور عذر پیش کیا جاتا ہے کہ اگر یہ حقیقی معنی ہوتا تو یہاں بھی وہ درست ٹھہرتا، یہ طریقہ غلط ہے اور جاہلوں کا کام ہے، کیونکہ حقیقی معنی تو لغت سے ثابت ہے، اس کا انکار کیسے ہو سکتا ہے؟ لہذا جس جگہ حقیقی معنی نہیں بن سکے گا وہاں تاویل کی جائے گی-

اگرچہ یہ قاعدہ قانون ہر اہل علم جانتا ہے، لیکن پھر بھی اس کی وضاحت کے لئے بندہ ایک مثال پیش کرتا ہے، مثلاً عربی لغت میں لفظ اسد کی وضع حیوان مفترس (چیرنے پھاڑنے والے حیوان) کے لئے ہے اور اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اب عربی کا ایک اور محاورہ ہے (رأیت اسدًا یرمی) یعنی میں نے اس شیر کو دیکھا جو تیر چلا رہا تھا، اس محاورہ میں اسد کا حقیقی معنی نہیں بن سکتا، تو کوئی ذی علم یہ نہیں کہے گا کہ چونکہ اس محاورہ میں اسد کا معنی حیوان مفترس نہیں ہو سکتا، لہذا یہ اسد کا حقیقی معنی ہی نہیں ہے، جبکہ ہر ذی علم جانتا ہے کہ اسد کا حقیقی معنی تو وہی حیوان مفترس ہے، لیکن یہاں قرینہ کی وجہ سے معنی مجازی مراد لیں گے، منکرین کو یہاں بھی مذکورہ بالا دھوکہ ہوتا ہے، بندہ نے لغت کے لحاظ سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ جہاں بھی شہادت کا مادہ مستعمل ہو گا تو وہاں مشاہدہ اور حضور کا ہونا ضروری ہے، لہذا اس معنی کا انکار نہیں کیا جا سکتا، تو قرآن پاک میں جہاں جہاں آنحضرت ﷺ کو شاہد یا شہید فرمایا گیا ہے تو ہم نے وہاں احادیث

اور مفسرین کی تصریحات سے ثابت کر دیا ہے کہ یہاں حضور اور مشاہدہ والا معنی مراد ہے اب منکرین کے خیال میں آیت (لتکونوا شهداء علی الناس) میں حضور اور مشاہدہ والا معنی نہیں بن سکتا تو وہ سرے سے حضور اور مشاہدے، یعنی حقیقی معنی کا ہی انکار کر دیتے ہیں، جو کہ بڑی کم علمی ہے، لہذا ان کو جاننا چاہیے کہ آیت لتکونوا شهداء علی الناس میں اگر حقیقی معنی تمہارے خیال میں نہیں بن سکتا، تو اس آیت میں توجیہ اور تاویل کرنی چاہیے کہ یہاں شہادت سے مراد یہ ہے کہ امت نے قرآن میں پڑھا کہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امت کو تبلیغ کی، نیز اس امت نے صادق و مصدوق ﷺ سے یہی مضمون سنا اور امت کا یہ علم چونکہ مشاہدے سے بڑھ کر ہے، لہذا یہ امت مرحومہ اگلی امتوں پر گواہی دے گی-

اس کی مثال حدیث پاک میں ملاحظہ ہو-ایک صحابی جن کا نام حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے، انہوں نے آنحضرت ﷺ کے حق میں گواہی دی حالانکہ یہ موقع پر حاضر نہ تھے، تو آنحضرت ﷺ نے انکو فرمایا کہ تم جب موقع پر حاضر نہ تھے تو پھر کیوں شہادت دی؟ تو انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ جب آپ نے فرمایا تو مجھے اس طرح اس بات کا یقین ہو گیا کہ جیسے دیکھی جاتی ہے، اس لئے میں نے گواہی دے دی ہے، آنحضرت ﷺ حضرت خزیمہ پر اتنے خوش ہوئے کہ فرمادیا کہ جس واقعہ کا گواہ حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہو-وہاں دوسرے گواہ کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ان کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے، اس جگہ بھی شہادت کا حقیقی معنی نہیں ہو سکتا تھا، تو کوئی عقل مند یہ نہیں کہہ سکتا کہ چونکہ حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں حضور اور مشاہدہ نہیں ہے، لہذا شہادت میں حضور اور مشاہدہ کوئی ضروری نہیں، بلکہ شہادت کا وہی معنی لیا جائے گا جو کہ حقیقی ہے اور جس میں حضور اور مشاہدہ ضروری ہے اور حضرت خزیمہ کے واقعہ میں یہ توجیہ کی جائے گی کہ یہاں شہادت سے مراد علم یقینی ہے، تو یہ امت مرحومہ قیامت میں امم سابقہ پر گواہی دے گی، یہ شہادت اور حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کی شہادت ایک جیسی ہے، یعنی دونوں کی مراد علم یقینی ہے اور یہ علم یقینی اللہ جل شانہ اور رسول اللہ ﷺ کے فرمان سے حاصل ہوا-

اشکال سوم - بعض ناسمجھ لوگ شہادت کے حقیقی معنی پر یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ تمام مسلمان کلمہ شہادت پڑھتے ہیں یعنی اشهد ان لا إله إلا الله واشهد أن محمدًا عبده و رسوله - اب اگر شہادت کا معنی حاضر ناظر ہو تو لازم آئے گا کہ ہم اللہ جل شانہ اور رسول اللہ ﷺ کو دیکھ رہے ہیں، تو ہم بھی حاضر ناظر ٹھہرے -

جواب: بندہ پہلے مفردات امام راغب کی عبارت سے ثابت کر چکا ہے کہ شہادت میں جو حضور اور مشاہدہ ہوتا ہے وہ کبھی بصر، یعنی آنکھ سے اور کبھی بصیرت، یعنی عقل سے ہوتا ہے، نیز فاضل لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے حاشیہ سے ثابت کیا گیا ہے کہ حضور یا ذاتا ہوتا ہے یا علما اور قولہ تعالیٰ (شهد الله انه لا اله الا هو) یہاں حضور علمی ہے، تو اب سوال کا جواب واضح ہے کہ مسلمان جو کلمہ شہادت پڑھتے ہیں، تو اس کی تصدیق اور علم ان کی بصیرت کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور بصیرت اس کا مشاہدہ کرتی ہے، تو اب یہاں بھی حضور پایا گیا، لہذا کوئی اشکال نہیں ہے، ہم سے پہلے علمائے کرام علوم شرعیہ میں ماہر ہوتے تھے - لہذا ان کے سوالات بھی معقول ہوتے تھے اور جواب بھی معقولیت سے دیا جاتا تھا، آج کل چونکہ علمائے کرام علوم شرعیہ میں نہایت کمزور ہیں، اس لئے ایسے غیر معقول سوال کرتے ہیں کہ سمجھ دار آدمی کو تعجب ہوتا ہے -

اشکال چہارم - صحیح مسلم میں ہے (عن أبي هريرة أن رسول الله ﷺ أتى المقبرة فقال: السلام عليكم دار قوم مؤمنين وانا إن شاء الله بكم لاحقون وددت أنا قد رأينا إخواننا قالوا أولسنا إخوانك يا رسول الله! قال أنتم أصحابي وإخواننا الذين لم ياتوا بعد، فقالوا كيف تعرف من لم يات بعد من أمتك يا رسول الله! فقال: أرأيت لو ان رجلاً له خيل غرٌّ محجّلة بين ظهري خيلٍ دُهمٍ بهمٍ ألا يعرف خيلهُ؟ قالوا: بلىٰ يا رسول الله! قال فانهم يأتون غرًا محجّلين من الوضوء - وأنا فرطهم على الحوض، الا ليذادن رجال عن حوضي، كما يذاد البعير الضال، أناديهم ألا هلُم فيقال: إنهم قد بدّلوا بعدك فاقول: سحقًا سحقًا)

اس حدیث کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ قبرستان میں تشریف لے گئے اور ان کو سلام دیا پھر فرمایا کہ میں اپنے بھائیوں کو دیکھنا چاہتا ہوں، صحابہؓ نے عرض کی کہ کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم میرے اصحاب ہو اور میرے بھائی وہ ہیں جو ابھی تک دنیا میں نہیں آئے، تو صحابہ نے عرض کی کہ جو لوگ اب تک آپ کی امت میں سے نہیں آئے، ان کو آپ کس طرح پہچانیں گے؟ تو آپ نے فرمایا کہ تم ہی بتاؤ کہ کسی شخص کا گھوڑا غر- محجل ہو یعنی اس کے چار پاؤں اور ماتھا سفید ہو اور وہ گھوڑا بالکل سیاہ گھوڑوں میں مل جائے، تو کیا وہ آدمی اپنا گھوڑا پہچان نہیں لے گا؟ صحابہ نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! خوب پہچان لے گا، تو آپ نے فرمایا وہ لوگ بھی قیامت کے دن غر- محجل ہوں گے یعنی ان کے ہاتھ پاؤں اور پیشانی وضو کے سبب نورانی ہوگی اور میں حوض کوثر پر ان کا انتظام کروں گا- پھر آپ نے فرمایا کہ کئی لوگ ایسے ہوں گے جو میرے حوض سے دور کیے جائیں گے جیسا کہ کسی کا گم شدہ اونٹ حوض سے دور کیا جاتا ہے، تو میں ان کو بلاؤں گا کہ ادھر آؤ تو مجھے جواب دیا جائے گا کہ انہوں نے آپ کے بعد دین تبدیل کر لیا تھا تو میں کہوں گا کہ دور ہو جاؤ! دور ہو جاؤ!

جن لوگوں کا اس حدیث شریف میں ذکر ہے کہ ان کو حوض کوثر سے دور رکھا جائے گا، ان کے متعلق مسلم شریف کی ایک اور حدیث میں اس طرح وارد ہے (وليصدّن عنى طائفة منكم فلا يصلون، فاقول: يارب هؤلاء من أصحابي فيجيبني ملك فيقول: هل تدري ما أحدثوا بعدك) اس حصہ کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ فرماتے ہیں تم میں سے ایک گروہ قیامت کے دن مجھ سے دور کیا جائے گا، پس وہ گروہ نہیں پہنچ سکے گا، تو میں کہوں گا کہ اے رب یہ تو میرے اصحاب سے ہیں، تو فرشتہ جواب دے گا کیا آپ جانتے ہیں وہ چیز جو انہوں نے آپ کے بعد پیدا کی؟ جن لوگوں کا اس حدیث شریف میں ذکر ہے ان سے مراد منافقین اور مرتدین ہیں اور جو لوگ آپ کے زمانہ میں مسلمان تھے اور بعد میں مرتد ہو گئے -

منکرینِ حاضر و ناظر ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں، کہ قیامت تک آنے والے لوگوں کے اعمال پر آپ مطلع نہیں ہیں، اگر مطلع ہوتے تو ان کو کیوں کہتے

کہ ادھر آؤ، نیز ان کو کیوں کہتے ؟ کہ یہ میرے اصحاب سے ہیں، نیز فرشتہ یہ کیوں کہتا کہ هل تدری ما أحدثوا بعدك کیوں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ آپ نہیں جانتے جو انہوں نے بعد میں پیدا کیا ہے، یہ احادیث منکرین، عرض اعمال اور آنحضرت ﷺ کے علم کلی کے خلاف بھی استدلال کے طور پر پیش کرتے ہیں اور ان احادیث کے سمجھنے میں منکرین اور ان کے محدثین کو بہت سی لغزشیں واقع ہوئی ہیں، لہذا اس سوال کے جوابات میں بندہ ذرا زیادہ تفصیل بیان کرے گا امید ہے کہ منصف لوگ اس کی قدر کریں گے۔

جواب اوّل- بندہ کہہ چکا ہے کہ باطل ظاہر ہوتا ہے اور حق پوشیدہ ہوتا ہے ان احادیث میں غور کرنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان لوگوں کا دنیا میں بھی پورا پورا علم تھا اور قیامت میں بھی ان کا علم ہوگا، کسی صورت میں منکرین احادیث کے ساتھ استدلال نہیں پکڑ سکتے کہ آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے تھے-

جواب کی تمہید کے لئے ایک حدیث کا پہلے جاننا ضروری ہے- مسلم اور بخاری دونوں میں حضرت حذیفہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہر شے کو قیامت تک بیان فرمادیا، جس نے یاد رکھا اسے یاد رہا اور جس نے بھلا دیا اس کو بھول گیا اور میرے یہ دوست اس کو جانتے ہیں کہ کبھی کبھی ایسی شے واقع ہو جاتی ہے کہ میں اسے بھول گیا تھا، پس جس وقت میں اسے دیکھتا ہوں تو مجھے یاد آجاتی ہے کہ یہ تو آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی- جیسا کہ ایک آدمی دوسرے آدمی سے غائب ہو جاتا ہے اور آدمی اس غائب کو بھول جاتا ہے اور جب دوبارہ دیکھتا ہے تو اس کو یاد آجاتا ہے- کہ یہ تو وہی شخص ہے جس کو میں نے پہلے دیکھا تھا، اس حدیث سے روز روشن کی طرح ثابت ہوگیا کہ صحابہ کرام نے آنحضرت ﷺ سے جو واقعات استقبالیہ سنے تھے اگرچہ درمیان میں ان کو بھول گئے، لیکن جب وہ واقعہ ظہور پذیر ہوتا تھا تو صحابہ کرام جان جاتے تھے کہ یہ تو وہی واقعہ ہے جس کا آپ نے ذکر کیا تھا-

اب ذرا مسلم شریف کی حدیث کی طرف آیئے جب آنحضرت ﷺ نے دنیا میں صحابہ کرام کو فرمادیا کہ قیامت میں کئی ایسے لوگ ہوں گے کہ میں انکو اپنی طرف

بلاؤں گا، تو فرشتے کہیں گے کہ یہ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے اور پھر میں ان کو کہوں گا کہ دور ہو جاؤ! تو اسی سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو دنیا میں ان کے کفر کا علم تھا، جیسے اس حدیث کو پڑھنے والے کو علم ہو جاتا ہے کہ یہ مرتدین ہیں اور آپ کی امت نہیں ہیں، تو جب قیامت میں یہ واقعہ پیش آئے گا تو آپ کو اس وقت بھی ان لوگوں کا یقیناً علم ہوگا کہ یہ وہی مرتدین ہیں جن کا ذکر میں دنیا میں اپنی امت کو بتا آیا ہوں، بلکہ قیامت میں جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں گے تو آپ کو یہ بھی علم ہوگا کہ میں ان کے متعلق یہ کہوں گا کہ (هٰؤلاء من اصحابی) اور فرشتہ مجھے یہ جواب دے گا کہ (هل تدری ما أحدثوا بعدك) منکرین کی یہ کتنی افسوس ناک بات ہے ؟ کہ صحابہ کرام رضوان الله تعالیٰ علیهم أجمعین تو جو واقعہ حضور سے سنیں کہ آئندہ یہ ہونے والا ہے تو جب وہ واقعہ پیش آئے تو صحابہ کرام کو علم ہو جائے کہ یہ وہی واقعہ ہے جس کا حضور نے تذکرہ فرمایا تھا اور منکرین کے اعتقاد کے مطابق آنحضرت ﷺ جس واقعہ کا ذکر دنیا میں صحابہ کرام کے سامنے فرماتے ہیں اور دنیا میں اس واقعہ کا آپ کو علم ہے تو جب قیامت کے دن وہ واقعہ پیش آتا ہے تو آپ کو اس کا کوئی علم نہیں ہوتا کہ یہ تو وہی واقعہ ہے کہ جو میں نے دنیا میں بیان کیا تھا، تو منکرین کے عقیدہ کے مطابق صحابی کا علم سرور دو عالم ﷺ کے علم سے زیادہ پختہ ہوا، کیونکہ صحابی نے جو آپ سے سنا تھا جب وہ واقعہ اس کے سامنے آیا تو اسکو علم ہو گیا کہ یہ وہی واقعہ ہے جو میں نے سنا تھا، لیکن آنحضرت ﷺ دنیا میں ایک واقعہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ہونے والا ہے، لیکن جب وہ واقعہ وقوع پذیر ہوتا ہے تو منکرین کے عقیدہ کے مطابق آپ کو یہ علم نہیں ہوتا کہ یہ وہی واقعہ ہے جو دنیا میں بیان کر چکا ہوں- کیا اس عقیدہ والا آدمی آپ کے ساتھ محبت میں مخلص ہو سکتا ہے ؟ ہرگز نہیں- اب واضح ہوگیا کہ جب آپ قیامت میں ان لوگوں کو دیکھیں گے تو پہلی نظر میں پہچان جائیں گے کہ یہ وہی کفار اور مرتدین ہیں جن کا ذکر میں دنیا میں اپنی امت کو کر آیا ہوں-

غور فرمائیں کہ اس پندرھویں صدی کے اہل سنت جو مسلم شریف کی ان احادیث کو پڑھتے ہیں اور ساری عمر پڑھاتے رہتے ہیں اور دنیا میں ان کو علم ہے کہ یہ

کفار اور مرتدین ہیں - یہ اہل سنت جب قیامت میں ان لوگوں کو دیکھیں گے کہ یہ لوگ حوض کوثر سے روکے جا رہے ہیں، تو فوراً معلوم کر لیں گے کہ یہ وہی کفار اور مرتدین ہیں جن کا ذکر ہم مسلم شریف میں دنیا میں پڑھ آئے ہیں اور پڑھا آئے ہیں تو پھر شارع علیہ السلام کو جن کو علم نہایت ہی قوی ہے، کس طرح قیامت میں علم نہیں ہوگا؟ جن کے علم کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے کلام پاک میں بایں الفاظ بیان فرمایا ہے کہ (ان علینا بیانہ) کے اے محبوب! قرآن کا بیان کرنا ہماری ذمہ داری ہے، رہا یہ سوال کہ جب آپ ان کو جانتے ہیں تو پھر قیامت میں ان کے متعلق سوال کیوں کریں گے؟ تو اس کا جواب بندہ ان شاء اللہ آگے چل کر مدلل اور بحوالہ کتب معتبرہ عند المنکرین بیان کرے گا - انتظار فرمائیں -

جواب دوم - ان ہی احادیث کے اوّل میں گزر چکا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ سے سوال کیا کہ جن بھائیوں کے دیکھنے کی آپ تمنا فرما رہے ہیں جو بعد میں آنے والے ہیں، ان کو آپ کیسے شناخت کریں گے کہ یہ میری امت اور میرے بھائی ہیں؟ تو آپ نے نہایت واضح مثال سے سمجھایا کہ میں ان کو کس طرح شناخت کروں گا، مثال یہ ہے کہ ایک بندہ کا گھوڑا غر محجل ہو یعنی اس کے پاؤں اور پیشانی سفید ہو اور وہ بالکل سیاہ گھوڑوں میں مل جائے، تو کیا وہ آدمی اپنے گھوڑے کی شناخت نہیں کرے گا؟ اب جس آدمی کا گھوڑا غر محجل ہو اور اس آدمی کے سامنے ایک بالکل سیاہ گھوڑا پیش کیا جائے جس کو اس آدمی نے اس سے پہلے بالکل نہیں دیکھا اور اس سے پوچھا جائے کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ تمہارا گھوڑا ہے یا نہیں؟ تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ میں یقیناً جانتا ہوں کہ یہ میرا گھوڑا نہیں ہے، کیونکہ میرے گھوڑے والی علامتیں اس میں موجود نہیں اور اگر یہ شخص یہ کہے کہ میرے گھوڑے کی فلاں فلاں علامتیں ہیں اور وہ علامتیں اس سیاہ گھوڑے میں نہیں پائی جاتیں - لیکن اس کے باوجود مجھے یہ علم نہیں ہے کہ یہ میرا گھوڑا ہے یا نہیں - تو ایسے آدمی کو کوئی عقل مند، سمجھ دار نہیں کہے گا - بلکہ مجنون کہے گا، تو جب آپ نے اپنی امت کی علامتیں غر محجل فرمائی ہیں اور یہ علامتیں مؤمنوں میں پائی جائیں گی اور اور کفار مرتدین میں نہیں پائی جائیں گی، تو یقیناً

قیامت میں آپ مؤمنوں کو تو اس وجہ سے شناخت کریں گے کہ ان میں وہ علامتیں پائی جاتی ہیں اور کفار کو اس وجہ سے شناخت کریں گے کہ ان میں وہ علامات نہیں پائیں گے اور دنیا میں بھی دوست اور اجنبی کی شناخت کا یہی طریقہ ہے کہ آدمی دوست کی شکل اور چہرہ مہرہ جانتا ہے، اب اس شخص کے سامنے اگر ایک اجنبی کو پیش کیا جائے جس کو اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا اور اس سے سوال کیا جائے کہ بتاؤ تجھے علم ہے کہ یہ تمہارا دوست ہے یا تم کو علم ہے کہ یہ تمہارا دوست نہیں ہے؟ تو وہ فوراً کہہ دے گا کہ یہ میرا دوست نہیں ہے، کیونکہ میرے دوست کی شکل اور چہرہ مہرہ اس میں نہیں پایا جاتا اگر وہ شخص یہ کہے کہ میرے دوست کی علامات تو اس اجنبی میں نہیں پائی جاتیں، لیکن اس کے باوجود مجھے یہ علم نہیں ہے کہ یہ اجنبی میرا دوست ہے یا کہ نہیں ہے تو اس کو سفیہ (بے وقوف) کہا جائے گا -

منکرین کے عقیدہ کے مطابق اگر قیامت میں آپ امت اور غیر امت میں اور مؤمنوں اور کفار مرتدین میں امتیاز نہ فرما سکیں گے، تو غر محجل والی حدیث کی تکذیب ہوتی ہے، حیف ہے منکرین کے محدثین پر جو یہ کہتے ہیں کہ مؤمنوں کو تو آپ علامات سے پہچانیں گے اور کفار و مرتدین کو باوجود اس کے کہ ان میں وہ علامات نہیں ہیں، پہچان نہیں سکیں گے -

خلاصہ جواب کا یہ ہے کہ قیامت میں امتیاز کی مدار غرہ اور تحجیل پر ہے، مسلمانوں میں یہ علامتیں موجود ہوں گی، لہٰذا وجود علامات کی وجہ سے مؤمنوں کو پہچانیں گے اور کفار مرتدین میں غرہ اور تحجیل کی نفی ہو گی لہٰذا کفار مرتدین کو اس نفی کی وجہ سے پہچانیں گے - آنحضرت ﷺ کا تو معاملہ ہی اور ہے جو علمائے اہل سنت غرہ اور تحجیل والی حدیث کو دنیا میں پڑھتے پڑھاتے رہے ہیں، وہ بھی قیامت میں ان علامات کے اثبات اور نفی سے اس امت مرحومہ اور غیر امت میں آسانی سے امتیاز کر لیں گے -

اگر منکرین کے محدثین سے کوئی پوچھے کہ کیا اس غرہ اور تحجیل کی علامت سے تم مؤمنوں اور کفار مرتدین کو قیامت میں پہچان لو گے یا نہیں؟ تو میرے خیال میں یہ اثبات میں جواب دیں گے، تو گویا یہ لوگ سرور دو عالم ﷺ کے علم کو اپنے علم سے بھی

کمتر جانتے ہیں- نعوذ باللہ من هذه العقيدة القبيحة -

قارئین کرام - چونکہ حدیث مسلم شریف سے منکرین، عوام کو بڑا دھوکہ دیتے ہیں، اس لئے جواب میں طوالت آگئی ہے اور قارئین کو تکرار کا بھی وہم ہوگا لہذا بندہ معذرت خواہ ہے-

جواب سوم- مستدرک حاکم میں بندہ نے ایک حدیث پڑھی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے صحابہ کرام کو فرمایا کہ قیامت میں کئی ایسے لوگ ہوں گے جن کو حوض کوثر سے روکا جارہا ہوگا- تو حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فوراً سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میں ان لوگوں میں ہوں گا یانہ؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ تم ان میں نہیں ہوگے، تو اس سے بھی پتہ چلا کہ ان کفار اور مرتدین کا دنیا میں آپ کو پورا پورا علم ہے کہ وہ کون لوگ ہوں گے؟ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو آپ کے بعد مرتد ہوئے تھے، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ هؤلاء من اصحابی تو آپ کو دنیا میں ان لوگوں کا علم تھا جنہوں نے بعد میں مرتد ہونا تھا-

جواب چہارم- علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی جو مرسل حدیث ذکر فرمائی ہے- جس کا ذکر پہلے آچکا ہے دوبارہ ملاحظہ ہو:

(ليس من يوم الا يعرض على النبي ﷺ امته غدوة وعشية فيعرفهم بسيماهم وأعمالهم فلذلك يشهد عليهم ففي هذا المرسل ما يرفع الاشكال الذي تضمنه حديث ابن فضالة)

اس حدیث شریف میں یہ امر صراحۃً مذکور ہے کہ خواہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے لوگ ہوں یا قیامت تک آنے والی امت آپ صرف ان کے اعمال پر ہی مطلع نہیں بلکہ عمل کرنے والوں کو بھی ان کی شکل اور چہرہ مہرہ سے پہچانتے ہیں اور یہی علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کا مختار ہے- لہذا ابن حجر رحمہ اللہ نے اخیر میں فرمایا کہ ابن فضالہ کی حدیث سے جو اشکال پیدا ہوتا تھا کہ آپ صرف ان لوگوں کو جانتے ہیں، جو آپ کے زمانہ میں تھے، وہ اشکال اس مرسل حدیث سے رفع ہوگیا، کیونکہ اس حدیث میں زمانہ کی تخصیص نہیں ہے، اس لئے کہ ہر روز صبح وشام امت اور اس کے عاملین آپ کے

سامنے پیش کیے جاتے ہیں نیز تفسیر عزیزی سے بھی یہی مضمون گذر چکا ہے کہ آپ قیامت تک آنے والے مؤمن اور کافر سب کو مع ان کے اعمال کے پہچانتے ہیں، تو اب منکرین کا وہ اشکال رفع ہوگیا جو یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ قیامت میں حوض کوثر سے روکے جائیں گے، آپ ان کے اعمال کو نہیں جانتے لہذا اُس حدیث مسلم کی تاویل اور توجیہ کی جائے گی جو کہ بندہ آئندہ سطور میں ذکر کرے گا-

مولوی شبیر احمد عثمانی صاحب نے شرح فتح الملہم میں حدیث مسلم کا یہ جواب دیا ہے کہ مسلمانوں کے اعمال تو آنحضرت ﷺ پر پیش کیے جاتے ہیں اور ان اعمال کی وجہ سے آپ مسلمانوں کو پہچانتے ہیں لیکن چونکہ کفار کے اعمال پیش نہیں کیے جاتے اس لئے ان کو قیامت میں نہیں پہچانیں گے، حدیث مسلم میں جن لوگوں کا ذکر ہے کہ وہ حوض کوثر سے روکے جائیں گے، وہ چونکہ مرتدین وکافر ہیں اس لئے آپ ان کو نہیں پہچانیں گے-

یہ جواب دو وجہ سے مردود ہے -

وجہ اوّل: حدیث ابن المسیب میں مؤمنوں کافروں کی کوئی تخصیص نہیں ہے، بلکہ تمام امتِ دعوت کے اعمال مع عاملین کے آنحضرت ﷺ پر پیش کئے جاتے ہیں، اور تفسیر عزیزی میں تو کفار اور منافقین کی تصریح بھی موجود ہے کہ آپ ان سب کو تا قیامت مع اعمال کے پہچانتے ہیں- تفسیر عزیزی کا وہ حصہ دوبارہ ملاحظہ ہو:

(پس می شناسد گناہاں شمارا ولہذا شہادت او در دنیا بہ حکم شرع در حق امت مقبول و واجب العمل است وآنچہ از فضائل و مناقب حاضران زمان خود مثل صحابہ و ازواج واہل بیت یا غائبان از زمان خود مثل اویس وصلہ ومہدی ومقتولِ دجال یا از معائب و مثالب حاضران وغائبان می فرماید اعتقاد بران واجب است وازین است کہ در روایات آمد کہ ہر نبی را بر اعمال امتیان خود مطلع می سازند کہ فلانے امروز چنین میکند وفلانے چناں تا روز قیامت ادائے شہادت تواند کرد)

غور فرمائیں کہ اس عبارت میں تصریح ہے کہ آپ ہر ایک کے اخلاص و نفاق کو جانتے ہیں- اخلاص مؤمنوں میں ہے اور نفاق کفار میں، نیز اس عبارت میں

تصریح ہے کہ آپ حاضرانِ زمانہ مقدس اور ان کے اعمال واحوال کو ہی نہیں جانتے بلکہ جو لوگ آپ کے زمانہ سے غائب ہیں ان کے احوال واعمال نیک وبد کو بھی پہچانتے ہیں، نیز شاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمادی کہ اس کا عقیدہ رکھنا واجب ہے اور اس کی دلیل یہ بیان فرمائی کہ روایات میں آچکا ہے کہ ہر نبی اپنی امت کو مع ان کے اعمال واحوال کے پہچانتا ہے، تو صاحب فتح الملہم کا یہ کہنا کہ صرف مؤمنوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں اور کافروں کے پیش نہیں ہوتے باطل ٹھہرا۔

وجہ دوم۔ اگر تسلیم ہی کر لیا جائے کہ آپ پر صرف مؤمنوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور کافروں کے پیش نہیں کیے جاتے، تو بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ قیامت میں مؤمنوں اور کافروں دونوں کو پہچانیں گے۔ مؤمنوں کو تو اس وجہ سے پہچانیں گے کہ وہ مؤمن آپ کے سامنے مع اعمال کے پیش کیے جاتے رہے اور کافروں منافقوں کو اس وجہ سے پہچانیں گے کہ وہ مع اعمال کے آپ کے سامنے پیش نہیں کیے جاتے تھے۔ جیسا کہ مشہور مقولہ ہے (الأشياء تعرف باضداد ها)۔

یہ بات اگرچہ واضح ہے لیکن پھر بھی بندہ اس کی ایک مثال پیش کرتا ہے، مثلاً ایک آدمی صبح وشام بادشاہ کے دربار میں حاضر ہو کر بادشاہ کی خدمت سرانجام دیتا ہے۔ اور ایک دوسرا آدمی ہے جو نہ کبھی بادشاہ کے دربار میں گیا اور نہ کبھی خدمت سرانجام دی تو اگر یہ دوسرا آدمی بادشاہ کے سامنے پہلی دفعہ پیش کیا جائے اور بادشاہ سے پوچھا جائے کہ جناب والا کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ وہی شخص ہے جو کہ آپ کے دربار میں آتا جاتا اور خدمت ادا کرتا ہے یا آپ یہ جانتے ہیں کہ یہ مذکورہ بالا آدمی نہیں ہے تو بادشاہ فوراً یہ جواب دے گا کہ میں جانتا ہوں کہ یہ وہ خادم شخص نہیں ہے یہ تقریر بعینہٖ اسی طرح کی ہے جو کہ غرہ تحجیل کی وجہ سے پہچانیں گے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ قیامت میں آنحضرت ﷺ مومنوں اور کافروں سب کو عرض اعمال اور غرہ تحجیل کی وجہ سے پہچانیں گے، مومنوں کو تو اس وجہ سے کہ غرہ تحجیل اور عرض اعمال ان میں پایا گیا اور کفار کو اس طرح پہچانیں گے کہ یہ اوصاف ان میں نہیں پائے گئے۔ اور علامات سے پہچاننے کا یہ ایک معروف طریقہ ہے۔

صاحب فتح الملہم نے حدیث مسلم کا ایک اور جواب بھی دیا ہے، وہ یہ کہ آپ کے سامنے صرف مومنوں اور کافروں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں اور آپ ان اعمال کو جانتے ہیں لیکن خود مومن کافر نہیں پیش کیے جاتے، اس لیے آپ ان کو قیامت میں نہیں پہچانیں گے، یہ جواب بھی مردود ہے کیونکہ اس میں حدیث غرہ تحجیل کی صراحۃً تکذیب ہے اور حدیث سعید بن میتب کے بھی صریحاً خلاف ہے کیونکہ ان دونوں میں مذکور ہے آپ جمیع امت کے اعمال مع عاملین کے جانتے اور پہچانتے ہیں۔

تنبیہ = حدیث مسلم شریف جس میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن بعض لوگوں کو حوض کوثر سے روکا جائے گا اور آنحضرت ﷺ ان کے متعلق فرمائیں گے کہ (هؤلاء من أصحابي) اس سے منکرین نے استدلال کیا ہے کہ نہ تمام لوگوں کے اعمال آپ پر پیش کیے جاتے ہیں اور نہ آپ سب آدمیوں کو قیامت تک جانتے ہیں، ورنہ مذکورہ بالا آدمیوں کے متعلق یہ نہ فرماتے کہ (هؤلاءِ من أصحابي) اس دلیل کے یہاں تک چار صحیح جواب گزر چکے ہیں اور دو غلط جواب جن کو صاحب فتح الملہم نے ذکر کیا ہے انکو رد کیا جا چکا ہے اب حدیث مسلم شریف سے استدلال کا جواب پنجم ملاحظہ ہو۔

جواب پنجم۔ منکرین جو حدیث مسلم سے اس امر پر استدلال لاتے ہیں کہ وہ لوگ جن کو قیامت کے دن حوض کوثر سے روکا جائے گا، آنحضرت ﷺ ان کو نہیں جانتے تھے اب بندہ ان سے پوچھتا ہے کہ اس حدیث شریف میں وہ کون سے الفاظ ہیں؟ جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ ان لوگوں کو نہیں جانتے تھے۔ اس جگہ دو ہی احتمال ہیں۔

اول۔ یہ کہ آنحضرت ﷺ ایک روایت میں ان کے متعلق یہ فرماتے ہیں کہ (یاربّ هؤلاءِ من أصحابي) اور دوسری روایت میں ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ (أناديهم ألا هَلُمَّ) پہلی عبارت کا معنی یہ ہے کہ اے اللہ یہ میرے اصحاب سے ہیں اور دوسری عبارت کا یہ معنی ہے کہ میں اُن کو بلاؤں گا کہ ادھر آؤ۔ اگر اُن پر اور ان کے اعمال پر آپ مطلع ہوتے کہ وہ کافر مرتد ہیں تو کبھی آپ ان کی سفارش نہ فرماتے اور ان کو اپنی طرف نہ بلاتے، جب سفارش کی اور اپنی طرف بلایا تو معلوم ہوا کہ اُن پر اور ان کے اعمال پر آپ مطلع نہیں ہیں۔

احتمال دوم - جب آپ ان لوگوں کی سفارش کریں گے اور ان کو بلائیں گے تو ایک روایت میں یہ جواب دیا جائے گا - (هل تدری ما أحدثوا بعدك) اور دوسری روایت میں یہ جواب دیا جائے گا کہ (قد بدّلوا بعدك) پہلے جواب کا یہ معنی ہے کہ کیا آپ جانتے ہیں؟ کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا چیز پیدا کی اور دوسرے جواب کا یہ معنی ہے کہ تحقیق آپ کے بعد انہوں نے دین کو تبدیل کر دیا۔

ان دونوں جوابوں سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو ان کا علم نہیں تھا، حالانکہ یہ دونوں احتمال مردود ہیں اور ان دونوں احتمالوں سے یہ ہرگز پتہ نہیں چلتا کہ آپ ان کو نہیں جانتے تھے۔

پہلے بندہ احتمال ثانی پر بحث کرتا ہے ایک جواب میں یہ ہے (قد بدّلوا بعدك) - یہاں آنحضرت ﷺ کے علم کا ذکر ہی نہیں، بلکہ اس میں صرف یہ ہے کہ انہوں نے اپنا دین تبدیل کر لیا - یہ جملہ خبریہ ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ جملہ خبریہ سے ہمیشہ متکلم مخاطب کو صرف حکم کا ہی فائدہ نہیں دیتا، بلکہ جملہ خبریہ کئی اور مقاصد کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے، مثلاً غم اور حزن کے لئے بھی جملہ خبریہ استعمال ہوتا ہے جیسے مریم علیہا السلام کی والدہ ماجدہ نے اللہ تعالیٰ کو خطاب کرتے ہوئے عرض کیا (انّی وَضَعْتُهَا اُنْثٰی) جس کا معنی یہ ہے کہ میں نے لڑکی جنی ہے، یہاں علمائے بلاغت تصریح فرمارہے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ کو خبر دینا مقصود نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو پہلے سے اس کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ بھی پہلے سے علم ہے کہ کلام کرنے والی بھی جانتی ہے کہ اس نے لڑکی جنی ہے، لہٰذا اس کلام کا مقصد صرف غم اور حزن کا ظاہر کرنا ہے اور کبھی جملہ خبریہ سے متکلم کا یہ مقصد ہوتا ہے کہ جیسے مخاطب اس خبر کو جانتا ہے متکلم کو بھی اس خبر کا علم ہے - جس کی مثال علمائے بلاغت نے یہ دی ہے (قد حفظتَ التوراۃ) یعنی تو نے تورات یاد کر لی ہے، تو مخاطب اس کلام سے پہلے اس کا عالم تھا کہ اس نے تورات یاد کی ہے - متکلم کی غرض اس کلام سے صرف یہ ہے کہ میں بھی اس امر کو جانتا ہوں۔

منکرین کا استدلال اس عبارت سے اس وقت درست ہوگا کہ مذکورہ بالا

جملہ سے حکم کا افادہ مقصود ہو، یعنی پہلے آپ اس حکم کو نہیں جانتے تھے اور اب اس کلام سے حکم کا علم آیا، حالانکہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس عبارت میں اظہار غم اور حزن کیا گیا ہو، کہ یہ بڑی افسوس کی بات ہے کہ ان لوگوں نے آپ کے اصحاب میں سے ہوتے ہوئے اپنا دین تبدیل کر لیا، اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس کلام کے متکلم کی یہ غرض ہو کہ میں بھی جانتا ہوں کہ انہوں نے دین کو تبدیل کر لیا، جیسے کہ آپ جانتے ہیں، تو اب منکرین کا استدلال درست نہ ہوا کیونکہ یہ ایک مشہور قانون ہے کہ (اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال) نیز بندہ نے جو دو آخری احتمال ذکر کیے ہیں ان پر عرض اعمال والی حدیث بھی دلالت کرتی ہے اور یہی عرض اعمال والی حدیث احتمال اوّل کے خلاف ہے جس پر منکرین کے استدلال کا مدار ہے - احتمال اوّل سے بندہ کی مراد حکم کا افادہ ہے۔

اور دوسرے جواب میں یہ ہے (هل تدری ما أحدثوا بعدك) اس عبارت میں بے شک آپ کے علم و درایت کا ذکر ہے، لیکن اس سے علم و درایت کی نفی ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ عبارت اسی طرح ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے (هل اتی علی الانسان حین من الدهر لم یکن شیئاً مذکورا) تو جیسا قرآن پاک کی آیت کا یہ مطلب ہے کہ یقیناً انسان پر ایسا وقت آیا ہے کہ وہ کوئی شے نہیں تھا - اسی طرح هل تدری کا بھی یہی مطلب ہے کہ یقیناً آپ جانتے ہیں جو چیز انہوں نے آپ کے بعد پیدا کی، تو دونوں جگہ هل بمعنی قد ہے - اور بندہ کی اس تاویل پر عرضِ اعمال والی حدیث دلالت کرتی ہے - بعض روایات میں یہ لفظ ہیں لا تدری ما احدثوا بعدك یہاں علم اور درایت کی نفی ہے تو تمام روایات جمع کرنے کے لیے یہ کہا جائے گا کہ لا تدری میں حرفِ استفہام محذوف ہے - اور یہ تاویل ہم کو اس لیے کرنی پڑی کہ عرضِ اعمال والی حدیث اس کے خلاف ہے۔

یہاں تک بندہ نے احتمال ثانی کو رد کیا ہے کہ دونوں جوابوں سے آپ کے علم کی نفی نہیں ہوئی۔

اب بندہ پہلے احتمال پر بحث کرتا ہے یعنی ایک روایت میں آپ نے عرض کیا

(یا رب ھؤلاء من اصحابی) اور دوسری روایت میں یہ فرمایا کہ (اَلا ھَلُمَّ) تو ان دونوں عبارتوں سے قطعاً یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کو ان لوگوں کا علم نہیں تھا، اب یہ سوال ہو سکتا ہے کہ جب آپ کو علم تھا تو پھر یہ سفارش کیوں فرمائی؟ تو اس کے علماء نے کئی جواب دیے ہیں۔

جواب اوّل: آپ نے جو فرمایا۔(ھؤلاء من اصحابی) تو یہ ان لوگوں کو مزید غم میں ڈالنے کے لئے فرمایا گیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ ان کو اپنی طرف مضاف کریں گے اور فرمائیں گے کہ (ھؤلاء من اصحابی) تو ان لوگوں کے دل میں نجات کی قوی امید پیدا ہو جائے گی، کہ شفیع المذنبین ﷺ نے ہماری سفارش کی ہے اور ہم کو اپنی طرف مضاف کیا ہے تو جب فرشتہ جواب دے گا۔ اور آپ سحقاً سحقاً فرمائیں گے یعنی دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ۔ تو اب ان کو جو نجات کی قوی امید تھی وہ ٹوٹ جائیگی اور ان کو شدید صدمہ پہنچے گا، کیونکہ جس چیز کی قوی امید ہو اور وہ امید منقطع ہو جائے تو شدید صدمہ ہوتا ہے، شارحین حدیث نے اس کو اِقناطِ کلی سے تعبیر کیا ہے یعنی پورا ناامید کرنا، یہ جواب بھی اس پر دال ہے کہ وہ لوگ کفار اور مرتدین تھے اور مؤمن نہیں تھے کیونکہ مؤمن کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کلی طور پر ناامید نہیں کیا جا سکتا۔

جواب دوم: جب آپ ان لوگوں کو اپنے اصحاب میں شمار کریں گے اور اس کے بعد فرمائیں گے دور ہو جاؤ دور ہو جاؤ، تو ان کو سخت حسرت پیدا ہو گی کہ ہم آپ کے اصحاب تھے، چاہیے تو یہ تھا کہ ہم بہشت میں بلند درجے حاصل کرتے، لیکن شیطان نے ہم کو گمراہ کیا اور ہم قہر و ذلت میں چلے گئے، یہ دونوں جواب فتح الملہم سے پتہ چلتے ہیں، چونکہ یہ دونوں جواب اہل سنت کے عقیدہ سے کچھ مناسبت رکھتے ہیں اس لیے بندہ نے یہاں ان کو ذکر کر دیا ہے اور صاحب فتح الملہم نے جو تیسرا جواب دیا ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے وہ چونکہ اہل سنت کے عقیدہ سے متصادم تھا اس لیے اس کو رد کر دیا گیا ہے۔

جواب سوم: باوجود علم کے کہ یہ کافر و مرتد ہیں چونکہ آنحضرت ﷺ رحمۃ للعلمین ہیں اس لئے غایت رحمت کی وجہ سے ان کی سفارش فرمائیں گے، یہ جواب الکوکب الدّری حاشیہ ترمذی میں محدث سہارنپوری نے دیا ہے، جو کہ

دیوبندی مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہے۔ فتح الملہم اور الکوکب الدّری کے جواب سے بندہ کا مقصد منکرین کو الزام دینا ہے کہ جس چیز کا ان کے محدثین اقرار کرتے ہیں وہ اس کے منکر کیوں ہیں؟

جواب چہارم: یہ جواب صاحب روح المعانی کا ہے۔ عبارت ملاحظہ ہو۔:

(انه عليه الصلوٰة والسلام يعلم الأعيان أيضا إلا أنه نسى فقال أصحابى ولتعظيم قبح ما أحدثوا قيل لهُ إنك لا تدرى ما أحدثوا بعدك)

یعنی آنحضرت ﷺ ان لوگوں کے اعمال اور ذوات دونوں کو جانتے ہیں اور عرضِ اعمال کی وجہ سے آپ کو ان کا علم ہے، لیکن قیامت میں اس علم کی طرف سے ذرا توجہ ہٹ جائے گی، تو فرمائیں گے اصحابی اور اسی طرح آپ کو اس چیز کا علم بھی تھا جو ان کفار اور مرتدین نے آپ کے بعد پیدا کی۔ لیکن چونکہ یہ بدعت بہت بڑی قبیح تھی، اس لئے علم کے باوجود فرمایا گیا کہ إنك لا تدرى مقصد نفی علم نہیں ہے بلکہ بدعت کے عظیم قبح کا اظہار ہے۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه محمد وعلىٰ آله وأصحابه أجمعين۔



فیضان مدینہ پبلیکیشنز کی لاجواب کتب

- شرک کی حقیقت
- غیر مقلدین کو دعوت انصاف (اول) (مطبوعہ)
- غیر مقلدین کو دعوت انصاف (دوم) (مطبوعہ)
- غیر مقلدین کو دعوت انصاف (سوم) (مطبوعہ)
- غیر مقلدین کو دعوت انصاف (چہارم) (مطبوعہ)
- مجموعہ تصانیف حضرت علامہ محمد اسماعیل نقشبندی علیہ الرحمۃ
- دیو بند کا نیا دین (مطبوعہ)
- سرور کونین ﷺ کی بشریت و نورانیت (مطبوعہ)
- دیو بندیوں سے لاجواب سوالات (مطبوعہ)
- مجموعہ رسائل مفتی محمد شفیع جماعتی رحمۃ اللہ علیہ (مطبوعہ)

ناشر: فیضان مدینہ پبلیکیشنز جامع مسجد عمر روڈ کاموکی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شہنشاہ کی آمد

از علامہ ابوالحقائق محمد رمضان محقق نوری علیہ الرحمۃ
مدرس دار العلوم حنفیہ فریدیہ بصیر پور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ
وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

شہنشاہ کی آمد

الحمد و الصلوٰۃ للہ رب العلمین و علی رسولہ رحمۃ للعلمین و علیٰ الہ و اصحابہ اجمعین. بسم اللہ الرحمن الرحیم واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغدوۃ والعشی یریدون وجھہ و لا تعد عینک عنھم.

(ترجمہ) اور اپنی جان کو ان کے ساتھ رکھو جو اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں صبح وشام۔ چاہتے ہیں اللہ کی رضا کو اور تمہاری آنکھیں ان کو چھوڑیں نہ۔

اللہ تعالیٰ کا کروڑہا شکر ہے کہ اس نے ہمیں ایسا عظیم الشان رسول انعام فرمایا جو سراپا برکت اور رحمت ہی رحمت ہے جس کی اسوۂ حسنہ ہماری مشعل راہ باعث نجات وفلاح ہے فالحمد للہ رب العلمین۔

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بے مثل کمالات وغیر متناہی خوبیوں سے قرآن وحدیث بلکہ سب کتب وصحائف سماویہ پر ہیں۔ سب انبیاء ورسل، حور و ملائک، اولیاء واقطاب، سب کے سینوں اور زبانوں، دلوں اور جانوں پر نعت و اوصاف محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موجزن ہیں آپ کی ذات واوصاف کا ذکر وفکر مومنین کے دل کا چین، غذائے روح ہے۔ آپ کی دید شفائے جان ورویت رحمان ہے۔ مولا جامی رحمۃ اللہ علیہ حدیث من رانی فقد رای الحق کے آئینہ میں دیکھتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

خود گفت ہر آنکس کہ مرادید خدادید
یعنی بود آئینہ حق روئے محمد

اور نفحات الانس میں ناقل ہیں:

نسیت الیوم من عشقی صلاتی!

فلا ادری غداتی من عشائی
فذکرک سیدی اکلی و شربی
ووجهک ان رایت شفاء دائی

انسان کمال حاصل کرنے اور صفات حسنہ سے مزین ہونے کے لیے آیا ہے اس کا کمال خوبیوں کے حاصل کرنے سے ہے مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم خواہان صفات حسنہ کو بلکہ صفات حسنہ کو بھی کامل بنانے کے لیے تشریف لائے، خود ہی فرمایا ''بعثت لا تمم مکارم الاخلاق ۔ ترجمہ: میں اخلاق حسنہ (پاکیزہ خصلتوں) کی تکمیل کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔ آپ کی عبادتیں اور کھانا پینا تعلیم وتشریع امت کے لیے تھے۔

دل فریبان نباتی ہمہ زیور بستند
دلبر ماست کہ با حسن خداداد آمد

مدارج النبوۃ ص ۳۴ ج ۱ میں ہے، اعمال وطاعات وعبادات ہمہ برائے مجرد تعلیم وتشریع بود بے آنکہ در نفس شریف وے آثار وانوار پیدا گردد''

(ترجمہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال وطاعات وعبادتیں سب صرف تعلیم وتشریع کے لیے تھیں سوا اس کے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نفس شریف میں آثار وانوار ظاہر کریں۔

اور زرقانی شریف ص ۶۰، ج ۵ میں ہے۔ کان علیه السلام بشری الظاهر ملکوتی الباطن و کان علیه السلام لا یاتی الی شیء من الاحوال البشریة الا تانیسا لا متہ وتشریعاً لها لیقتدی به لا انه محتاج الی شیء من ذلک بحینا لو ترکه لا ضربه ولذا کان یواصل الصوم۔

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بشری الظاہر اور ملکوتی الباطن تھے اور

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام احوال بشریہ میں سے کسی چیز کی طرف نہیں آتے تھے مگر اپنی امت کی تانیس وتشریع کے لیے تاکہ آپ کو دیکھ کر آپ کی امت اقتداء کرے نہ یہ کہ آپ ان سے کسی چیز کے محتاج تھے اس طرح کہ اگر اسے چھوڑ دیں تو آپ کو ضرر دے اور اسی لیے صوم وصال رکھتے تھے۔

بخاری شریف ص ۱۷۶ ج ۲۔ (مصری) میں ہے کہ جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی صوم وصال رکھنے لگے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لا تواصلوا قالوا انک تواصل قال انی لست مثلکم یعنی۔ تم صوم وصال نہ رکھو اصحابہ کرام نے عرض کی کہ آپ تو رکھتے ہیں فرمایا بے شک میں تمہاری مثل نہیں ہوں۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ آپ کے خاصے مبارکہ آپ کی بے مثلیت کے اظہار کے لیے تھے کہ صحابہ کرام کو ''لست مثلکم'' سے جواب دیا۔

مذکور الصدر آیہ کریمہ میں بھی آپ کے کمالات ذات وصفات کے پھول کھلے نظر آرہے ہیں۔ واصبر نفسک مع الذین یدعون ربهم بالغدوة والعشی ہے آپ کی معیت مبارکہ صبح وشام اپنے رب کو پکارنے والوں کے لیے ثابت ہے اور اس میں اہل مکہ یا اہل مدینہ یا کسی زمانے کی کوئی تخصیص نہیں سب کو عام ہے کہ الذین یومنون بالغیب کی طرح یہاں بھی صلہ عام ہی ہے جس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب رب کو پکارنے والوں کے ساتھ حاضر وموجود ہیں اور ولا تعد عینک عنهم یعنی آپ کی آنکھیں ان کو چھوڑیں نہ'' سے آپ کا ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کو پکارنے والے ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں تو ثابت ہوا کہ آپ سب دنیا میں حاضر وناظر ہیں جو متعدد آیات واحادیث سے ثابت ہے:

(۱) یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھداً و مبشراً و نذیراً و داعیاً الی اللہ باذنہ و سراجاً منیراً۔

ترجمہ: اے غیب کی خبریں بتانے والے بے شک ہم نے تم کو بھیجا حاضر و ناظر اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا:

اس آیت کریمہ کے متعدد کلموں کے عموم سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے خصوصاً کلمہ ''شاھدا'' کہ اس کا معنی ہی حاضر و ناظر ہے۔

مفردات امام راغب میں ہے۔

الشھود و الشھادۃ الحضور مع المشاھدۃ اما بالبصر او بالبصیرۃ۔

(ترجمہ) یعنی شہود و شہادت (مبدء شاہد) حضور مع المشاہدہ کا نام ہے بصر سے ہو یا بصیرت سے۔

اور مدارج النبوت ص ۲۶۰ ج ا میں ہے۔

شاہد یعنی عالم و حاضر بحال امت و تصدیق نجات و ہلاکت ایشاں

(ترجمہ) یعنی شاہد سے مراد ہے امت کے حال اس کی تصدیق، تکذیب، ہلاکت، نجات کے ساتھ عالم و ناظر۔

(۲) النبی اولی بالمومنین من انفسھم۔

ترجمہ: یہ نبی صلی اللہ علیہ تعالیٰ وسلم مسلمانوں کے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہے۔

نبی کا معنی ہے غیب پر مطلع۔ زرقانی ص ۲۱۰ میں ہے۔ النبوۃ ھی الاعلام علی الغیب۔

یعنی نبوت جس سے ''نبی'' مشتق ہے غیب کے جنوانے کا نام ہے تو پتہ چلا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مومنین کے بہت قریب ہیں اور رازوں پر باخبر بھی ہیں

جس سے آپ کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے۔

(۳) لقد جاء کم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمومنین روف رحیم۔

ترجمہ: ضرور تشریف لائے تمہارے پاس تم میں سے ایسے بڑے رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے۔ تم پر حریص ہیں، سب مومنین پر رؤف و رحیم ہیں۔

اس آیت کریمہ سے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حاضر ناظر ہونا واضح ہو رہا ہے کہ فرمایا گیا تمہارے پاس تشریف لائے حالانکہ مخاطب زمین میں پھیلے ہوئے ہیں پھر فرمایا تمہارا مشقت میں پڑنا ان پر گراں ہے یہ اسی لیے کہ آپ مصیبت زدوں کے شاہد ہیں پھر مومنین کے ساتھ بخشش و رحمت فرمانا بھی شاہد ہی کا کام ہے۔ پھر للمومنین نہ فرمایا بالمومنین فرمایا اور با میں اصل الصاق ہے (ملانا) جس سے آپ کا قرب اور بھی واضح ہو رہا ہے۔

(۴) تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیراً۔

ترجمہ: برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے خاص عبد پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو، اور فرمایا۔

وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین۔

ترجمہ: اور ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر رحمت تمام جہانوں کے لیے۔

سب جہان کو ڈر سنانا اور رحمت ہونا شاہد ہی کا کام ہے

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں۔

بداں کہ وے علیہ السلام مے بیند وے شنود کلام ترا زیرا کہ وے علیہ السلام متصف است بصفات الٰہی و یکے از صفات الٰہی آنست کہ انا جلیس من ذکرنی

(ترجمہ) جان کہ حضور علیہ السلام دیکھتے ہیں اور سنتے ہیں تمہارے کلام کو کیونکہ حضور علیہ السلام صفات الٰہیہ سے متصف ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یہ بھی ہے کہ میں اپنے ذکر کرنے والے کا ہم نشین ہوں۔

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ شرح شفاء ص ۱۱۷ میں فرماتے ہیں۔

''لان روحه علیه السلام حاضر فی بیوت اهل الاسلام۔

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا روح مبارک مسلمانوں کے گھروں میں حاضر ہے،

پھر موصول میں شرط یہ ہے کہ مخاطب کو صلہ کا علم ہو، مختصر معانی میں ہے

''الموصول فانه لیشترط تقدم العلم بالصلة۔

بیضاوی شریف میں التی وقودها الناس والحجارة کے تحت لکھا ہے۔

فانها یجب ان یکون قصة معلومةً۔

(ترجمہ) تو بے شک صلہ، واجب ہے کہ مخاطب کو اس کا علم ہو،

یہاں صلہ میں دو چیزیں مذکور ہیں ایک یدعون ربهم بالغدوة والعشی جو ظاہر کی چیز ہے اور دوسری یریدون وجهه جو باطن اور دل کے ساتھ متعلق ہے جس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی یاد کرنے والوں کے ظاہر کو بھی جانتے ہیں باطن کو بھی۔ اور یہ بھی متعدد آیات واحادیث سے ثابت ہے،

علمک مالم تکن تعلم و کان فضل الله علیک عظیماً،

ترجمہ: اور تمہیں سکھا دیا جو تم نہ جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔

اس آیت سے صاف صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کو تمام علوم ظاہر و باطن کے عطا فرما دیے ہیں،

ونزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شیی۔

ترجمہ: اور ہم نے آپ پر قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور فرمایا۔

الرحمن علم القران خلق الانسان علمه البیان۔

ترجمہ: رحمٰن نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا، انسانیت کی جان محمد کو پیدا کیا، ماکان و مایکون کا بیان انہیں سکھایا،

تفسیر خازن وغیرہ میں ہے انسان سے مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور ''بیان'' سے مراد تمام ماکان و مایکون کا علم ہے یعنی ہم نے انہیں سارے غیبی علوم بخشے،

سبحان اللہ! جب پڑھانے والا خدا اور پڑھنے والے...... محبوب خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کتاب پڑھی وہ قرآن، جس میں ہر چیز کا بیان ہے تو اب علم مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نقص کا گمان کیسے؟

پھر یہاں فرمایا اپنے نفس (جان) کو عبادت کرنے والوں کے ساتھ رکھئے اور آگے فرمایا۔

ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذکرنا۔

یعنی ان کا کہنا نہ مانو جس کا قلب ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا ہے

اور یہ حکم اسے ہی ہو سکتے ہیں جو سب کے دلوں پر نظر رکھتے ہوں اور امتیاز کر سکتے ہوں کہ تکلیف مالایطاق محال ہے۔ الحاصل جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کمالات ذات و صفات کی نظیر و مثال دائرہ امکاں سے ہی باہر ہے۔

وہم باطل ہے کہ ممکن ہو مثال محبوب

آپ کی مبارک آمد مومنین کے لیے یقیناً اللہ تعالیٰ کا خاص انعام اور فضل و

رحمت ہے جس کی خوشیاں ایمان مومن کا تقاضا ہے اور آیاتِ قرآنیہ میں اس شہنشاہ کون و مکان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مبارک میلاد و آمد کا مختلف انداز کے ساتھ جابجا تذکرہ ہے۔

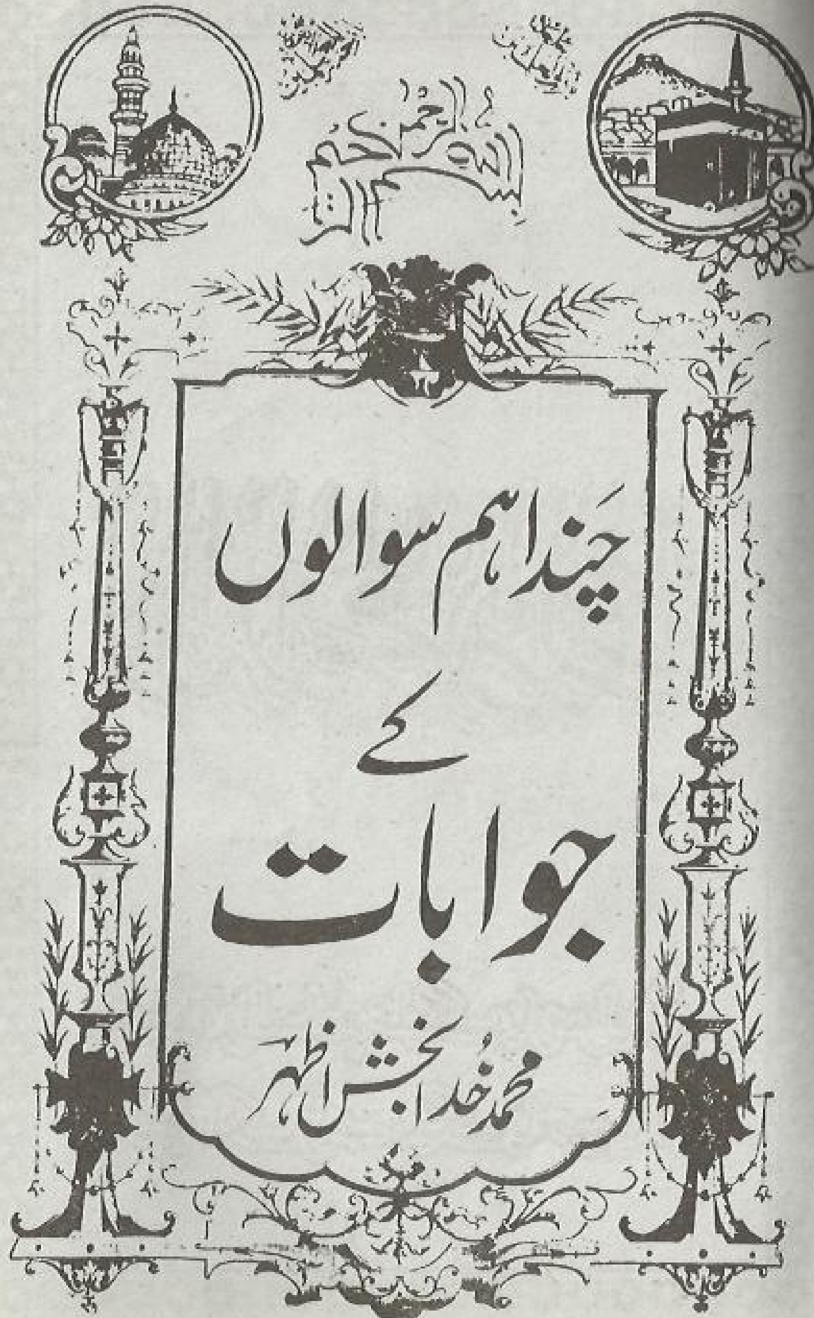
فرمایا۔ قدجاء کم من اللہ نور و کتاب مبین۔

ترجمہ: بے شک تمہاری طرف اللہ کی طرف سے ایک نور (محمد ﷺ) آیا اور روشن کتاب

کہیں فرمایا لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلوا علیھم ایاتہ و یزکیھم۔

بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر اس کی آئتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے۔

نوٹ: یہ رسالہ مکمل طور پر دستیاب نہ ہو سکا۔ جتنا ملا اتنا ہی پیش کر دیا ہے۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

وعلیٰ الک واصحابک یا حبیب اللہ

انتساب

اُن خوشگوار یادوں

اور

لامحدود محبتوں کے نام

جو

مذہب مہذب سے وابستہ ہیں

محمد خدا بخش اظہر

علماء دیوبند حضرات سے



خلاصہ سوال ۱، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا قرآن و حدیث سے کہاں ثابت ہے؟

خلاصہ سوال ۲، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا کتب عقائد سے کہاں ثابت ہے۔

خلاصہ سوال ۳، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آنے سے قبل بھی حاضر و ناظر تھے یا نہیں؟

خلاصہ سوال ۴، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نورانیت سے حاضر و ناظر ہیں یا جسمانیت سے

خلاصہ سوال ۵ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر ہونے کا رُتبہ کب ملا؟

خلاصہ سوال ۶، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو نظر کیوں نہیں آتے؟

خلاصہ سوال ۷، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں تو پھر آپکے جسم کی خوشبو کیوں نہیں آتی

خلاصہ سوال ۸، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو بلند آواز سے تم کیوں بولتے ہو

خلاصہ سوال ۹، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانیں تو معراج جسمانی کا انکار ہوتا ہے

خلاصہ سوال ۱۰، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو قبر میں عذاب کیوں ہوتا ہے!

خلاصہ سوال ۱۱ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو پھر محیط ہوتے اور یہ صفت خدا کی ہے۔



بخدمتِ اقدس

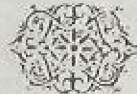
سیدی وسندی غزالیٔ زماں، رازیٔ دوراں اُستاذیم

علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی

مدظلہٗ العالی

ع

گر قبول اُفتد زہے عزّو شرف



خاکپائے علماء و اولیاء

محمد خدا بخش اظہر غفرلہٗ



تمہید

مسلمان بھائیو!

انبیاء علیہم السلام صحابہ و اہلِ بیت کرام علماء اولیاءِ عظام صراطِ مستقیم مذہب مہذب اسلام کے روشن مینار ہیں۔ مسلمان بھائیوں کو ان ہی حضرات کے عقائد اور اعمال کی پیروی ضروری ہے۔ یہی حکمِ خداوندی ہے اور فرمانِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یعنی نیک عقائد اور نیک اعمال دین ہے

اور تمام دین کی جان

ادب و عشق رسول صلی علیہ وسلم ہے اور بے ادبی کفر ہے



مقدمۃ الکتاب

آیت کریمہ

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا

ترجمہ :۔ اے غیب کی خبریں بتانے والے نبی بے شک ہم نے بھیجا تمہیں حاضر و ناظر

در نظر بود شش مقامات العباد
زیں سبب نامش خدا شاہد نہاد

(مولانا روم)

ناظرین با تمکین کی خدمت میں عرض ہے کہ طالب العلمی کے زمانہ میں جب میں نے شجاع آباد میں مذہب مہذب اہلِ سنت کا کام شروع کیا تو کوئی مسجد بھی اہلسنت کے پاس نہیں تھی۔ ایک صاحب ملک گُل محمد نامی کا مکان کرایہ پر لیا اور خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بھروسہ پہ دین کا پرچار شروع کیا تو ہمارے کچھ بھائیوں کو ناگوار گزرا۔ خصوصاً قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی کو۔ جو بہت بڑے ذی اثر آدمی تھے۔ تمام شہر کے معززین کو جناب قاضی صاحب نے جمع کیا اور پتہ نہیں کیا کہا؟

صبح کو شیخ عبدالرحیم صاحب ہانسوی صدر سٹی مسلم لیگ شجاع آباد تمام معززینِ شہر کو ساتھ لیکر میرے پاس آئے اور نہایت غصہ سے ساتھ فرمایا۔ آپ کل دیو بندی اور بریلوی کا فرق تحریر کر کے ہمیں دیں ورنہ

پرسوں میں تمہیں جیل بھجوا دوں گا۔"

شیخ عبدالرحیم صاحب کے فرمان پر میں نے یہ فرق تحریر کر کے دیوبندی اور بریلوی حضرات کی کتابوں کے حوالے سے بلکہ چھپوا کے پیش کیا۔ البتہ برکتاً کتابچہ کے سرورق پر قرآن پاک کی آیت کریمہ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا لکھ دی۔ اور شاہد کا ترجمہ حاضر و ناظر کیا۔

جب علماء کرام دیوبندی حضرات نے وہ کتابچہ دیکھا تو اس کا جواب تو نہ دیا۔ پر مسئلہ حاضر و ناظر پر ایک کتابچہ "فیصلہ کن گذارشات" کے نام سے شائع کر دیا اور اس میں حاضر و ناظر پر چند اہم سوالات لکھ دیئے۔ جس پر فقیر نے یہ کتابچہ تحریر کیا۔ اُن سوالات کے نمبروار جواب دیئے اور پھر گیارہ سوال کیئے جن کا آج تک علماء دیوبند حضرات نے جواب نہیں دیا۔

اس کتابچہ میں اُن حضرات کے سوالات کے جوابات بھی غور سے پڑھیں اور میرے سوالات بھی ملاحظہ فرمائیں۔ اگر یہ بات طے ہو جائے تو ہمارا اپنے بھائیوں سے کوئی اختلاف بھی نہیں۔

ہمارا اختلاف صرف اور صرف اسی ادب و بے ادبی کے مسئلہ میں ہے۔ جو علماء دیوبند نے اپنی معتبر کتابوں میں تحریر فرمائے ہیں حوالہ جات دیکھنے کے واسطے میرا کتابچہ "دیوبندی اور بریلوی میں فرق" ملاحظہ کریں۔

میں نے اس میں کتابوں کے نام صفحہ سطر مطبع وغیرہ سب کچھ لکھ دیا ہے۔



ہمارا مذہب مہذب اسلام اتحاد و اتفاق کا سبق دیتا ہے۔ اس وقت تو تمام دنیا کے مسلمانوں کو اس کی اشد ضرورت ہے لہذا۔ میں تمام شیعہ سُنی دیوبندی بریلوی بھائیوں کو اتحاد کی دعوت دیتا ہُوں اور درخواست کرتا ہوں کہ مسائل میں اختلاف کرو پر ادب و عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو جان دین ہے سب کے سب اس مسئلہ پر اتفاق کر لو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام، اہل بیت عظام اولیائے پاک، بزرگان دین اور ماں باپ کا ادب فرض عین ہے

مسلمان تو مسلمان

کوئی مذہب بھی ایسا نہیں

جو بے ادبی اکابر کا قائل ہو۔ پھر مسلمان حضرات کیوں اپنی کتابوں میں ایسے الفاظ تحریر کریں۔ جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی پر مشتمل ہوں

کیوں کہ

اصل ایمان احترام مصطفیٰ



مسلمان بھائیو! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر پر سوالات کے جوابات سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ہم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وجودِ پاک مانتے ہیں۔

ایک اوّل جو نورانی ہے ۔ دُوسرا آخر

جو

بشری اور جسمانی ہے ۔ پر بشری سے مراد بھی عام لوگوں جیسا نہیں بلکہ حضور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود بشری بھی بشریت کے ہر نقص اور عیب سے پاک اور انتہائی لطیف و نظیف اور نہایت پاکیزہ ہے جس کا تصور بھی کوئی بشر نہیں کر سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ اوّل بے شمار آیات قرآن پاک اور احادیث سے ثابت ہے۔ مثال کے طور پر چند آیاتِ پاک اور احادیثِ پاک پیش کرتا ہوں۔

آپ غور سے ملاحظہ فرمائیں وہ آیات یہ ہیں:۔

آیت ۱ انا اوّل المسلمین۔ آیت ۲ قد جاءکم من اللہ نورٌ

آیت ۳ سراجا منیرا ۵ وغیرہ سے وجود اوّل نورانی مراد ہے۔ نہ بشری۔ اور جسمانی

حدیث ۱

عن ابی ھریرۃ قال قالوا یارسول اللہ متی وجبت لک النبوۃ قال وآدم بین الروح والجسد (رواہ الترمذی)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا (مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۳) کہ صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے لئے نبوت کب متحقق ہوئی، فرمایا درانحالیکہ آدم علیہ السلام روح اور جسم کے درمیان تھے۔

حدیث ۲

جعلتک اوّل النبیین خلقا وآخرھم بعثا (توراۃ شریف)

ترجمہ:۔ میں مکتوب تھا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کو اصل خلقت میں اوّل انبیاء بنایا اور دنیاوی بعثت میں آخر انبیاء۔

ان پاک آیات اور احادیث سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وجودِ پاک ہیں۔ ایک اول خلقت میں دوسرا دنیاوی بعثت میں۔

اب میں یہ ثابت کرتا ہوں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اوّل وجود پاک نورانی ہے۔ دیکھئے ابنِ عساکر کی روایت ہے:۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما خلق اللہ عزوجل آدم علیہ السلام اخبر ببنیہ فجعل یریٰ فضائل بعضھم علیٰ بعض فرای نورا ساطعا فی اسفلھم قال یارب من ھذا قال ھذا ابنک احمد ھو الاوّل ھو الآخر وھو اوّل شافع واوّل مشفع رواہ ابن عساکر کذا فی الکنز

(ختم النبوۃ فی الحدیث ص ۳۷)

ترجمہ:۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ:۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ عزّ وجل نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو انہیں ان کی اولاد پر مطلع کیا تو آدم علیہ السلام نے ان کے بعض کے فضائل کو بعض پر ملاحظ فرمایا تو انہوں نے ایک چمکتا ہوا نور ان کی نچلی جانب دیکھا عرض کیا اے رب تعالیٰ یہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تمہارے بیٹے احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہی اوّل ہیں اور یہی آخر ہیں یہی سب سے پہلے شفاعت کرنے والے اور یہی سب سے پہلے شفاعت قبول کئے ہوئے ہیں۔ اس حدیث پاک میں نوراً ساطعاً کے الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اول نورانی کے نور مبین ہونے کی چمکتی ہوئی دلیل ہیں۔ اسی طرح ہزار ہا دلائل شرعیہ موجود ہیں۔

امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر کی جلد ۲ صفحہ ۴۵۵ میں فرماتے ہیں

والرابع ان الملئکۃ امروا بالسجود لأدم لاجل ان نور محمد علیہ السلام کان فی جبھۃ آدم

ترجمہ:۔ چوتھی بات یہ ہے کہ فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے لئے سجدہ کا حکم اس واسطے دیا گیا تھا کہ ان کی پیشانی میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نور تھا۔ اسی طرح بے شمار محدثین مفسرین نے تحریر فرمایا ہے۔ چند حوالے بطور مثال پیش کئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو وجود پاک ہیں۔ ایک نورانی اول اور دوسرا روحانی بشری آخری۔ اور دونوں کے احکام الگ ہیں۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نشر الطیب ص۱۶ پر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان میں حضرت جابر والی حدیث حاشیہ پر لکھی کہ۔

یا جابر ان اللہ تعالیٰ خلق قبل الاشیاء نور نبیک من نورہ

یعنی اے جابر! اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور اپنے

نور سے پیدا کیا۔

ناظرین کرام نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اول نوری ہے ۔ اور وجود دوسرا بشری اور جسمانی ہے ۔

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجودِ نورانی اور وجودِ بشری جسمانی کے کمالات اور احکام الگ الگ ہیں ۔ ایک کا قیاس دوسرے پر کرنا گمراہی اور جہالت ہے ۔

ہم قرآن کریم سے ایک ایسی مثال پیش کرتے ہیں جس کو ذہن نشین کرنے کے بعد ہمارے بیان کو سمجھنے میں معزز قارئین ذرہ برابر دشواری محسوس نہیں کریں گے ۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے :۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ

ترجمہ :۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں

اور دوسری جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہے :۔

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ

ترجمہ :۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کے ساتھ ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں اور ان کی بیویاں ایمان والوں کی مائیں ہیں ۔

اس آیتِ پاک میں حضرت ابی بن کعب ابنِ عباس معاویہ مجاہد عکرمہ عبداللہ ابن مسعود وغیرھم رضی اللہ عنہم اجمعین سے وھو اب لھم کی قراۃ منقول ہے ملاحظہ فرمائیے :۔

۱۔ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صہ ۴۶۸ مطبوعہ مصر ،

۲ تفسیر مدارک التنزیل مطبوعہ مصر جلد ۳ ص ۳۳۵ ،
۳ تفسیر ابن جریر پارہ ۲۱ ص ۷۰ مطبوعہ مصر ، ۴ تفسیر کبیر جلد ۶ ص ۷۷۳ مطبوعہ مصر
۵ تفسیر ابو سعود جلد ۶ ص ۷۶۶ مطبوعہ مصر ، ۶ تفسیر روح المعانی پارہ ۲۱ صفحہ ۱۳۶ مطبوعہ مصر ، ۷ تفسیر معالم التنزیل جلد ۵ ص ۱۹۱
۸ تفسیر مظہری پارہ ۲۱ ص ۳۸ مطبوعہ دہلی ، ۹ تفسیر بیضاوی پارہ ۲۱
۱۰ تفسیر روح البیان جلد ۷ ص ۱۳۹ تا ص ۱۴۰
۱۱ تفسیر اسرار الفاتحہ ص ۱۵۵ ، ان گیارہ معتبر تفاسیر میں مفسرین نے یہ معنی کئے ہیں ۔

آیت مذکورہ کے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ایمان والوں کے باپ ہیں ۔ اب جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی وجود اول کا منکر ہے وہ دونوں آیات پاک کو آپس میں متضاد قرار دے گا ۔ لیکن صحیح العقیدہ مومن مسلمان قرآن پاک میں اور شریعت پاک میں تضاد اور اختلاف پیدا کرنے کی بجائے یہی کہے گا کہ قرآن و حدیث بالکل صادق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا باپ نہ ہونا جسمانی وصف ہے اور باپ ہونا نورانی اور روحانی کمال ہے ۔ یعنی ابوبیت کی نفی جسمانی اور بشری ابوبیت کی ہے ۔ اور اثبات نورانی اور روحانی ابوبیت کا ہے تضاد کوئی نہیں ۔

پس ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا جسمانی اور بشری وصف نہیں ۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اول نورانی ۔۔ اور روحانی کا کمال ہے ۔ دیوبندی حضرات لوگوں کو مغالطے دیتے ہیں ۔ اور جسمانی اور بشری وصف جان کر غلط اور بے بنیاد سوالات کی بھرمار کر دی ہے ۔

اس مختصر تمہید کے بعد ہم نمبر وار تمام اعتراضات کے جوابات لکھتے ہیں ۔ ناظرین کرام غور سے پڑھیں اور انصاف کریں ۔

اعتراضات اور جوابات

اعتراض ۱ کا خلاصہ یہ ہے کہ شاہدًا کے معنیٰ میں حاضر و ناظر کا لفظ کس مفسر نے کونسی تفسیر میں لکھا ہے اور قرآن و حدیث میں کہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہے ۔ ؟

جواب اعتراض ۱

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ لفظ حاضر و ناظر تو ایک نیا محاورہ ہے اور جدید عنوان ہے ۔ یاد رکھئے کسی لفظ اور عنوان کے لئے ضروری نہیں کہ وہ بعینہٖ نصوص شرعیہ میں وارد ہو ۔ البتہ اس کے معنیٰ کا دلائل شرعیہ سے ثابت ہو جانا اس کے صحیح ہونے کے لئے کافی ہو جاتا ہے ورنہ ۔ میں علماء دیوبند حضرات سے پوچھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے حاضر و ناظر ہونے میں تو کسی کو اختلاف نہیں پھر آپ ہی بتائیں کہ لفظ حاضر و ناظر اللہ تعالیٰ کے لئے قرآن و حدیث میں کہاں ہے ؟ بالکل نہیں ۔

ہاں ! یہ کہا جائے گا کہ لفظ حاضر و ناظر تو نہیں پر اس کے مجازی معنی

سمیعٌ بصیر علیم وغیرہ قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ لہٰذا خدا تعالیٰ حاضر و ناظر ہے

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے قرآن و حدیث میں شاہد۔ سمیع بصیر موجود ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ لفظ حاضر و ناظر بعینہٖ تو دلائل شرعیہ میں نہ خدا تعالیٰ کے لئے ہے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔! پر اس کے جو معنیٰ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں وہ قرآن و حدیث میں موجود ہیں اور اسی لفظ حاضر و ناظر کے جو معنیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے لائق قرآن و حدیث میں بے شمار جگہ موجود ہیں۔

مثلاً یہی لفظ شاھدًا قرآن پاک میں حضور کی شان میں موجود ہے ملاحظہ فرمائیں مفسرین کے اقوال لغتِ قرآن پاک کی مشہور کتاب مفردات امام اصفہانی صـ ۲۶۹ "الشہادۃ والشہود الحضور مع المشاہدۃ اما بالبصر او بالبصیرۃ"

شہادت اور شہود کے معنیٰ ہیں ظاہری یا باطنی نظر کے ساتھ دیکھتے ہوئے حاضر ہونا اور یہی ناظر کا مفہوم ہے۔

اسی طرح تمام معتبر مفسرین نے تفسیر ابو سعود جلد ۶ صـ ۷۹۰ مطبوعہ مصر۔ تفسیر جمل جلد ۳ صـ ۴۴۲ مطبوعہ مصر، تفسیر مدارک التنزیل جلد ۳ صـ ۲۳۵۔ تفسیر بیضاوی جلد ۲ صـ ۱۹۷۔ تفسیر روح المعانی پارہ ۲۲ صـ ۴۲۔ سب مفسرین نے شاہدًا کا مفہوم حاضر و ناظر شہادت اور شہود کے ترجمہ میں لفظ الحضور لکھا ہے جس کے معنیٰ ہیں ظاہری یا باطنی نظر سے دیکھنا تو قرآن و حدیث اور دلائل شرعیہ سے ثابت ہو گیا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باذن اللہ وجودِ اوّل نورانی اور روحانی

سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

یہ تو صرف اور صرف ایک آیت مبارک اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا کی تحقیق اور تفسیر کی وضاحت کی ہے۔ اس قسم کی بے شمار آیات احادیث اور دلائل شرعیہ موجود ہیں۔ دیانت دار کے واسطے اتنا ہی کافی ہے۔

خدا تعالیٰ ہم سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کو اسی طرح ماننے کی توفیق دے جس طرح اس نے اپنے حبیب کو شان عطا فرمائی ہے۔

(آمین ثم آمین)

اعتراض ۲ کا خلاصہ یہ ہے کہ کتب عقائد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا ثابت کریں۔

اس کا جواب یہ ہے

کہ مفردات امام راغب اصفہانی اور تمام معتبر تفاسیر میں مفسرین نے جو "شاہدًا" کے ترجمہ میں حاضر و ناظر مراد لئے ہیں۔

کیا علمائے کرام دیوبند حضرات کے نزدیک یہ تمام مفسرین علیہ الرحمۃ کتب عقائد کے خلاف ہیں ہرگز نہیں یہ تمام مفسرین کرام اہل سنت ہیں اور ان کے اقوال کتب عقائد کے بالکل مطابق ہیں۔





کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا روحانیت کے ساتھ حاضر و ناظر ہونا قرآن پاک کی آیات کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ جسم مثالی سے حاضر و ناظر ہیں اور آپ کے خیال میں جو آیات ہیں وہ جسم عنصری بشریت کے اعتبار سے ہیں۔ روحانیت اور جسم مثالی کے اعتبار سے ہرگز ہرگز نہیں، دیکھئے علامہ امام احمد صاوی مالکی علیہ الرحمۃ آپ کی پیش کردہ آیت کے ماتحت تفسیر صاوی جلد ۳ ص ۱۸۲ مطبوعہ مصر میں فرماتے ہیں:-

وماکنت بجانب الطور اذ نادینا ھذا بالنظر
للعالم الجسمانی لاقامۃ الحجۃ علی الخصم واما بالنظر
للعالم الروحانی فھو حاضر کل رسول وما وقع لہ ٥

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ ارسال رسل اور ان کے زمانۂ رسالت کے اوپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر نہ ہونا عالم جسمانی کے اعتبار سے ہے۔ اور اگر عالم نورانی اور روحانی کے اعتبار سے دیکھا جائے تو حضور پاک آدم علیہ السلام کے زمانہ سے لیکر اپنے جسم شریف کے ظاہر ہونے کے زمانہ تک ہر رسول کی رسالت اور ان کے تمام زمانوں کے تمام واقعات پر حاضر و ناظر ہیں۔ لیکن

یہ ایسی باتیں ہیں جن کے ساتھ اہل عناد کو خطاب نہیں کیا جاتا بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان نورانی اور روحانی کمالات کے قائل سچے مومن ہیں



اعتراض نمبر ۴ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر ہونے کا رتبہ کب ملا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

ہم ثابت کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شاہد ہونے کا معنیٰ حضور کا حاضر و ناظر ہونا ہے۔ اس لئے جس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو شاہد بنایا اسی وقت سے یہ کمال حاضر و ناظر ہونے کا بھی عطا فرمایا۔ اب کسی کے جلنے سے کیا ہوتا ہے۔ وہ تو نورانی اور روحانی وجود سے ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ کیونکہ
وہ رحمۃ للعٰلمین ہیں۔ وہ اولیٰ بالمؤمنین ہیں۔



اعتراض نمبر ۵ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی وجود سے حاضر و ناظر ہیں تو آپ کا جسم شریف نظر کیوں نہیں آتا-؟

اس کا جواب یہ ہے کہ

جسمانی وجود شریف تو نظر آئے جب بشریت مطہرہ کے ساتھ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانیں۔ ہم تو جسم مثالی مانتے ہیں اور وہ اس قدر لطیف و نظیف ہے کہ بشری نگاہ محسوس نہیں کر سکتی تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کا جمال دکھا کر اس بشر کے اکرام کا ارادہ نہ فرمائے اس لئے جسم اقدس کے نظر نہ آنے پر حدیث کا مطالبہ کرنا لغو اور بے معنیٰ ہے۔ ہزاروں لاکھوں چیزیں ایسی ہیں کہ وہ موجود ضرور ہیں پر نظر نہیں آتیں۔ خود ہماری روح جسم کے ذرہ ذرہ میں موجود ہے پر نظر نہیں آتی۔ پھول پھل عطر وغیرہ کی خوشبو موجود ہے پر نظر نہیں آتی۔ اپنی لطافت اور نظافت کی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیا کی ہر لطیف اور نظیف چیز سے بہت زیادہ لطیف اور نظیف ہیں۔



اعتراض ۶ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو آپ کے جسم اقدس کی خوشبو کیوں نہیں آتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

خوشبو کا مہکنا بشریت مطہرہ اور جسم اقدس کی صفت ہے اور حضور علیہ السلام کا موجود ہونا ہر جگہ نورانیت اور روحانیت سے ہے۔

اس لئے خوشبو کے محسوس نہ ہونے پر اعتراض کرنا حماقت اور جہالت ہے۔ اعتراض وہ کرو جو بنتا ہو۔



اعتراض ۷ کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حضور علیہ السلام حاضر و ناظر ہیں تو بلند آواز سے کیوں بولتے ہو یہ تو بے ادبی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ہر جگہ اور ہر وقت اونچی آواز سے بچنا طاقتِ بشری سے باہر ہے اور جو چیز طاقتِ بشری سے باہر ہو آدمی اس کا مکلف نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا"

دیکھئے بخاری شریف، مسلم شریف، متفق علیہ حدیث ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آیت کریمہ "لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ" کے نازل ہونے کے بعد اپنے گھر میں بیٹھ گئے۔ جب اُن سے وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا:-

میری آواز اونچی ہے اس لئے ڈرتا ہوں کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی ہو جائے اور میں اہلِ نار سے ہو جاؤں تو اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

بَلْ هُوَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ ۔ وہ ثابت بن قیس اہلِ نار سے

نہیں بلکہ اہل جنت سے ہے۔ ثابت ہوا کہ جب بحالتِ مجبوری حضور علیہ السلام کی حیاتِ ظاہری میں حضور علیہ السلام کے سامنے اُونچا بولنا گناہ کا موجب نہ تھا تو اب کیسے ہوسکتا ہے اور بولنا بھی وہ گناہ کا موجب ہے جو بے ادبی کے لہجہ میں ہو۔



اعتراض نمبر ۸ کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر جگہ موجود ہونا محیط کا کام ہے۔ کیا حضور بھی محیط ہیں یہ صفت خدا کی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

محیط کو مطلقاً جگہ کے ساتھ مقید کر کے اللہ تعالیٰ کے لئے جہت اور مکان کی قیود ثابت کرنا دیوبندی حضرات کا شیوہ ہے۔ ؎

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

دیوبندی حضرات کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ایسا محیط ہے جو زمان اور مکان جگہ اور جہت کی قید سے پاک اور محیط الکل ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کی مخلوق میں سے کوئی فرد کسی قسم کا احاطہ کی صفت سے متصف نہیں ہے۔ دیکھئے زمین و آسمان، عرش و کرسی اپنے مابین کو محیط ہیں۔ زمانہ زمانیات کو محیط ہے، مکان مکانیات کو محیط ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بمقتضائے۔

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" تمام

کائنات کو محیط ہیں اور خدا تعالیٰ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی محیط ہے۔ مگر دیوبندی حضرات پر حیرت ہے کہ ہر محیط کو محیط الکل سمجھ لیا ہے۔

؎ بریں عقل و دانش بباید گریست



کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانا جائے۔ تو معراج جسمانی کا انکار ہو گا۔

اِس کا جوابؔ یہ ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاضر و ناظر ہونا جسم مثالی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ ہے اور معراج شریف جسمانی ہے۔



اعتراض ۱۰ کا خلاصہ یہ ہے کہ حاضر و ناظر کا مسئلہ حضور کی ہجرت پاک کے بھی خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے

کہ :۔ ہجرت جسمانی ہے اور حاضر و ناظر ہونا روحانی ہے ۔ لہٰذا دونوں میں منافات نہیں ۔ معترض حضرات غور فرمائیں ۔



کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں تو تم میلاد شریف میں کیوں کہتے ہو کہ اٹھو حضور آ گئے ہیں ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

آپ کا یہ کہنا بالکل افترا ہے ہم بالکل نہیں کہتے کہ اٹھو ۔ حضور آ گئے ہیں، ہم تو کہیں جانے کے قائل ہی نہیں حاضر و ناظر مانتے ہیں ۔ ہمارا قیام تو ذکرِ ولادت باسعادت کی تعظیم کے لئے ہوتا ہے ۔۔ ہاں تمام علمائے دیوبند حضرات کے پیر و مرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی شمائم امدادیہ ص ۹۳ پر تحریر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی محفلِ میلاد میں تشریف آوری فرماتے ہیں ۔



کا خلاصہ یہ ہے کہ حاضر و ناظر عربی لفظ ہے کسی حدیث یا قرآن پاک

کی آیت میں دکھائیں ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

بے شک حاضر و ناظر عربی لفظ ہیں ان معنیٰ کا ثبوت تو قرآن و حدیث سے ہم ثابت کر چکے ہیں ۔ اگر آپ الفاظ کی ضد پہ اڑے ہوئے ہیں تو ذرا ہمت کر کے اللہ تعالیٰ کے لئے قرآن و حدیث میں کہیں دکھائیں



کا خلاصہ یہ ہے کہ مرنے کے بعد جہاں انسان ہو اسے قبر کہتے ہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قبر میں اپنی قبر شریف چھوڑ کر جانا نہایت بے ادبی ہے ۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

ہم نے کب کہا ہے کہ حضور اپنی قبر شریف چھوڑ کر ہر قبر میں جاتے ہیں ۔ ہم تو کہتے ہیں کہ جسم بشری ہر وقت اپنی قبر شریف میں موجود رہتا ہے اور جسم مثالی اور روحانی نورانی سے ہر قبر میں تشریف فرما ہوتے ہیں ۔ اس پر اعتراض حماقت ہے ۔



اعتراض نمبر ۱۴ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور نے ایک خادم مسجد کی قبر پوچھی اگر آپ ہر قبر میں جاتے ہیں تو پوچھنا بے معنی تھا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

یہ اعتراض بھی ایک مضحکہ خیز ہے خادم مسجد کی قبر دریافت فرمانا نہ لاعلمی ہے نہ حاضر و ناظر کے خلاف بلکہ ایک غلام کی قبر دریافت فرما کر مسلمان کی موت کے اعلان کو مسنون فرمایا اور خادم مسجد کی عزت افزائی کی جسے صحابہ کرام نے معمولی آدمی سمجھ کر دفن کر دیا تھا۔



کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی فرمایا کہ میں ہر قبر میں جاتا ہوں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ

بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث میں ہے کہ " ان العبد اذا وضع فی قبرہ ۔ اور اس کے بعد ما کنت تقول فی ھذا الرجل ـــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ مبارکہ ہیں۔ اس کے باوجود علماء دیوبند کا مطالبہ حیرت انگیز نہیں تو اور کیا ہے!

فیا للعجب!

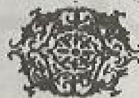


میرے کتابچہ "دیوبندی اور بریلوی میں فرق" پر برکتاً ہر ورق پر قرآن پاک کی جو آیۃ کریمہ " انا ارسلنک شاھدا " لکھی ہوئی تھی اور شاھدا کا ترجمہ میں نے حاضر و ناظر کیا تھا۔ علمائے دیوبند نے بجائے سوالات کے جوابات دینے کے حاضر و ناظر کے مسئلہ پر سوالات کی بھر[redacted]کر دی۔ الحمد للہ

علمائے دیوبند کے تمام سوالات کے میں نے بالترتیب نمبروار جوابات دے دیئے ہیں۔

اب میرے

چند سوال ہیں علمائے دیوبند حضرات بھی میری طرح بالترتیب نمبروار جواب عنایت فرما کر ممنون کریں۔ تاکہ مغالطہ دور ہو ـــ اور مل کر دین متین کی خدمت کی جا سکے ۔ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے یعنی اتحاد ۔ اتحاد ۔ اتحاد ۔ کیونکہ مجھے اور میرے اکابر علماء کرام اور مشائخ عظام کو علماء دیوبند یا کسی اور صاحب سے صرف اور صرف اسی مسئلہ یعنی ادب اور بے ادبی کے مسئلہ پر اصولی اور سب سے بڑا اختلاف ہے۔



تمام علمائے دیوبند حضرات سے



کہ میرے مندرجہ ذیل سوالات کے جوابات ضرور شائع کریں تاکہ اتحاد قائم ہو سکے جس کی اشد ضرورت ہے

میرے سوالات یہ ہیں - !

سوال ۱ جو شخص اللہ تعالیٰ کے علم کا انکار کرے اور یہ کہے کہ :- بندوں کے کام کا علم اللہ کو نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کو اُن کے کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے - پھر قرآن کریم اور احادیث کو اسی مذہب پر منطبق مانے وہ مومن ہے یا کافر - ؟

سوال ۲ کیا علمائے دیوبند کے نزدیک فرشتوں اور رسولوں کو طاغوت کہنا جائز ہے - اگر نہیں تو کہنے والا کیا ہے مومن یا کافر ؟

سوال ۳ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ دجّال کی حیات کا زائل ہونا محال ہے اور وہ متصف بحیات بالذّات ہے اس حیات کا اس سے منفک اور جدا نہیں ہو سکتی ایسا عقیدہ رکھنے والا آپ کے نزدیک حق پر ہے یا باطل پر -

سوال ۴ جس شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا وہ خدا کی شان کے آگے چمار سے زیادہ ذلیل ہے آپ کے نزدیک کافر ہے یا مومن ؟

سوال ۵ جس شخص کا عقیدہ یہ ہو کہ خدا تعالیٰ کے سامنے سب انبیاء اور اولیاء ذرّہ ناچیز سے بھی کمتر ہیں کافر ہے یا مومن ؟

سوال ۶ جو شخص یہ کہتا ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع ماننا شرک ہے وہ آپ کے نزدیک کیا ہے ؟

سوال ۷ جو شخص یہ کہتا ہو کہ جس کا نام محمد یا علی ہے وہ کسی چیز کا مختار نہیں آپ کے نزدیک کیا ہے - ؟

سوال ۸ جو شخص یہ کہتا ہے کہ شیطان کو تو ساری زمین کا علم ہے پر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی چیز کا علم نہیں ۔ آپ کے نزدیک مومن ہے یا کافر ؟

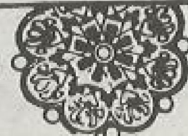
سوال ۹ جو شخص یہ کہے کہ نماز میں بیل گدھے کے خیال سے رسالت مآب ﷺ کا خیال زیادہ بُرا ہے ۔ آپ کے نزدیک یہ عقیدہ کیسا ہے ؟

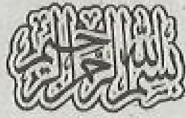
سوال ۱۰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی کہنے والوں کو عوام اور جاہل کہنے والا آپ کے نزدیک کیا ہے ؟

سوال ۱۱ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو حیوانات کے علم سے تشبیہہ دینا کیا ہے ؟ اور دینے والا کون ہے ؟

حضرات !

سردست صرف گیارہ سوال پیش خدمت ہیں ۔ سوچ سمجھ کر تحریری جواب عنایت فرمائیں تاکہ اختلاف ختم ہو ۔





واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم (البقرہ ۲۱۳)

مسلمانو اس کو پڑھو اہل وعیال واحباب کو پڑھاؤ اور حق وباطل میں تمیز کرو
ایک مذہب اہل سنت کے سوا جملہ مذاہب باطل ومردود ہیں

اصلاح تقویۃ الایمان

(حصہ اول)

مصنفہ

عالیجناب مولانا الحاج صوفی شاہ عزیز احمد صاحب رضوی بریلوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ
وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ بِرَحۡمَتِکَ یَا اَرۡحَمَ الرَّاحِمِیۡنَ۔ آمِیۡن

اصلاحِ تقویۃ الایمان

کے پڑھتے وقت اس کا خاص طور سے خیال رکھیئے کہ باریک قلم سے جو عبارت لکھی ہے۔ وہ مولوی اسماعیل صاحب دہلوی کی ہے۔ اور جلی قلم سے جو درمیان میں (بریکٹ) کے اندر جملے یا عبارت یا الفاظ لکھے ہیں وہ بطور اصلاح بڑھائے گئے ہیں۔ ہمیں یقینِ کامل ہے کہ جو ذرہ برابر بھی ایمان رکھتا ہے اور جس نے سچے دل سے کلمہ پڑھا ہے اور قرآن وحدیث پر دل سے یقین رکھتا ہے۔ اس کیلئے یہ کتاب ہدایت کا آفتاب ہے۔ یہ کتاب ہر مسلمان کے گھر میں ہونا ضروری ہے خود پڑھیئے گھر والوں کو سنایئے اور بچوں کو پڑھایئے، دوست احباب میں اشاعت کیجئے۔

والسلام

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پہلا سبق

صبح کا سہانا وقت ہے، استاد شفیق مدرسہ میں تشریف فرما ہیں، شاگرد ادب سے سامنے حاضر ہیں۔ سبق شروع ہونے والا ہے کہ ایک شاگرد عرض کرتا ہے۔

شاگرد : حضور غلام دستگیر ہمارے، ہم سبق ہیں معلوم نہیں آج کیوں دیر لگائی چند منٹ ان کا انتظار کرلیا جائے۔

دوسرا شاگرد : لیجئے حضور وہ آ گئے۔ سب نے دیکھا کہ ایک کتاب ہاتھ میں ہے چہرے پر اداسی چھائی ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بہت بڑی فکر و پریشانی میں مبتلا ہیں۔

نووارد : السلام علیکم

جواب : وعلیکم السلام

استاد : کیوں غلام دستگیر آج دیر کیوں لگائی، خیر تو ہے کس فکر میں ہو، اور یہ کتاب کونسی ہے۔

شاگرد : حضور یہ کتاب کل ایک ڈاکیہ مکان پر دے گیا تھا۔ کسی نے پارسل کے ذریعے میرے نام بھیجی ہے۔ جب میں مدرسہ سے واپس مکان پر پہنچا تو میرے والد صاحب نے یہ کتاب دیتے ہوئے فرمایا: کیا تم نے کہیں سے کوئی کتاب منگائی تھی؟ میں نے کتاب لیتے ہوئے عرض کی نہیں۔ کون دے گیا؟ فرمایا چٹھی دینے والا دے گیا ہے، مجھے حیرت ہوئی کہ یہ کتاب جو کم از کم ڈیڑھ روپیہ قیمت کی ہوگی، مفت اور بغیر قیمت کے کس نے بھیج دی؟

کھول کر پڑھنا شروع کیا جوں جوں اس کتاب کو پڑھتا جاتا پریشانی اور حیرت بڑھتی جاتی۔ یہاں تک کہ ساری رات اسی کتاب کے پڑھنے میں کٹی، نیند نہ آئی۔ اس کے پڑھنے سے میرا عقیدہ اور ایمان مرکز سے ہٹ گیا اور جو دل اطمینان اور سکون کا گھر تھا آج اس میں طرح طرح کے شکوک آ بسے اس کتاب کے سبق میں اور آپ کی تعلیم میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اگر میں حضور سے اس بارے میں کچھ دریافت کروں تو شافی جواب سے میرے شبہات رفع فرمادیں گے؟

استاد : کیسے شبہات؟ لاؤ میں تو دیکھوں کیا کتاب ہے اور اس کا مصنف کون ہے؟ یہ کہہ کر کتاب لیکر کھولی دیکھا اور اس کا نام ٹائیٹل پر پڑھا، اور انتہائی افسوس کرتے ہوئے فرمایا۔

پیارے شاگردو : یہ کتاب جس کا نام "تقویۃ الایمان" ہے اور مصنف اس کے مولوی اسماعیل دہلوی صاحب ہیں۔ دراصل یہ کتاب "کتاب التوحید" کا ترجمہ ہے۔ ابن عبدالوہاب نجدی، جو نجد میں پیدا ہوا تھا اس نے یہ کتاب عربی میں لکھی تھی اس کا ترجمہ اردو میں کیا گیا ہے۔ اور اس نئے مذہب اور غلط عقیدے کو عوام میں پھیلانے کی غرض سے ہزاروں کی تعداد میں چھپوا کر مفت تقسیم کی گئی ہے، جہاں اور جس کو یہ کتاب بھیجی جاتی ہے۔ اسے یہ ہدایت لکھ کر بھیج دی جاتی ہے کہ شہر کے معزز لوگوں کے نام اور پتے لکھ کر بھیج دو۔ لوگ بھیج دیتے ہیں۔ اسی طرح تمہارا نام اور پتہ بھی کسی نے لکھ کر بھیج دیا ہوگا۔ اس کو پڑھ کر جب تم جیسا آدمی کہ جس کو تھوڑی بہت علم کی روشنی بھی حاصل ہے چکر میں پڑ گیا تو عوام، ناواقف، معمولی اردو پڑھے ہوؤں کا کیا حال ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جب سے یہ کتاب چھپی، دنیائے اسلام میں ایک طوفان برپا ہوگیا۔ آج سے ڈیڑھ سو سال قبل اس نئے مذہب اور باطل

عقیدے کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ تمہارا اور ہر مسلمان کا قرآن کریم کے ایک ایک حرف پر ایمان ہے۔ مگر اس کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں۔ سوائے ان علماء کرام کے جن کو اللہ تعالیٰ جل وعلا نے توفیق اس کے سمجھنے کی مرحمت فرمائی۔ محض قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ لینے سے ہرگز ہرگز اس کا صحیح مطلب ہاتھ نہیں آسکتا۔ بطور مثال میں تم کو بتلاتا ہوں کہ اردو ہماری مادری زبان ہے۔ مگر اکثر لوگ اس میں دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ قرآن شریف کا سمجھنا ہر ایک کا کام نہیں، ایک عجیب ﴿مثال﴾ ایک مرتبہ ایک برات کہیں جارہی تھی، براتی ساتھ تھے، دوپہر کا وقت تھا۔ راستے میں ایک پل تھا جس کا پھاٹک وقت مقررہ پر کھلتا تھا۔ جب برات پھاٹک پر پہنچی، اسے بند پایا، دروازے پر پہرے والا کھڑا تھا۔ اس سے کہا کہ پھاٹک کھول دے، اس نے جواب دیا کہ حضرت میں تھوڑی تنخواہ کا آدمی ہوں رپورٹ ہوگئی تو نوکری جاتی رہے گی۔ وہ سامنے دفتر ہے۔ جاؤ وہاں سے تحریر لے آؤ، وہاں پہنچے تو دفتر کے بڑے بابو پہچان کے تھے۔ انہوں نے براتیوں کی پریشانی کو محسوس کرتے ہوئے ایک پرچہ پر یہ لکھ کر دستخط کر کے دیدیا۔ روکو مت جانے دو، ان لوگوں نے جیسے ہی پرچہ پہرے والے کو دیا اس نے فوراً پھاٹک کھول دیا، برات گزر گئی اس پر بابو جی سے جواب طلب ہوا کہ تم نے بے وقت پھاٹک کھولنے کا کیوں حکم دیا۔ بابو جی بولے میں نے حکم نہیں دیا بلکہ براتیوں کی تسکین کیلئے پرچہ لکھ کر دیدیا تھا جس کو پہرے والا نہیں سمجھ سکا میں نے اجازت نہیں دی بلکہ منع کیا تھا کہ روکو، مت جانے دو۔ دیکھو اردو کا جملہ ہے اگر مت کو ادھر ملا کر پڑھو تو اجازت نکلتی ہے۔ یعنی روکو مت جانے دو۔ اور ادھر ملا کر پڑھنے سے ممانعت نکلتی ہے۔ ایک اشارہ میں زمین وآسمان کا فرق پڑ جاتا ہے۔ ایسی مثالیں دن رات پیش آتی رہتی ہیں۔ تو اب قرآن

عظیم جو عربی میں ہے اس کی آیتوں کا صحیح مطلب بغیر تفسیر کے کیسے معلوم ہوسکتا ہے پھر یہ بھی سب سے پہلے دیکھا جائیگا کہ ترجمہ کرنے والا کس عقیدے کا ہے، تفسیر لکھنے والے کون بزرگ ہیں۔ اور شان نزول کیا ہے، کونسی آیت کب اور کس کے بارے میں اتری ہے۔ چنانچہ اس کتاب میں تمام وہ آیتیں جو اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے بتوں اور بت پرستوں کے بارے میں نازل فرمائی تھیں۔، مصنف (یعنی مولوی اسماعیل صاحب دہلوی) نے ان کو مسلمانوں اور انبیاء علیہم السلام واولیاء کرام کی طرف ڈھال کر ساری دنیا کے مسلمانوں کو مشرک قرار دیا ہے۔ خیر یہ ساری باتیں آگے چل کر تم کو خود معلوم ہو جائیں گی۔ اب تم سوال کرو کہ کیا سوالات ہیں۔ انشاء اللہ تسلی بخش جواب دیا جائے گا۔

شاگرد : حضور دریافت کرنے سے پہلے ہی آپ کی مختصر تقریر سے میرے دل کو بہت کچھ تسکین ہوگئی اور میں سمجھ گیا کہ اس کتاب کو پڑھ کر جتنے شبہات پیدا ہوئے وہ میری کم علمی کا سبب ہے۔ اور مجھے یقین ہے کہ میرے ہر سوال کا جواب باصواب مرحمت فرما کر میرے ایمان کو جو کفر وایمان کے دوراہے پر آچکا ہے ٹھیک اور سچے راستے پر لگادینگے۔

﴿شاگرد کے دو اہم سوال اور ان کا جواب﴾

سوال : (۱) کیا بزرگان دین کی پیروی نہ کرنی چاہئے اور کیا ان کا اتباع درست نہیں؟

سوال (۲) دین میں جو علماء فقہاء، مجتہدین وغیرہ ہوئے ہیں ان کی طرف توجہ نہ کرنی چاہئے، ان کی کتابیں جن کو تصنیف کرنے میں ان بزرگوں نے اپنی ساری عمر کی کوششیں خرچ کیں، ان کتابوں کو پڑھنے کی ضرورت نہیں، کیا بغیر ان اکابرین

علماء مجتہدین اور آئمہ کرام کے بتائے ہوئے اور سمجھائے ہوئے ہر شخص خود بخود اللہ ورسول کا کلام سمجھ سکتا ہے ؟

جواب: دیکھو یہ تفویۃ الایمان کا گمراہ کرنے والا سب سے پہلا سبق ہے اور سارا گمراہ کرنے کا راز انہیں دو باتوں میں پوشیدہ ہے، کیونکہ جب تک آدمی اپنے بزرگوں کے طریقہ کو نہ چھوڑے، بلکہ ان کے طریقوں کو مضبوط پکڑتے ہوئے ان کی پیروی کرنے کو ضروری خیال کرے اس وقت تک دنیا کی کوئی مخالف طاقت اس کو گمراہ نہیں کرسکتی جس طرح کہ ایک چکی جس میں ہر قسم کا اناج ڈال کر گھمانے سے سارا اناج پس کر آٹا ہو جاتا ہے مگر جو دانہ کیلی سے قریب ہوتا ہے وہ بدستور قائم رہتا ہے اس پر ہوا نہیں آتی ۔ اسی طرح ہمارا مرکز (یعنی کیلی) سلف کے بزرگوں کی پیروی ہے جو اس مرکز پر قائم رہے گا اس کا دین وایمان سلامت رہے گا۔ اسے دنیا کا کوئی خود غرض خواہ کتنی ہی چالیں چلے اور نیا مذہب منوانا چاہے۔ ہرگز نہیں منوا سکتا کیونکہ جب وہ اس کو اپنی نئی بات بتائے گا مثلاً یہ کہے کہ فاتحہ ونذرو نیاز نہ کرو، میلاد نہ کرو، سب بیکار وفضول ہے، تو سننے والا یہ کہہ کر جھڑک دے گا۔ میرے بڑے بزرگ کرتے چلے آئے ہیں، میں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ اور اگر وہ بہکانے والا دوسرے طریقہ سے بہکائے اور یوں کہے کہ یہ کام مت کرو تمہارے دین کے خلاف ہے۔ قرآن کریم وحدیث شریف میں اس کے کرنے کا کہیں ثبوت نہیں تو مسلمان اس کا جواب یہ دیگا کہ قرآن وحدیث پر تو میرا ایمان ہے لیکن یہ بات میں اپنے علماء سے دریافت کرلوں کہ قرآن وحدیث میں اس کی ممانعت ہے یا نہیں اگر وہ بتائیں گے کہ ہاں ممانعت ہے تو میں سر جھکا کر مان لوں گا۔ اور اگر انہوں نے فرمایا کہ قرآن وحدیث میں اس کی ممانعت نہیں ہے تو ان کے مقابل میں آپ کی

بات ہرگز ماننے کیلئے تیار نہیں ۔ یہ جواب سنتے ہی گمراہ کرنے والا بغلیں جھانکے گا۔ اور آئندہ بہکانے یا کچھ کہنے کی ہمت نہ پڑیگی، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ قرآن وحدیث کا نام لیکر جاہل کو بہکایا جاسکتا ہے مگر یہ عالم کے پاس گیا تو وہ سچی بات بتا کر میرا پردہ فاش کردیگا۔ اسی لئے گمراہ کرنے والوں نے گمراہ کرنے اور بہکانے کا طریقہ نکالا کہ پہلے عام مسلمانوں کو ان کے علماء اور بزرگان دین کی طرف سے بدظن کریں، ایسا سبق پڑھائیں کہ یہ ان کی ضرورت ہی نہ سمجھیں ان کی طرف رخ ہی نہ کریں۔ سب سے پہلے رافضیوں اور خارجیوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مسلمانوں کو ان کے بزرگوں یعنی صحابہ کرام سے بدگمان کرنے میں حد درجہ کوشش کی جن لوگوں کو بہکایا اور صحابہ کرام سے بدگمان کرلیا انہیں کو دین سے پھیر کر گمراہ کرنے میں کامیاب ہوئے اور جو لوگ ان کے بہکانے میں نہ آئے صحابہ کا دامن نہ چھوڑا ان کا ایمان آخر تک سلامت رہا۔ اور رافضیوں اور خارجیوں کا ان مسلمانوں پر کچھ بس نہ چلا۔ یہی طریقہ مولوی اسماعیل دہلوی نے ابن عبدالوہاب نجدی کا عقیدہ پھیلانے اور مسلمانوں کو وہابی بنانے کیلئے اختیار کیا ہے۔ اور انہیں باتوں پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ پوری عبارت تفویۃ الایمان کی یہ ہے۔

"اس زمانہ میں دین کی بات میں لوگ کتنی راہیں چلتے ہیں، کتنے پہلوں کی رسموں کو پکڑتے ہیں، کتنے قصے بزرگوں کے دیکھتے ہیں اور کتنے مولویوں کی باتوں کو جو انہوں نے اپنے ذہن کی تیزی سے نکال لی ہیں سند پکڑتے ہیں اور کتنے اپنی عقل کو دخل دیتے ہیں" (تفویۃ الایمان ص ۴ سطر ۶/ مطبوعہ حیدری پریس دہلی) یہ عبارت نہ تو کسی آیت کا ترجمہ ہے اور نہ ہی حدیث شریف کا مضمون، بلکہ قرآن وحدیث کے خلاف ایک نئی بدعت کی ایجاد ہے۔ ایسی حالت میں ناواقف مسلمان کو چاہئے کہ جب کوئی نئی بات سنے

یا کسی کتاب میں دیکھے تو فوراً دوسرے عالموں سے دریافت کرے اور نیت یہ رکھے کہ میں سچی اور حق بات کی تلاش کر رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے کامیاب فرمادیگا۔ اور حق بات ہاتھ آجائے گی۔ جس طرح تم نے اس کتاب میں نئی نئی باتیں دین کے خلاف دیکھیں تو تمہارا دل بے چین ہو گیا اور سچائی کی تلاش شروع کر دی، دیکھو مولوی اسماعیل صاحب ذہن کی تیزی اور عقل کے فیصلے جو علماء اہل سنت نے بالکل قرآن وحدیث کے مطابق فرمائے اس کی تو مخالفت کر رہے ہیں۔ اور اپنے ذہن کی تیزی سے جو عبارت بالکل قرآن شریف کے خلاف نکالی منوا رہے ہیں۔ مگر قرآن شریف ساڑھے تیرا سو برس پہلے ہی اس کا رد فرما چکا اور ہمیں حکم دے چکا کہ تم خدا سے اس طرح عرض کرو۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ۔

ہم کو سیدھا راستہ چلا۔ راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا۔

(سورۃ فاتحہ پارہ ۱ آیت ۵)

یعنی اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے راستے پر ہمیں چلنے کا حکم ہی نہیں دیتا بلکہ فرماتا ہے۔ کہ ہم سے دعا کرو کہ انہیں کے راستے پر چلا جن پر تو نے احسان کیا جیسے صحابہ کرام ہیں۔ اور جتنے اس امت میں امام گزرے ہیں اور جتنے اولیاء اللہ ہوئے وغیرہ وغیرہ یہ سب اللہ کے مقبول بندے ہیں۔ اللہ نے ان سب پر احسان فرمایا۔
اب تم بتاؤ کہ انہیں بزرگوں کے راستے اور طریقے پر چلو گے یا ان کا راستہ اور طریقہ چھوڑ کر گمراہی کے جال میں پھنسنا پسند ہے۔

دوسری آیت سنو!

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا۔

(پ۵، سورۃ النساء آیت ۱۱۵)

اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے اسے ہم اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور وہ کیا ہی بری پلٹنے کی جگہ ہے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ اور طریقہ اختیار کرے گا وہ دوزخ میں ڈالا جائے گا، دیکھو یہ وہی مومنین کا راستہ ہے، جس کو مولوی اسماعیل صاحب تقویۃ الایمان میں پہلوں کی رسمیں، بزرگوں کے قصے مولویوں کی باتیں بتا کر چھڑانا چاہتے ہیں۔ ہوشیار رہو! ایمان والوں کیلئے یہ دو ہی آیتیں کافی ہیں۔ جو ان پر عمل کرے گا۔ اور اپنے رب کے فرمان کے آگے کسی کی بات نہ مانے گا وہ جنت میں جائے گا۔ اور جو رب کے فرمان کے خلاف ایمان والوں کی راہ سے جدا راہ چلے گا جہنم کا مستحق ہوگا۔ اللہ پناہ میں رکھے۔
اب دوسری بات کہ قرآن مجید کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے اسکے بارے میں پوری عبارت یہ ہے۔

"اور یہ جو عوام الناس میں مشہور ہے کہ اللہ ورسول کا کلام سمجھنا بہت مشکل ہے اس کو بڑا علم چاہیئے ہم کو وہ طاقت کہاں کہ ان کا کلام سمجھیں اور اس راہ پر چلنا بڑے بزرگوں کا کام ہے سو ہماری کیا طاقت کہ اس کے موافق چلیں بلکہ ہم کو یہی باتیں کفایت کرتی ہیں سو یہ بات غلط ہے اس واسطے کہ اللہ صاحب نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں باتیں بہت صاف صریح ہیں ان کا سمجھنا مشکل نہیں"۔

یہ عبارت بتا رہی ہے کہ ہر جاہل معمولی اردو پڑھا ہوا قرآن شریف اور حدیث شریف خود سمجھ سکتا ہے۔ حالانکہ یہ بات قرآن وحدیث کے خلاف ہے، افسوس کہ اس غلط عبارت کو قرآن پاک کی طرف منسوب کیا ہے یعنی ان کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں اور جو آیت پیش کی وہ یہ ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۚ وَمَا یَکْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ۔ (پ ۱، البقرۃ آیت ۹۹)

اور بیشک اتاریں ہم نے طرف تیرے باتیں کھلی اور منکر اس سے وہی ہوتے ہیں جو لوگ بے حکم ہیں۔

(ف) یعنی ان باتوں کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں۔

یہ فائدہ بے فائدہ جناب اپنی طرف سے بڑھا کر کچھ آگے فرماتے ہیں۔ ''اور اللہ ورسول کے کلام سمجھنے کو بہت علم نہیں چاہئے۔ کہ پیغمبر تو نادانوں کو راہ بتلانے اور جاہلوں کے سمجھانے کو اور بے علموں کو علم سکھانے کو آئے تھے''۔

دیکھو اس عبارت میں نہ تو شان ادب ہے کہ نہ کسی آیت یا حدیث کا مفہوم بلکہ یہ کہنا اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھنے کو بہت علم نہیں چاہئے۔ ہر جاہل سمجھ سکتا ہے۔ بالکل غلط ہے۔ آیتوں کا بین اور روشن ہونے کے یہ معنی نہیں کہ قرآن پاک سیکھنے اور علماء سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ مولوی اسماعیل صاحب سے کبھی کسی نے یہ تو دریافت کیا ہوتا کہ جناب جب ہر شخص ان باتوں کو خود سمجھ سکتا ہے تو آپ نے سمجھانے اور بتلانے اور کتابیں تصنیف کر کے چھپوانے کی تکلیف کیوں گوارا فرمائی؟

اب آپ آگے لکھتے ہیں۔ ''جو کوئی یہ آیت سنکر یہ کہنے لگے کہ پیغمبروں کی بات سوائے عالموں کے کوئی نہیں سمجھ سکتا، ان کی راہ پر سوائے بزرگوں کے کوئی چل نہیں سکتا۔ سو اس نے

آیت کا انکار کیا''۔

دیکھو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے بزرگوں کا دامن چھوڑو، ولیوں، عالموں، اماموں کی بات نہ سنو، بس مجھے امام بنا لو میرا کہا مان لو۔ افسوس کہ کم علم مسلمانوں کا اگلے بزرگوں اور عالموں سے تعلق چھڑانے کا کیسا پر فریب پہلو اختیار کیا ہے۔ ایسی چند آیتیں اور بھی ہیں مثال کیلئے ایک سناتا ہوں۔ تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ۔ (پ ۱۴ سورۃ النحل آیت ۸۹)

اے محبوب ہم نے تم پر یہ کتاب اتاری جس میں ہر شے ہر چیز کا روشن بیان ہے۔

مگر امت اسے نبی کے بتائے بغیر نہیں سمجھ سکتی۔ چنانچہ دوسری آیت میں خلاصہ فرما دیا۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ۔ (پ ۱۴ سورۃ النحل آیت ۴۴)

اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ تم لوگوں کیلئے بیان فرما دو جو کچھ ان کی طرف اترا ہے۔

یعنی اے محبوب تم پر تو قرآن کریم نے ہر چیز روشن فرما دی اس میں سے جس قدر امت کے بتانے کو ہے وہ تم ان پر روشن کر دو، قابل غور یہ چیز ہے کہ پہلی آیت میں ''وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ'' فرمایا یعنی اتاریں ہم نے تیری طرف، یہ خاص حضور کی نسبت ہے اور دوسری آیت میں ''نُزِّلَ اِلَیْهِمْ'' فرمایا۔ یہ امت کی نسبت فرمایا ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ قرآن شریف کا بین اور روشن اور کھلا ہوا ہونا خاص حضور کیلئے ہے کہ اس کے ذریعہ ہر ہر چیز حضور پر روشن ہوگئی اس میں سے جو امت کیلئے تھا وہ صحابہ کرام کو تعلیم فرما دیا اسی لئے امیر المؤمنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

فرماتے ہیں۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰہِ (بخاری شریف)۔ یعنی ہمارے لئے قرآن مجید بس ہے۔ مگر جان برادر! یہاں بڑے غور کرنے کی یہ بات ہے کہ امیر المؤمنین نے کب فرمایا۔ اس وقت فرمایا جب حضور سے قرآن کو سمجھ لیا اور یہ انہیں جیسے حضرات کی شایان شان ہے۔ اب عقل سے سوچو کہ آجکل کے لوگ اس کلام کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ جب تک کہ اگلے عالموں اور بزرگوں سے سمجھنے کی کوشش نہ کریں۔ جیسا کہ بیسویں پارے میں ارشاد فرمایا۔

وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ ۚ وَمَا يَعْقِلُهَآ اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ ۝
(پ۲۰، سورۂ عنکبوت آیت ۴۳)

یہ مثالیں ہیں جنہیں (ہم) لوگوں کیلئے بیان فرماتے ہیں اور انہیں نہیں سمجھتے مگر عالم۔

اب تو ثابت ہو گیا کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کا دعویٰ کہ قرآن پاک کے سمجھنے کیلئے عالموں کی ضرورت نہیں۔ قرآن پاک کے بالکل خلاف ہے۔ مولوی اسمٰعیل کی نیت حقیقت میں دھوکہ دیکر عوام مسلمانوں کو گمراہ کرنا ہے ورنہ جو آیت انہوں نے پیش کی ہے اس کا ترجمہ خود بتاتا ہے ''اور اتاریں ہم نے تیری طرف باتیں کھلی اور منکر اس سے وہی ہوتے ہیں جو لوگ بے حکم ہیں''۔ تو اب بجائے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی کا پہلو بدل کریوں کہے کہ ہر شخص خود بخود سمجھ سکتا ہے اس کا سمجھنا مشکل نہیں، سو وہ خود بحکم قرآن فاسق ہے کیونکہ اس نے حضور کیلئے وہ چیز تسلیم نہیں کی بلکہ عوام کیلئے مانی۔ ایک بادشاہ جب اپنے نائب کو کہیں بھیجتا ہے تو پہلے تمام باتیں جو اس کی ذات سے وابستہ ہوتی ہیں تعلیم فرما دیتا ہے تمام بھیدوں اور راز کی باتوں سے آگاہ و خبردار کر دیتا ہے اس کے بعد جو احکام آتے ہیں۔ اس میں صرف اشارے اور کنائے ہوا کرتے ہیں جن کو سوائے اس نائب کے کوئی نہیں سمجھ سکتا، سو

اس بادشاہ حقیقی رب العزت جل وعلا نے اپنے نائب اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اسرار و رموز و نکات اور جمیع حالات گزشتہ اور آئندہ سے مطلع فرما کر مبعوث فرمایا۔ قرآن پاک نازل ہونا شروع ہوا اور وقت وقت سے احکام آتے گئے تو اب وہ احکام وہ باتیں وہ آیتیں بے شک روشن اور کھلی ہوئی ہیں مگر اللہ کے نائب مطلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہر شخص کیلئے نہیں۔

قرآن شریف کے سمجھنے کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

اب مولوی اسمٰعیل صاحب تو موجود نہیں ہیں، ہاں ان کو امام اور پیشوا و شہید ماننے والے موجود ہیں ذرا انہیں سے پوچھ کر ہمیں بتا دو کہ آپ لوگوں کے امام نے ''تقویۃ الایمان'' میں یہ لکھا ہے کہ قرآن شریف کا سمجھنا کچھ مشکل نہیں تو ذرا حروف مقطعات جس قدر کلام پاک میں آئے ہیں۔ مثلاً کٓھٰیٰعٓصٓ وغیرہ ان کے معنی ہمیں سمجھا دیجئے۔ اور اگلے بزرگوں اماموں، مجتہدوں اور تفسیر لکھنے والوں کی تفسیروں اور ان کی کتابوں کی بغیر مدد لئے ہوئے قرآن پاک کی آیتوں کا جن کی تعداد چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ ہے۔ جدا جدا ہر ایک کا شان نزول محض قرآن مجید کا ترجمہ دیکھ کر بتا دیجئے ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ ان سب بزرگوں پیشواؤں کی مدد لئے بغیر کوئی ایک آیت کا بھی شان نزول نہیں بتا سکتا اور بغیر شان نزول معلوم کئے کسی آیت کا صحیح مفہوم اور مطلب ہاتھ نہیں آ سکتا کہ یہ آیت کس کے بارے میں اُتری ہے۔ اگر کوئی شخص کسی آیت کا صحیح شان نزول بتا دیگا تو اگلی کتابوں میں دیکھ کر ہی بتا سکے گا اور کسی ترجمہ کرنے والے نے شان نزول لکھا بھی ہو گا تو اگلے بزرگوں کی کتابوں ہی میں دیکھ کر لکھا ہو گا۔ بالفرض اگر کوئی یہ بتائے کہ اس آیت کا شان نزول یہ ہے تو سننے والا یہ سوال کر سکتا ہے کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ اس کا شان

نزول یہ ہے، تو مجبوراً اگلے بزرگوں اور اماموں اور مفسرین کی کتابوں کا نام لینا ہی پڑے گا ورنہ کوئی بھی ایسی بات ماننے کیلئے تیار نہ ہوگا۔ اسی طرح اور ہزاروں باتیں ہیں جن کیلئے اپنے اگلے بزرگوں کا دامن پکڑنا ہی پڑتا ہے کہ یہی حکم اللہ و رسول کا ہے (جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بحمد اللہ تعالیٰ۔ یہ بالکل ثابت ہوگیا کہ قرآن شریف میں ہر چیز کا روشن اور کھلا ہوا بیان ہے۔ مگر صرف حضور ہی کیلئے بغیر حضور کے بتائے کوئی نہیں سمجھ سکتا

شاگرد: آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ لوگ اس کلام پاک کو پڑھتے بھی ہیں اور پھر بھی گمراہ ہیں۔ حق بات ان کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔

استاد: دیکھو سورۃ بقرہ میں تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔

يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ (پارہ ۱، البقرہ آیت ۲۶)

گمراہ کرتا ہے بہت سوں کو اور راہ دکھاتا ہے یہ (قرآن) بہت سوں اور نہیں گمراہ کرتا ہے یہ (قرآن) مگر فاسقوں کو۔

یعنی اس کو پڑھ کر بہت سے راہ پاتے ہیں اور بہت سے گمراہ ہوتے ہیں مگر گمراہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو فاسق یعنی بدکار ہیں۔

شاگرد: قرآن شریف نے بھی کوئی طریقہ بتایا ہے جس پر عمل کرکے اس کو ٹھیک ٹھیک سمجھ سکتے ہیں۔

قرآن کو سمجھنے کیلئے اللہ نے نور بھیجا

استاد: ہاں بتایا ہے دیکھو۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ (پارہ ۶/المائدہ آیت ۱۵)

تحقیق آیا تمہارے پاس (اللہ کی طرف سے) نور اور روشن کتاب

یعنی کتاب تو روشن ہے مگر اس کے پڑھنے کیلئے نور کی ضرورت تھی سو ہم نے ساتھ ساتھ نور بھی بھیج دیا۔

شاگرد: جب کتاب خود روشن ہے تو نور کی کیا ضرورت تھی؟

استاد: کتاب تو ضرور روشن ہے مگر بغیر دوسری روشنی کے کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ یادرکھو ایک روشنی کبھی کارآمد نہیں ہوا کرتی جس طرح آفتاب کی روشنی سے دنیا کی ہر چیز روشن ہے مگر جس کی آنکھ میں روشنی نہ ہو اس کے لئے ہر چیز کا روشن ہونا بیکار ہے یا آنکھ میں روشنی ہو مگر آفتاب نہ ہو رات کا وقت ہو تو آنکھ کی روشنی کارآمد نہیں ہوتی۔ بہرکیف دوسری روشنی کی ضرورت پڑتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح سورج کے ہوتے ہوئے دنیا کی ہر چیز ظاہر و روشن ہے مگر اندھے کیلئے اس ہر چیز کا روشن ہونا نہ ہونے کے برابر ہے اسی طرح قرآن پاک روشن مگر جس کے دل میں نور ایمان نہیں اس کے لئے یہ کلام پاک ایسا ہے جیسے اندھے کے ہاتھ میں روشن چراغ

شاگرد: وہ اللہ کا بھیجا ہوا نور کون سا ہے۔ جس کے بغیر کلام پاک نہیں سمجھ سکتے۔

استاد: وہ نور مجسم ہمارے تمہارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کو دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے "سِرَاجًا مُّنِيْرًا" یعنی روشن چراغ فرمایا۔

شاگرد: سبحان اللہ! تو وہ روشن چراغ ہمارے آقا ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر یہ تو فرمائیے کہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو روشن چراغ کیوں فرمایا سورج یا چاند کیوں نہیں فرمایا؟

استاد: وہ خصوصیت چاند اور سورج میں نہیں جو چراغ میں ہے۔ قاعدہ ہے کہ

جب کوئی اپنا چراغ روشن کرنا چاہتا ہے تو کسی روشن چراغ کی لو سے لو ملا کر روشن کر لیتا ہے اور ایک چراغ سے ہزاروں چراغ روشن ہو سکتے ہیں۔ مگر چاند اور سورج میں یہ صفت نہیں۔ اسی لئے مولیٰ تبارک وتعالیٰ نے بجائے چاند وسورج کے "سِرَاجاً مُّنِیْراً" یعنی روشن چراغ فرمایا۔ تو اب قرآن شریف پڑھنے اور سمجھنے کیلئے نور لینا چاہو تو دل کے چراغ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا تیل اور محبت کی بتی ڈال کر عشق کی گرمی سے روشن کر کے پڑھو۔ انشاء اللہ تعالیٰ سب کچھ سمجھ لو گے، بغیر اس کے ایک آیت کا بھی صحیح مطلب نہیں سمجھ سکتے۔ اسی لئے کلام پاک نے دین کی نعمتیں حاصل کرنے کیلئے دو قانون ہمیں بتائے۔ پہلا قانون

مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَ مَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا (پارہ ۲۸، الحشر آیت ۷) جو کچھ رسول تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

جو کچھ رسول تمہیں دیں وہ لے لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

اس آیت کریمہ سے دو باتیں خاص معلوم ہوئیں یعنی جو حکم ہو اس پر عمل کرو اور جس کام سے منع فرمادیا ہو وہ مت کرو۔

جن باتوں کا قرآن وحدیث میں نہ حکم ہے نہ ممانعت ان کا کرنا کیسا ہے؟

شاگرد: حضور ایسی بھی تو بہت سی باتیں ہیں جن کے کرنے کا نہ تو حکم ہے اور نہ ان کیلئے منع فرمایا ہے۔ وہ کس درجہ میں شمار ہوں گی جیسے میلاد شریف، فاتحہ، بزرگان دین کی نیاز، عرس، تیجہ، چالیسواں وغیرہ وغیرہ ان تمام کاموں سے یہ کہہ کر روکا جاتا ہے کہ قرآن وحدیث میں کہیں حکم نہیں۔ لہٰذا ناجائز ہے۔

استاد: یہ منع کرنے والوں کی جہالت ہے کہ وہ قانون شریعت سے واقف نہیں

ورنہ کوئی کام اس وقت تک جائز نہیں ہو سکتا جب تک قرآن عظیم نے ناجائز نہ فرمایا ہو۔ اپنی طرف سے کسی فعل کو ناجائز کہنا نئی شریعت گڑھنا ہے صحابہ کرام ہر ہر بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کرتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ تم ان باتوں کو پوچھ پوچھ کر کیوں پابند ہوتے ہو جو خدا اور رسول کی طرف سے معاف ہیں۔ یعنی ان کو تمہاری آسانی کیلئے چھوڑا گیا تو بھول کر نہیں چھوڑا گیا ہے اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَقَدْ فَصَّلَ لَکُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَیْکُمْ (پارہ ۸، الانعام/آیت ۱۱۹) بے شک اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ صاف صاف بیان فرمادیا جو تم پر حرام کیا۔ (مشکوٰۃ شریف)

یہی وجہ ہے کہ مسلمان ابتدائے اسلام میں شراب کا استعمال کرتے تھے جس دن سے حرام کردی گئی اسی دن سے ترک کردی۔ مسلمان عورتیں بے پردہ رہتی تھیں جب سے پردہ کا حکم آیا پردہ کرنے لگیں۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں مولیٰ تعالیٰ توفیق دے تو اتنا ہی کافی ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ جو کار خیر وہ کرتے ہیں ان کو اگر کوئی منع کرے تو کہہ دیں کہ قرآن اور حدیث میں اس کی ممانعت دکھا دو، دیکھو پھر منع کرنے والا خود خاموش ہو جائے گا۔ ان تمام امور خیر کیلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کافی ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے (بخاری ص۲ ج۱)۔ اس ارشاد نے تمام مسلمانوں کیلئے بالکل راستہ کھول دیا کہ اگر نیت حسن اور نیک ہے تو وہ فعل بھی حسن اور نیک ہے یعنی ان کاموں کا کرنے والا ثواب پائے گا۔

شاگرد: مگر تیرہ سو برس کے بعد آج کل کے مسلمانوں کو کیسے معلوم ہو کہ حضور نے کیا حکم دیا ہے اور کس بات سے منع فرمایا۔

استاد: یہی معلوم کرنے کیلئے قرآن مجید نے دوسرا قانون بتایا۔

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (پ۱۷ ،الانبیاء آیت ۷) علم والوں سے پوچھو جو تمہیں نہ معلوم ہو

شاگرد: یہ تو آجکل اور بھی دشوار چیز ہے کہ اسی چیز کو بعض علماء جائز بتائیں اور اسی کو بعض مولوی ناجائز اور حرام بتائیں۔ کس کی بات پر عمل کریں۔

استاد: یہ سوال تم نے خوب کیا اب بات بالکل صاف ہو کر دوست دشمن کی پہچان ہو جائیگی۔ دیکھو حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں۔

اَلْاَعْدَاءُ ثَلٰثَةٌ" دشمن تین ہیں۔ عَدُوُّكَ وَعَدُوُّ صَدِيْقِكَ وَصَدِيْقُ عَدُوِّكَ ۔ایک تیرا دشمن، دوسرے تیرے دوست کا دشمن، تیسرے تیرے دشمن کا دوست

اب دیکھنا یہ ہے کہ دوست کون ہے اور دشمن کون ہے۔ دوست کا دشمن کون ہے اور دشمن کا دوست کون ہے۔ مسلمانوں کے دوست خدا اور رسول ہیں (جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم) اور دشمن خدا اور رسول کا ابلیس لعین ہے۔ اور اس کے دوست بدمذہب ہیں اور دوست اللہ و رسول کے صحابہ کرام و اولیاء عظام وغیرہ ہیں۔

جاننا چاہیے کہ اس رب کریم نے ہم میں اپنا رسول بھیجا جنکی شان میں فرمایا۔

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (پ۱۱ ۔التوبہ آیت ۱۲۸) یعنی مسلمانوں پر بہت بڑے مہربان۔

تو حضور سے زیادہ جہان میں مسلمانوں کا سچا دوست اور رفیق و مہربان دوسرا کون ہوسکتا ہے۔ حضور نے ہمیں دین دیا، ایمان دیا، ایمان کے برقرار رکھنے کیلئے اور اس میں روحانیت پیدا کرنے کیلئے روحانی غذائیں مرحمت فرمائیں اور وہ غذائیں

قرآن پاک کی سچی تعلیم ہے۔ جس کا دوسرا نام دین کی نعمتیں ہیں۔ اور یہ تمام نعمتیں جو قیامت تک کیلئے ضروری تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امتیوں کو جو وقت پر موجود تھے یعنی صحابہ کرام کو عطا فرمادیں اور ان صحابہ کرام سے انہیں نعمتوں کو تابعین نے حاصل کیا۔ تابعین سے تبع تابعین نے پایا اور پھر اسی طرح درجہ بدرجہ ہر زمانے کے اماموں، فقیہوں، مجتہدوں، عالموں وغیرہ وغیرہ کے ذریعہ اور واسطے سے آج تک جماعت اہل سنت نے انہیں نعمتوں کو پایا اور پاتے رہیں گے۔ مگر شیطان لعین جو مسلمانوں کے دین وایمان کا سب سے بڑا دشمن ہے وہ کیا کرتا ہے۔ یہ بعد میں بتاؤں گا۔ پہلے دشمنی کی مختصر وجہ پر غور کر لیا جائے تاکہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجائے۔

دشمنی کی وجہ یہ ہے کہ جماعت اہل سنت چونکہ اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی فدائی اور شیدائی ہے کہ وضو کیلئے ان کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پانی طلب کرے تو ان صحابہ کے اس طرح پانی لانے کیلئے دوڑتے کہ دیکھنے والے سمجھتے، آپس میں لڑ مریں گے یعنی ہر مسلمان یہی چاہتا تھا کہ یہ خدمت میں انجام دوں میرے ہاتھوں سے ہو، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو دیکھا کہ انہوں نے منزل صہبا میں عصر کی نماز کو حضور کے آرام پر قربان کردیا وغیرہ وغیرہ، اس قسم کے نظارے دیکھ کر ابلیس نے اس بات کا بیڑا اٹھایا کہ مسلمانوں کے دلوں سے ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نکال دے کیونکہ حضور کے نور پاک کی تعظیم کیلئے سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے اس کی عمر بھر کی عبادت خاک میں ملی۔ اور ہمیشہ کیلئے لعنت کا طوق گلے میں پڑگیا۔ پھر یہ مردود کیسے گوارہ کرتا کہ دنیا میں کوئی ان کی تعظیم کرے مدتوں اسی دھن میں لگا رہا۔ اور سوچتا رہا کہ کیا تدبیر کروں، کس کو آلہ کار بناؤں، اس

عرصہ میں اس نے کئی طریقوں سے کام لیا اور قدرے کامیاب بھی ہوا۔ اس جماعت اہلسنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کتنے ہی فرقے بنا ڈالے مگر اس سے اس کا دل ٹھنڈا نہ ہوا۔ آخر کار ۱۲۰۹ھ میں ایک مطلب کا یار مل گیا۔

وہابیوں کا نیا مذہب کیوں نکلا ہے؟

ابن عبدالوہاب نجدی، اور اس کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی دیدی تھی کہ نجد سے زلزلے اور فتنے اٹھیں گے اور یہ بھی فرمادیا تھا کہ وہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا، دنیا کی دولت جاہ وحشمت اور حکومت کا لالچ دین کی نعمتوں اور عقبیٰ کی دولتوں سے اندھا کر دیتا ہے حق اور ناحق کچھ نہیں سوجھتا یزید اور اس کے ساتھی اٹھارہ ہزار یا بائیس ہزار کوفی کیا یہ سب کلمہ نہیں پڑھتے تھے یا اپنے کو مسلمان نہیں کہتے تھے مگر صرف دنیا کی خاطر عقبیٰ سے منہ موڑ کر جہنم کے راستے پر ہو لئے اور کربلا کے میدان میں اپنے نبی کی آل کے ساتھ وہ کر گزرے جس سے آج دنیا کے نہ صرف کلمہ پڑھنے والے بلکہ غیر مسلم بھی حیران ہیں یہی شوق اور جذبہ ابن عبدالوہاب نجدی کو پیدا ہوا کہ مکہ اور مدینہ پر حکومت کرے اور حکومت بغیر تلوار اٹھائے مل نہیں سکتی، کیا تدبیر کی جائے اور کس طرح لوگوں کو اس کام پر آمادہ کیا جائے یہ اسی فکر میں تھا کہ شیطان اس کا مددگار بنا اور یہ حکمت سمجھائی کہ جب تک تو مکے اور مدینے اور ساری دنیا کے مسلمانوں کو مشرک نہ بنائے گا تب تک تو کامیاب نہیں ہو سکتا اور اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ عام طور سے ہر مسلمان قرآن وحدیث پر ایمان رکھتا ہے۔ اور جب سنتا ہے کہ یہ بات قرآن وحدیث میں یوں لکھی ہے تو دل وجان سے مان لیتا ہے۔ لہٰذا وہ تمام آیتیں جو اللہ تعالیٰ نے بتوں اور بت پرستوں کی مذمت میں نازل فرمائی ہیں جمع کر اور جو حدیثیں ان کی تائید

میں ملیں انہیں چن لے۔ اور ان کا ترجمہ لکھ کر اور کچھ ترجمہ میں اپنی طرف سے ملا کر انبیاء، صحابہ، آئمہ، اولیاء، شہداء، صالحین، مجتہدین وغیرہ کہ انہیں سب کے ذریعہ قرآن وحدیث کی سچی تعلیم عام مسلمانوں تک پہنچ رہی ہے۔ ان سب کو بتوں کی جگہ ثابت کرنے کی کوشش کر اور تمام مسلمان چونکہ ان کا دامن مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں ان کو بت پرست اور مشرک بتا کر اپنی جماعت کو ان کے خلاف جہاد کیلئے آمادہ کر، اس کے سوا اور کوئی تدبیر حکومت ملنے کی نہیں۔

سو ابن عبدالوہاب نجدی نے ایسا ہی کیا۔ اور ایک کتاب۔ ''کتاب التوحید'' کے نام سے تصنیف کی جو عربی میں تھی، اس کتاب کا ترجمہ مولوی اسماعیل دہلوی نے اردو میں کیا۔ اس کا نام ''تقویۃ الایمان'' رکھا۔ اور جن مولویوں کو دین سے زیادہ دنیا پیاری تھی دنیا کی دولت نے انہیں بھی عقبیٰ کی نعمتوں سے اندھا کر دیا۔ غرضکہ ایسے مولوی محض دنیا کی خاطر تعلیم اور سچے مذہب اور سچے عقیدے سے ہٹ کر جہنم کے راستے پر ہو لئے اور ابن عبدالوہاب نجدی کا نیا مذہب اور نیا عقیدہ پھیلانا شروع کر دیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے وارثوں اور نائبوں نے خصوصاً امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس جھوٹے مذہب اور باطل عقیدے کی اشاعت دیکھ کر اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ان کے مکر وفریب سے بچانے اور آگاہ کرنے کیلئے سینکڑوں کتابیں تصنیف کیں اور تقریروں میں بھی یہی فرمایا کرتے کہ تم مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھیڑیں ہو، بھیڑیئے تمہاری تاک میں لگے ہیں۔ دین کے ڈاکو تمہارے دین کی پونجی اور ایمان کی دولت لوٹنے کیلئے طرح طرح کے بھیس میں پھر رہے ہیں۔ قرآن وحدیث کی سچی تعلیم جو آج تک سلسلہ بہ سلسلہ تم تک آرہی ہے۔ اس میں

دنیا کے لالچیوں اور دین کے دشمنوں نے عقیدگی کا زہر ملا دیا ہے ہوشیار، خبردار، کہیں ان کے فریب میں نہ آجانا۔ جیسا کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے — سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
آنکھ سے کاجل صاف چرالیں یاں وہ چور بلا کے ہیں — تیری گٹھری تاکی ہے اور تو نے نیند نکالی ہے
یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا — ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے
سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے — تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے
شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈائن شوہر کش — اس مردار پہ کیا للچایا، دنیا دیکھی بھالی ہے

اس اعلان کی صدائیں قریب قریب دنیا کے ہر گوشے میں پہنچ چکی ہیں۔ آج اگر کسی بستی میں یہ خبر ہو جاتی ہے کہ ڈاکو آئے ہوئے ہیں۔ ہوشیار رہنا۔ فقط اتنی سی بات سنکر بستی کے لوگوں کو ساری رات نیند نہیں آتی جاگ جاگ کر پہرہ دے دے کر جان و مال کی حفاظت کیلئے صبح کر دیتے ہیں۔ کیا دین و ایمان کی قدر جان کے برابر نہیں رہی۔ اگر ہے اور خدا کرے ہو، تو اب بتاؤ کہ اس اعلان کو سنکر عام مسلمانوں کا کیا فرض تھا۔ جن مسلمانوں کو اللہ و رسول اور اللہ و رسول کا دیا ہوا دین پیارا اور عزیز تھا۔ وہ سب کے سب اس اعلان کو سنکر ہوشیار ہو گئے، خبردار ہو گئے اور اعلان کرنے والوں کے قدموں میں آگرے اور اپنے دین و ایمان کو ڈاکوؤں سے بچالیا اور جن لوگوں کے دلوں میں دین و ایمان کی قدر نہیں وہ غور نہیں کرتے کہ کون کیا کہہ رہا ہے، مگر ایسی لاپروائی کرنے والے خوب یاد رکھیں کہ ہمیشہ دنیا ہی میں رہنا نہیں ہے۔ قیامت قریب ہے خدا کے سامنے جانا ہے اس کے فیصلے کا انتظار کرتے رہیں (اپنے شاگرد غلام دستگیر کی طرف اشارہ کر کے) تمہارے سوال کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کوئی عالم، مقرر، جو واعظ، تمہارے سامنے کسی بات کو حرام یا ناجائز یا شرک یا

بدعت بتائے کہ اس آیت یا حدیث کا مطلب صحابہ کے نزدیک یا محدثین کے نزدیک بھی یہی ہے یعنی ان کی عبارتیں اور راویوں کے حوالے تمہارے سامنے پیش کرے تو بلا تکلف مان لو کہ یہ حق پر ہے اور اگر مسئلہ خود بیان کرے کہ یہ حرام اور بدعت اور ناجائز ہے مگر اس کے حرام اور ناجائز ہونے کے بارے میں نہ آیت پیش کرے نہ حدیث پیش کرے اور نہ کسی محدث کا قول نہ آئمہ و مجتہدین کی سند پیش کرے بلکہ الٹا تمہیں سے کہے کہ لاؤ کہاں جائز لکھا ہے بس پہچان لو کہ یہ انہیں میں سے ہے جس سے مسلمانوں کو دور رہنا چاہئے۔

دوست دشمن کی سب سے بڑی پہچان

چونکہ یہ لوگ تقیہ کر لیتے ہیں جس سے لوگ دھوکہ میں آجاتے ہیں۔ اس لئے میں ایسی اعلیٰ اور نفیس چیز بتاتا ہوں جس پر عمل کر کے تم کبھی قیامت تک دھوکہ نہیں کھا سکتے وہ یہ کہ جس کسی کو تم جاننا چاہو اور یہ معلوم کرنا ہو کہ یہ مولوی وہابی ہے یا سنی، چاہے وعظ کرانا ہو یا مسجد میں امامت کیلئے مقرر کرنا ہو یا اپنے مدرسے میں اپنے بچوں کی تعلیم کیلئے رکھنا ہو اس کے سامنے ''حسام الحرمین شریف'' پیش کرو۔ اس کتاب میں اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والوں پر مکے اور مدینے کے تمام علمائے کرام نے کفر کے فتوے دیئے ہیں۔ اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ جو ان لوگوں کے کفر پر مطلع ہونے کے بعد اللہ و رسول کی توہین کرنے والوں کو مسلمان سمجھے یا ان کے کفر و عذاب میں شک کرے وہ بھی انہیں کی طرح کافر ہے نہ اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے نہ اس سے وعظ کرانا درست بلکہ ہر طرح اس سے دور رہنا اور اس کو اپنے سے دور رکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے بلکہ ہر فرض سے اہم فرض ہے یہ کتاب ''حسام الحرمین'' دکھاؤ اور دریافت کرو کہ یہ کتاب کیسی ہے آیا آپکے

نزدیک یہ فتاویٰ حق وصحیح ہیں یا نہیں اگر وہ پہلوتہی کرے یا بہانے بنائے تو کسی پہلو اسے بچنے کا موقع نہ دو اگر کہے کہ میں نے یہ کتاب پڑھی نہیں ہے تو کہدو کہ اب پڑھ لیجئے اور پڑھ کر بتایئے میں سچ کہتا ہوں کہ اگر وہ مسلمان سنی صحیح العقیدہ ہے تو بلا تکلف کہدے گا کہ ہاں یہ کتاب حق ہے میں اس کے فتوؤں کو مانتا ہوں تو فوراً اس سے ایک کاغذ پر لکھوا کر اپنے پاس حفاظت سے رکھ لو اور یہ یقین کے ساتھ جان لو کہ یہ سنی ہے۔ اور اگر وہ کسی پہلو نہ جمے اور بہانے لرے کہ صاحب میں مفتی نہیں ہوں یہ تو کام مفتیوں کا ہے یا یہ کہے کہ صاحب مجھے نہیں معلوم کہ ایسی عبارتیں ان مولویوں نے لکھی بھی ہیں یا نہیں وغیرہ وغیرہ۔ تو یاد رکھو کہ یقیناً بلاشبہ وہ تقیہ باز وہابی ہے اس کو ہرگز امام نہ بناؤ اس کو اپنے بچوں کا استاد نہ بناؤ۔ اسکو منبر پر وعظ کیلیے جگہ نہ دو، اس کا وعظ نہ سنو، اگر تم نے اور عام مسلمانوں نے میری اس بات پر عمل نہ کیا تو دین وایمان کی حفاظت کیلیے اس سے بہتر کوئی دوسری بات نہیں ہو سکتی۔ مولیٰ تعالیٰ توفیق بخشے۔ آمین۔ اور ہر مسلمان کو چاہئے کہ کتاب ''حسام الحرمین'' سے مل سکتی ہے لیکر اپنے پاس رکھے اور پڑھے اور اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو کسی عالم سے جو اس کی تصدیق کرے اُن سے پڑھے اور سمجھے اور اپنے بچوں کو بھی اس کی تعلیم دے۔ اُستاد کے اس بیان سے سب نے خوش ہو کر کہا۔ سبحان اللہ بڑی نفیس نصیحت فرمائی۔ خدا کرے تمام مسلمان اسی پر عمل کریں تا کہ کبھی کسی کے فریب میں نہ آئیں، اس کے بعد غلام دستگیر نے ایک سوال پیش کیا۔

شاگرد : تقویۃ الایمان کے صفحہ ۲ پر ایمان کے بارے میں یہ عبارت لکھی ہے کیا یہ ٹھیک ہے۔ (غرض جو کوئی بہت جاہل ہے اس کو اللہ ورسول کے کلام سمجھنے میں زیادہ رغبت چاہئے اور جو بہت گنہگار ہو اس کو اللہ ورسول کی راہ چلنے میں زیادہ

کوشش چاہئے سو ہر خاص وعام کو چاہئے کہ اللہ ورسول ہی کے کلام کو تحقیق کریں اور اسی کو سمجھیں اور اسی پر چلیں اور اسی کے موافق اپنے ایمان کو ٹھیک کریں۔ سو سننا چاہئے کہ ایمان کے دو جز ہیں، خدا کو خدا جاننا اور رسول کو رسول جاننا، خدا کو خدا سمجھنا اسطرح پر ہوتا ہے کہ اس کا شریک کسی کو نہ سمجھے اور رسول کو رسول سمجھنا اس طرح پر ہوتا ہے کہ اس کے سوا کسی کی راہ نہ پکڑے اس پہلی بات کو توحید کہتے ہیں اور اسکے خلاف کو شرک اور دوسری بات کو اتباع سنت کہتے ہیں اور اس کے خلاف کو بدعت)

استاد : اس میں یہ تو لکھا کہ اللہ ورسول کے کلام کو تحقیق کرے اسی کے موافق اپنے ایمان کو ٹھیک کرے مگر نہ کوئی آیت لکھی نہ کوئی حدیث کہ ایمان کیا چیز ہے بس اس کے ٹکڑے کر کے بتا دیا یہ کوئی بات نہ ہوئی پہلے قرآن کی آیتوں سے ایمان کو سمجھانا اور بتانا تھا کہ حقیقی ایمان کیا چیز ہے خدا ورسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بارے میں کیا فرمایا ہے۔

شاگرد : کیا قرآن شریف میں اس کی تفصیل ہے۔

استاد : قرآن شریف میں ایمان کی تفصیل تو ضرور ہے، مگر چونکہ کلام پاک کی آیتوں سے اگر مولوی اسماعیل صاحب ایمان کو سمجھاتے تو پیارے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وعزت اور وقار مسلمانوں پر آفتاب کی طرح روشن ہو جاتا۔ انہیں چونکہ توحید کی آڑ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف وکمالات پر پردے ڈالنے تھے۔ اس لئے صاف اڑا گئے اور محض دل سے چند جملے گڑھ کر لکھ دیئے۔ تقویۃ الایمان کی عبارت تو بتاتی ہے کہ مشرکین کو توحید سکھائی جا رہی ہے، مگر جب ایک شخص صدق دل سے پڑھتا ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ تو اس کے پڑھنے سے شرک کا خاتمہ ہو گیا۔ اب تو کلمہ پڑھنے والے کو یہ بتانا تھا کہ اللہ ورسول

نے ایمان کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ اس کے مطابق ایمان درست کرو۔

شاگرد: اللہ ورسول نے ایمان کے بارے میں کیا فرمایا ہے، یہ تو ہمارے علماء پر فرض تھا کہ اس کو تقریروں اور تحریروں سے ناواقف مسلمانوں کو سمجھاتے اور بتاتے ،مگر ہمیں آج تک پتہ نہ چل سکا کہ اصل ایمان کیا چیز ہے۔ ہم تو فقط کلمہ پڑھ لینا کافی سمجھتے رہے۔

استاد: یہ تمہاری غفلت کا نتیجہ ہے کہ دنیا کی دولت حاصل کرنے کیلئے ہزاروں تدبیریں کرتے ہو، مگر دین وایمان کی دولت کہاں اور کیسے ملتی ہے۔ اب تک تم نہ معلوم کر سکے۔ علماء کرام رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔ ان کا کام بتانا ہے اور تمہارا کام دریافت کرنا، پانی خود پیاسوں کے پاس نہیں جاتا، ہمیشہ پیاسا پانی کی تلاش کیا کرتا ہے۔ سنیوں کے پیشوا وامام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ محمد احمد رضا خان صاحب قادری برکاتی بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ ''تمہید ایمان'' جس کو شائع ہوئے آج ستر، اسی برس کے قریب ہونے کو ہیں ہزاروں کی تعداد میں اس کی اشاعت ہو چکی ہے اور ہو رہی ہے۔ افسوس کہ تم کو آج تک اس کا علم نہیں۔ استاد کی اس بات کا سب شاگردوں کے دلوں پر خاص قسم کا اثر ہوا سب پر خاموشی اور سکوت کا عالم طاری تھا۔ مدرسے میں بالکل سناٹا تھا اور خلاف معمول آج چھٹی کے وقت کو ایک گھنٹہ زائد گزر جانے سے آس پاس کے لوگ بھی آگئے۔ وہ بھی بیٹھے غور سے سنتے رہے۔ سب نے ''تمہید ایمان'' کے دیکھنے کا شوق ظاہر کیا، استاد کے پاس صرف ایک ہی نسخہ تھا وہ اس شاگرد کو جس کے پاس ''تقویۃ الایمان'' تھی دیکر ہدایت کردی کہ آج رات میں بغور پڑھنا اور کل آکر سب کو سنانا اور سب شاگردوں اور دیگر لوگوں سے فرمایا کہ کل آکر تم لوگ سن لینا کہ اس

میں اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایمان کے بارے میں کیا فرمایا ہے یہ کہہ کر سب کو چھٹی دے دی گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوسرا سبق

دوسرے دن جب مدرسہ کھلا۔ وقت مقررہ پر سب لوگ اور تمام شاگرد حاضر ہوئے۔ آج غلام دستگیر کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا ہے۔ ایمان کی جلا ان کے بشرے سے ظاہر ہو رہی ہے۔ کل جو دوسرے لوگ اتفاقیہ مدرسہ میں آگئے تھے۔ آج کتاب ''تمہید ایمان'' کے سننے کا شوق انہیں بھی کھینچ لایا ہے۔

استاد: (غلام دستگیر سے مخاطب ہو کر) کہئے آپ نے ''تمہید ایمان'' کا مطالعہ کیا۔

غلام دستگیر: جی ہاں، اس کتاب کا ایک ایک حرف سونے کے قلم سے لکھنے کے قابل ہے۔ غلام دستگیر اس کے آگے کچھ اور کہنا چاہتے تھے کہ استاد نے بات کاٹ کر فرمایا

استاد: بس اب زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں یہ تمام تمہارے بھائی اسی کے سننے کے شوق میں آئے ہیں۔ کھڑے ہو کر سب کو سناؤ۔

غلام دستگیر کھڑے ہو کر ''تمہید ایمان'' سناتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔

مسلمان بھائیوں سے عاجزانہ دست بستہ عرض

پیارے بھائیو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کو اور آپ

کے صدقے میں اس ناچیز کثیر السیات کو دین پر قائم رکھے اور اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی عظمت دے اور اسی پر خاتمہ کرے۔ آمین یا ارحم الرحمین۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہی مدار ایمان ہے

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔

آیت ۱: اِنَّآ اَرْسَلْنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ (پ ۲۶ سورۃ الفتح آیت ۸-۹)

اے نبی بیشک ہم نے تمہیں بھیجا گواہ اور خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا، تاکہ اے لوگو تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور رسول کی تعظیم وتوقیر کرو اور صبح وشام اللہ کی پاکی بولو۔

مسلمانو! دیکھو دین اسلام بھیجنے، قرآن اتارنے کا مقصود ہی تمہارا رب تبارک وتعالیٰ تین باتیں بتاتا ہے۔

اول: یہ کہ لوگ اللہ ورسول پر ایمان لائیں۔

دوم: یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کریں۔

سوم: یہ کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رہیں۔

مسلمانو! ان تینوں جلیل باتوں کی جمیل ترتیب تو دیکھو سب میں پہلے ایمان کو فرمایا اور سب میں پیچھے اپنی عبادت کو اور بیچ میں اپنے پیارے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم کو۔ اسلئے کہ بغیر ایمان تعظیم کارآمد نہیں۔ بہتیرے نصاریٰ ہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم اور حضور پر سے دفع اعتراضات کافران لئیم میں تصنیفیں کر چکے، لکچر دے چکے مگر جبکہ ایمان نہ لائے۔ کچھ مفید نہیں کہ یہ ظاہری تعظیم ہوئی، دل میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی عظمت

ہوتی تو ضرور ایمان لاتے پھر جب تک نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سچی تعظیم نہ ہو عمر بھر عبادت الٰہی میں گزارے سب بیکار و مردود ہے۔ بہتیرے راہب اور جوگی ترک دنیا کر کے اپنے طور پر ذکر و عبادت الٰہی میں کاٹ دیتے ہیں۔ بلکہ ان میں بہت وہ ہیں کہ لا الہ الا اللہ کا ذکر سیکھتے اور ضربیں لگاتے ہیں مگر از اں جا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم نہیں، کیا فائدہ...... اصلاً قابل قبول بارگاہ الٰہی نہیں۔ اللہ عزوجل ایسوں ہی کو فرماتا ہے۔

وَقَدِمْنَآ اِلٰی مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۔ (پ۱۹ سورۃ الفرقان آیت ۲۳)

جو کچھ اعمال انہوں نے کیے ہم نے سب برباد کر دیئے۔

ایسوں ہی کو فرماتا ہے۔

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ٥ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً ٥۔ (پ۳۰ سورۃ الغاشیۃ آیت ۳،۴)

عمل کریں مشقتیں بھریں اور بدلہ کیا ہو گا یہ کہ بھڑکتی آگ میں بیٹھیں گے۔ (والعیاذ باللہ تعالیٰ)



نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت ماں باپ اولاد اور سارے جہان سے زائد ہونی شرطِ نجات ہے

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔

آیت ۲:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۔ (پ۱۰ التوبہ آیت ۲۴)

اے نبی تم فرمادو کہ اے لوگو تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی تمہاری بیبیاں تمہارا کنبہ تمہاری کمائی کے مال اور وہ سوداگری جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے اور تمہارے پسند کے مکان ان میں سے کوئی چیز بھی اگر تم کو اللہ اور اللہ کے رسول اور اس کی راہ میں کوشش کرنے سے زیادہ محبوب ہے تو انتظار رکھو یہاں تک کہ اللہ اپنا عذاب اتارے اور اللہ تعالیٰ بے حکموں کو راہ نہیں دیتا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جسے دنیا جہاں میں کوئی عزیز کوئی معزز، کوئی مال، کوئی چیز اللہ ورسول سے زیادہ محبوب ہو وہ بارگاہ الٰہی سے مردود ہے۔ اللہ اسے اپنی طرف راہ نہ دیگا۔ اسے عذاب الٰہی کے انتظار میں رہنا چاہئے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ

☆☆☆☆☆☆☆

تمہارے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ (بخاری)

تم میں سے کوئی مسلمان نہ ہوگا جب تک میں اس کے ماں باپ اولاد اور سب آدمیوں سے زیادہ پیارا نہ ہوں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

یہ حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم میں انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے ہے۔ اس نے تو بات صاف فرمادی کہ جو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو عزیز رکھے ہرگز مسلمان نہیں۔

مسلمانو! کہو محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تمام جہان سے زیادہ محبوب رکھنا مدار ایمان اور مدار نجات ہوا یا نہیں۔ کہو ہوا اور ضرور ہوا۔ یہاں تک تو سارے کلمہ گو خوشی خوشی قبول کرلیں گے کہ ہمارے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عظیم عظمت ہے۔ ہاں ہاں، ماں باپ اولاد اور سارے جہاں سے زیادہ ہمیں حضور کی محبت ہے بھائیو! خدا ایسا ہی کرے مگر ذرا کان لگا کر اپنے رب کا ارشاد سنو۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ومحبت کا زبانی ادعا یعنی دعویٰ، کافی نہیں بلکہ امتحان ہوگا

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔

آیت ۳

الٓمّٓ ۚ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۚ (پ۲۰ سورۃ العنکبوت آیت ۲،۱)

کیا لوگ اس گھمنڈ میں ہیں کہ اتنا کہہ لینے پر چھوڑ دیئے جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہو گی۔

یہ آیت مسلمانوں کو ہوشیار کر رہی ہے کہ دیکھو کلمہ گوئی اور زبانی ادعائے مسلمانی پر تمہارا چھٹکارا نہ ہوگا۔ ہاں ہاں سنتے ہو آزمائے جاؤ گے، آزمائش میں پورے نکلے تو مسلمان ٹھہرو گے۔ ہر شے کی آزمائش میں یہی دیکھا جاتا ہے۔ کہ جو باتیں اس کے حقیقی واقعی ہونے کو درکار ہیں وہ اس میں ہیں یا نہیں، ابھی قرآن وحدیث ارشاد فرما

چکے کہ ایمان کے حقیقی واقعی ہونے کو دو باتیں ضرور ہیں، محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی محبت کو تمام جہان پر تقدیم، تو اس کی آزمائش کا یہ صریح طریقہ ہے تم کو جن لوگوں سے کیسی ہی تعظیم، کتنی ہی عقیدت، کتنی ہی دوستی، کیسی ہی محبت کا علاقہ ہو جیسے تمہارے باپ تمہارے استاد تمہارے پیر، تمہاری اولاد، تمہارے بھائی، تمہارے احباب، تمہارے بڑے، تمہارے اصحاب، تمہارے مولوی، تمہارے حافظ، تمہارے مفتی، تمہارے واعظ وغیرہ وغیرہ، کسے باشد جب وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کریں۔ اصلاً تمہارے دل میں ان کی محبت ان کی عظمت کا نام ونشان نہ رہے۔ فوراً ان سے الگ ہو جاؤ، ان کو دودھ سے مکھی کی طرح نکال کر پھینک دو۔ ان کی صورت، ان کے نام سے نفرت کھاؤ، پھر تم اپنے رشتے ناطے، دوستی الفت کا پاس نہ کرو۔ اس کی مولویت، مشیخیت، بزرگی، فضیلت کو خطرے میں نہ لاؤ کہ آخر یہ جو کچھ تھا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی غلامی کی بنا پر تھا۔ جب یہ شخص انہیں کی شان میں گستاخ ہوا پھر ہمیں اس سے کیا علاقہ رہا۔ اس کے جبے، عمامے پر کیا جائیں، کیا بہتیرے یہودی جبے نہیں پہنتے، عمامے نہیں باندھتے، اس کے نام، علم و ظاہری فضل کو لیکر کیا کریں۔ کیا بہتیرے پادری بکثرت فلسفی بڑے بڑے علوم وفنون نہیں جانتے اور اگر یہ نہیں بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مقابل تم نے اس کی بات بنانی چاہی اس نے حضور سے گستاخی کی اور تم نے اس سے دوستی نباہی یا اسے ہر برے سے بدتر برا نہ جانا یا اسے برا کہنے پر برا مانا یا اسی قدر کہ اس امر میں بے پرواہی منائی یا تمہارے دل میں اس کی طرف سے سخت نفرت نہ آئی تو للہ اب تمہیں انصاف کرلو کہ تم ایمان کے امتحان میں کہاں پاس ہوئے، قرآن

وحدیث نے جس پر حصول ایمان کا مدار رکھا تھا اس سے کتنی دور نکل گئی۔ مسلمانو! کیا جس کے دل میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعظیم ہوگی وہ ان کے بدگو کی وقعت کرسکے گا؟ اگرچہ اس کا پیر یا استاد یا پدر ہی کیوں نہ ہو، کیا جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام جہاں سے زیادہ پیارے ہوں وہ ان کے گستاخ سے فوراً شدید نفرت نہ کرے گا۔ اگرچہ اس کا دوست یا برادر یا پسر ہی کیوں نہ ہو، للہ اپنے حال پر رحم کرو اور اپنے رب کی بات سنو دیکھو وہ تمہیں کیوں کر اپنی رحمت کی طرف بلاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنیوالا اگرچہ باپ ہو جو اس سے محبت رکھے مسلمان نہیں

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔ آیت ۴ :

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(پ ۲۸ سورۃ المجادلہ آیت ۲۲)

تو نہ پائے گا انہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ اور قیامت پر کہ ان کے دل میں ایسوں کی محبت آنے پائے جنہوں نے خدا اور رسول سے مخالفت کی۔ چاہے وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا عزیز ہی کیوں نہ ہو، یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرمادیا اور اپنی طرف کی روح سے ان کی مدد فرمائی اور انہیں باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں ہمیشہ رہیں گے ان میں، اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی یہی لوگ اللہ والے ہیں، سنتا ہے اللہ والے ہی مراد کو پہنچے۔

اس آیت کریمہ میں صاف فرمادیا گیا کہ جو اللہ یا رسول کی جناب میں گستاخی کرے، مسلمان اس سے دوستی نہ کرے گا جس کا صریح مفاد (صاف مطلب) یہ ہوا کہ جو اس سے دوستی کرے وہ مسلمان نہ ہوگا پھر اس حکم کا قطعاً عام ہونا بالتصریح (یعنی صاف صاف) ارشاد فرمایا کہ باپ بیٹے بھائی عزیز سب کو گنایا یعنی کوئی کیسا ہی تمہیں بالطبع محبوب ہو ایمان ہے تو گستاخی کے بعد اس سے محبت نہیں رکھ سکتے اس کی وقعت نہیں مان سکتے ورنہ مسلمان نہ رہو گا مولیٰ سبحانہ وتعالیٰ کا اتنا فرمانا ہی مسلمان کیلئے بس تھا مگر دیکھو وہ تمہیں اپنی رحمت کی طرف بلاتا ہے۔ اپنی عظیم نعمتوں کا لالچ دلاتا ہے کہ اللہ ورسول کی عظمت کے آگے تم نے کسی کا پاس نہ کیا کسی سے علاقہ محبت کا نہ رکھا تو تمہیں کیا کیا فائدے حاصل ہوں گے۔

(۱) اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں ایمان نقش کر دیگا۔ جس میں انشاء اللہ تعالیٰ حسن خاتمہ کی بشارت جلیلہ ہے کہ اللہ کا لکھا نہیں مٹتا۔

(۲) اللہ تعالیٰ روح القدس سے تمہاری مدد فرمائے گا۔

(۳) تمہیں ہیشگی کی جنتوں میں لے جائے گا۔ جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔

(۴) تم خدا کے گروہ کہلاؤ گے خدا والے ہوجاؤ گے۔

(۵) منہ مانگی مرادیں پاؤ گے بلکہ امید وخیال وگمان سے کروڑوں درجے افزوں

(۶) سب سے زیادہ یہ کہ اللہ تم سے راضی ہوگا۔

(۷) یہ کہ فرماتا ہے میں تم سے راضی تم مجھ سے راضی، بندے کیلئے اس سے زائد اور کیا نعمت ہوگی۔ کہ اس کا رب اس سے راضی ہو مگر انتہائے بندہ نوازی یہ کہ فرمایا اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ مسلمانو! خدا لگتی کہنا اگر آدمی کروڑوں جانیں رکھتا ہو اور وہ سب کی سب ان عظیم دولتوں پر نثار کردے تو واللہ کہ مفت

پائیں۔ پھر زید وعمرو سے علاقہ تعظیم ومحبت یک لخت قطع کر دینا کتنی بڑی بات ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ ان بے بہا نعمتوں کا وعدہ فرمارہا ہے اور اس کا وعدہ یقیناً سچا ہے۔ قرآن عظیم کی عادت کریمہ ہے کہ جو حکم فرماتا ہے جیسا کہ اس کے ماننے والوں کو اپنی نعمتوں کی بشارت دیتا ہے نہ ماننے والوں پر اپنے عذابوں کا تازیانہ بھی رکھتا ہے کہ جو پست ہمت نعمتوں کے لالچ میں نہ آئیں تو سزا کے ڈر سے راہ پائیں وہ عذاب بھی سن لیجئے۔

جوان کے گستاخ سے اگرچہ اپنا باپ ہو علاقہ رکھے اس پر قرآن مجید کے سات تازیانے

تمہارا رب عزوجل فرماتا ہے۔

آیت ۵تا۹ :

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِؕ وَمَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ (پ۱۰، سورۃ توبہ آیت ۲۳)

اے ایمان والو اپنے باپ بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو ان سے رفاقت کریں تو وہی لوگ ستمگار ہیں۔

اور فرماتا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ (الی قولہ تعالیٰ) تُسِرُّوْنَ اِلَیْهِمْ

اے ایمان والو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ تم چھپ کر ان سے دوستی کرتے ہو اور میں خوب جانتا ہوں